ہم سفر

عفت موہانی

ہم سفر

عفت موہانی

قیمت
بارہ روپیہ

ناشر
نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ
ٹیلیفون } آفس:- ۲۴۵۵۹-۳
رہائش:- ۲۵۳۳۴-۳

ناشر۔ عزیز الرحمن | بار دوم اپریل ۸۵ء | پرنٹر۔ نظامی پریس لکھنؤ

رات کے مہیب اور ہولناک سناٹے میں ٹرین کا دیوہیکل انجن کسی مردم خور عفریت کی طرح چیختا چنگھاڑتا آہنی پٹڑیوں پر دوڑ رہا تھا۔ اس کی دل ہلا دینے والی سیٹی میدانوں اور دور دور کے پہاڑوں میں گونج رہی تھی۔ اندھیرے کے بگولے کھڑکیوں کے پاس سے شور مچاتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ اور مسافروں کے لئے آہنی پہیوں کا آہنگ ایک مستقل لوری میں بدل گیا تھا۔

فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں صرف دو مسافر تھے۔

بیگم حسن آفندی ہلکی شال اپنے پیروں پر ڈالے نیم غنودہ سی کیفیت میں برتھ پر دراز تھیں اور امین آفندی۔ اُن کا بیٹا۔ تاریک خلاؤں میں نظریں گاڑے نہ جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا!۔

ڈبے میں ننھا سا قمقمہ خواب آگیں روشنی بکھیر رہا تھا۔ اور ٹرین لمحہ بہ لمحہ اپنی منزل کی طرف بھاگ رہی تھی۔

امین کی تیس بتیس سالہ زندگی کے پندرہ سولہ برس دیارِ مغرب میں بسر ہوئے تھے اُس کے باپ حسن آفندی عرب تھے اور ماں خالص شرقی نژاد خاتون۔ عرصہ تک وہ مشرقی ممالک کی سیریں کرتے رہے وہ سیاح بھی تھے اور ایک کامیاب بزنس مین بھی۔ دورانِ سیاحت ہی میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور بیگم حسن آفندی اپنے اکلوتے بیٹے

ایمن کے ساتھ لندن آگئیں ۔ جہاں اُن کے مرحوم شوہر نے معقول جائداد چھوڑی تھی۔
ایمن کی تعلیم کے لئے سرمایہ کافی تھا۔ بیگم حسن اس اندوختہ کی حفاظت کرتی رہیں۔ پھر
ایمن نے لندن ہی سے سرجری کی ڈگری حاصل کی۔ اور بیگم حسن کا فرض بھی ختم ہوگیا۔
وہ شوہر کی بے ہنگام وفات سے دل برداشتہ تو پہلے ہی تھیں۔ اس کے علاوہ دیارِ غیر سے
دل اچاٹ ہوگیا۔ گوکہ لاکھ وہ وطن ثانی بن چکا تھا۔ پھر انھیں اپنے وطن کی یاد آئی۔
رختِ سفر باندھا۔ اور کم و بیش پندرہ برس بعد وطن کی راہ لی۔ جوان بیٹے کے مستقبل کا
مسئلہ بھی سامنے تھا۔ لندن میں اس کی کامیاب زندگی کے سنہرے مواقع بہت سے تھے۔ لیکن
وہ چاہتی تھیں۔ عارضی اور تفریحی طور پر ہی سہی۔ ایک چکر زندگی میں اپنے وطن کا
ضرور لگائیں۔ ایمن کو اجازت دے رکھی تھی۔ اگر وہ چاہے تو پھر لندن چلا جائے!۔ وہ
جانتی تھیں۔ کہاں لندن اور کہاں اشرف آباد؟۔

بیگم آفندی ایمن کے لئے مشرقی دلہن چاہتی تھیں۔ ان کے کچھ جاننے والے ہنوز
اشرف آباد میں موجود تھے جن کے نام اور پتے دھندلے سے انھیں یاد تھے۔ اور
روانگی سے قبل انھوں نے اپنے ملازم سے کسی کے نام تار بھی دلوادیا تھا۔ گوکہ انھیں یقین تھا
کوئی انھیں لینے نہیں آئے گا۔ کیا ضروری تھا کہ اُن کے مرحوم شوہر کے دوست جو لگ بھگ
ساٹھ ستّر کے قریب ہوں۔ زندہ ہی موجود ہوں۔ بہر حال وہ اپنی ذمہ داری پر وطن کی
آخری زیارت کے لئے چل کھڑی ہوئی تھیں۔

اور اپنے جانے پہچانے لوگوں میں پہنچنے کا مسرور کن خیال انھیں مائل بہ تبسم کر
رہا تھا!۔

ایمن لکڑی کی دیوار سے سر ٹیکے ہوئے اور آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہا تھا!۔
اور گاڑی کا مسلسل آہنگ چیخ رہا تھا۔ لندن۔ لندن۔ لندن ۔۔
آہ۔ اب تم کہاں اور ہم کہاں۔ اُس نے آہ بھر کر سوچا میرے محبوب شہر۔ الوداع

تیرے دیار سے بڑی دُور نکل آئے۔ میری زندگی کی ایک ایک سہانی یاد تجھ سے وابستہ ہے شہرِ نگاراں۔ ہائے تیرے شب و روز ۔۔۔! تیرے دن اور رات میرے تھے۔ تیری گلیاں تیرے کوچے میرے تھے۔ اور اب۔ جہاں جا رہا ہوں۔ وہاں میں سب کے لئے غیر اور سب میرے لئے غیر۔ اے زندگی کے ساتھی۔ الفراق ۔۔۔!

"ایمن!" دفعتہً بیگم آفندی نے آواز دی اور وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"بیٹے۔ تم سوئے نہیں ابھی تک؟" وہ مسکرائیں۔ اور غور سے اُس کا چہرہ دیکھا یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اُداس اور پژمردہ تھا!۔۔

"ایمن اُن کی خاطر ہنسا۔" میری نیند بھی شاید کسی سفر پر چلی گئی ہے۔ امی.... آنکھیں جل رہی ہیں۔ مگر دور دور تک نیند کا پتہ نہیں!۔۔ اور پھر طرح طرح کے خیالوں نے رہا سہا دماغی سکون بھی درہم برہم کر کے رکھ دیا۔"

"بیکار خیالوں میں اُلجھ رہے ہو۔" بیگم حسن نے کہا۔ "لیٹ جاؤ۔ نیند آ جائے گی۔"

"ابھی سے کیسے آ جائے گی۔ امی....؟" اُس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ صرف دس بجے ہیں!۔۔"

"خدا کرے کہ جلدی یہ رات کٹے" بیگم حسن نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا" ایک تو طویل بحری سفر اور پھر۔ یہ ریل کی دھاڑ چنگھاڑ۔ دماغ تو سچ مچ میرا بھی پریشان ہو گیا ہے!۔۔"

"اسی لئے میں نے عرض کیا تھا امی کہ اگر ہم بائی ایئر جائیں ۔۔ سب ٹھیک ٹھاک ہوتا!۔۔"

"میاں تم ہواؤں پر اُڑتے پھرنے کے عادی ہو چکے ہو۔ میری تو ہوائی جہاز سے لاش ہی اترتی ۔۔"

اچھا۔ امی۔ مجھے۔ یہ بتائیے۔ اسٹیشن پر اتر کر کہاں جائیے گا۔؟

بیٹا۔ کچھ الٹا سیدھا پتہ تمھارے ابا کے دوست کا مجھے یاد تھا۔ اسی پر سلیمان سے تار دلوایا تھا۔" انھوں نے کہا اور پھر امین کو متحیرانہ نظروں سے تکتی ہوئی بولیں " مگر میں دیکھتی ہوں۔ تم بہت پریشان اور مضطرب ہو..... کیا بات ہے ؟"

" اوہ۔ امی۔" امین نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔" مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے پہلی بار میکے سے سسرال جا رہا ہوں !"

" فضول باتیں نہ کرو۔" انھیں ہنسی آگئی۔" وہاں دل نہ لگے تو پھر چلے جایئں گے۔"

پھر امین نے کچھ نہیں کہا۔ چپکے سے ٹفن باسکٹ برتھ کے نیچے سے نکالی۔ آئل اسٹوپ نکال کر برتھ پر رکھا اور کافی کا برتن چڑھا دیا۔

دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے کافی بنائی۔ امی کو ایک پیالی تھما کر دوسری خود اٹھالی اور برتھ سے پیٹھ ٹیک کر اطمینان سے کافی سپ کرنے لگا !

اس کی نظریں کھڑکی کے باہر پڑیں۔ جہاں چند لمحوں پہلے کی تاریکی چاند کی روپہلی کرنوں میں مدغم ہو رہی تھی۔ صاف ستھرے آسمان پر چاند تیر رہا تھا !۔ اور شفاف چاندنی میدانوں پہاڑوں اور جنگلوں میں پھیلنے لگی تھی۔

کافی نے بیگم حسن کو تازہ دم کر دیا تھا۔ انھوں نے وضو کیا اور برتھ پر اپنا پنج سورہ لے کر بیٹھ گیئں۔ امین نے بڑا بلب روشن کر دیا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

ٹرین کی رفتار ہلکی ہو رہی تھی۔ بالآخر وہ ایک اسٹیشن پر رک ہی گئی۔

" پانی کا خیال رکھنا۔" بیگم حسن نے کہا۔

امین نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا چاہا کہ دفعتہً دروازہ کھلا اور برقعہ پوش خاتون بڑی تیزی سے ڈبے میں چلی آیئں۔ امین جلدی سے نیچے اترا اور ڈرائینگ کار کی طرف بڑھ گیا۔

بیگم آفندی نے پنجسورہ اوپر کی برتھ پر رکھ دیا ! اور نووارد مسافر کی طرف مڑیں بشاید

وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ اُس نے یکبارگی اپنا نقاب الٹ دیا۔ اور بیگم حسن کی پلکیں جھپک گئیں۔

بہت سے حسین چہرے اُن کی نظروں سے گزر چکے تھے۔ لیکن یہ چہرہ۔ ایک نوعمر لڑکی کا حسین و دلکش معصوم و متاثر کن چہرہ۔ وہ گم سم رہ گئیں۔

لڑکی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اضطراب چھلک رہا تھا۔ ہونٹ مرتعش تھے۔ جیسے بہت کچھ کہنا چاہتی ہو۔ اور کہہ نہ سکتی ہو۔

کہاں سے آ رہی ہو؟ بیٹی۔ کہاں جاؤ گی۔!" بالآخر بیگم حسن کو اس پر ترس آگیا

"جی۔ میں۔!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی اور ساتھ ہی اس کی نگاہیں امین کی قد آدم شبیہہ پر پڑیں اس کی پلکیں جھک گئیں اور امین کے ہاتھ سے تھرماس چھوٹنے لگا!۔

ٹرین نے سیٹی دی۔ ایک ہلکورا لیا اور چل پڑی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا۔ یہ درجہ ریزرو ہے۔ میں اگلے اسٹیشن پر۔!" لڑکی نے معذرت کی تھی کہ انھوں نے بات کاٹ دی۔

"بیٹی پریشان نہ ہو۔ اس کی فکر بھی نہ کرو کہ ڈبہ ریزرو ہے۔ اگر تم اکیلی ہو تو یہی درجہ تمھارے لئے مناسب بھی ہے۔ مگر تم کہاں جاؤگی۔!"

"امی۔ پانی۔!" امین نے کھانس کر گلا صاف کیا۔

"ہاں بیٹا۔ ٹھنڈا ہو تو دے دو۔!"

گلاس اُن کی طرف بڑھا کر وہ خود بھی ماں کے پہلو میں ٹک گیا۔

بیگم حسن کی شفیق مسکراہٹ اور مخلصانہ انداز گفتگو نے لڑکی کی سراسیمگی اور خوف دور کر دیا۔ جیسے اپنوں میں آگئی ہو۔ اُس نے اپنا برقعہ اتار کر الگ رکھ دیا۔ جیسے ناگن نے پرانی کینچل بدلی ہو۔ بیگم حسن پہ ایک بار پھر حیرت کا غلبہ ہوا۔

کاسنی ریشم میں لپٹی نازک سی خوبصورت ہستی، سفید چہرہ، سیاہ آنکھیں، ننھا سا

دہانہ۔ کانوں میں ہیرے کے ٹوپس جگمگا رہے تھے۔ کلائیوں میں مرصع دست بند تھے۔ گلے میں چمکدار ہار اور انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی سبک انگوٹھیاں۔

"سچ مچ۔ تم اکیلی سفر کر رہی ہو؟ —"

"جی ہاں —!" اچانک وہ اداس ہو گئی۔

"لیکن اس طرح —؟" وہ ضبط نہ کر سکیں۔

"مجبور ہو گئی تھی۔ تبھی تو ملازمہ کا برقعہ پہن کر نکل بھاگی! —"

نکل بھاگی ہو۔ چھین سے بیگم آفندی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہزار ہا خیالات آن کی آن میں آئے اور گئے۔ رات کا سفر۔ ایک نوجوان حسین اور متمول لڑکی۔ اور پھر بالکل اکیلی؟ — امین حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

مگر فوراً ہی دونوں کی حیرت رفع ہو گئی۔

"اپنی دوست کی شادی میں راج نگر گئی تھی"۔ وہ سر جھکائے ہوئے کہہ رہی تھی "میری دو تین سہیلیاں بھی ساتھ تھیں وہیں مجھے اپنی امی کی علالت کا تار ملا۔ میں نے اپنی ساتھیوں سے بہت کہا کہ میرے ساتھ واپس چلیں۔ مگر وہ میری وجہ سے اپنی تفریح کیوں خراب کرتیں۔ میں رو دی۔ میں نے التجائیں کیں۔ تب کہیں دلہن کی بہن راضی ہوئیں کہ وہ ایک دن بعد مجھے بھجوا دیں گی۔ اس عرصہ میں دوسرا تار ملا۔ مجھے صبر کہاں۔ ایک ایک لمحہ سولی پر گزر رہا تھا۔ آج سہ پہر وہ سب کی سب دلہا کے یہاں ڈنر پر مدعو تھیں۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور برقعہ پہن کر بھاگ آئی نہ جانے میری امی کیسی ہیں؟"

"صد رحمت بیٹی — تمھاری سہیلیوں پر"۔ بیگم حسن نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "انھیں ذرا ترس نہیں آیا تم پر وہ تو خفا تھیں"۔ لڑکی نے گلوگیر انداز میں کہا "خواہ مخواہ میرے رونے دھونے سے رنگ میں بھنگ ہو گیا تھا! مگر میں کیسے صبر کرتی۔ میرے پر ہوتے میں اڑ کر اپنی امی کے پاس پہنچ جاتی۔ اسی لئے میں نے آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھا۔ تنہا چل کھڑی ہوئی!۔"

ایمن نے کلائی پر نظر ڈالی اور بے چینی سے پہلو بدلا۔

"بیٹی۔ خدا کرے کہ تم اپنی امی کو صحت مند دیکھو۔" بیگم حسن نے دردمند لہجے میں کہا۔ پھر قدرے توقف کر کے پوچھا۔

"بیٹی کیا نام ہے تمہارا۔"

لڑکی کی نگاہیں پل بھر کے لئے ایمن کی طرف اٹھ گئیں۔ پھر اس نے افسردہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"جی۔ مجھے فریال کہتے ہیں!۔"

اسے بیوٹی فل نیم (ایک حسین نام) ایمن نے دل ہی دل میں سوچا۔

بی بی۔ اپنی پریشانی میں کچھ تم نے کھایا پیا بھی ہے؟۔

"جی۔" وہ شرمائی۔" دراصل میری بھوک پیاس سب ختم ہو گئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ جانے کب سے بھوکی ہو گی؟۔

وہ چپ ہو گئی!۔

بیگم حسن نے پھر بیٹے کو حکم دیا کہ اوپر سے ٹفن باسکٹ اتار دے!۔ فریال کی نشیلی آنکھیں لمحہ بھر کے لئے ایمن کے بلند و بالا قد و قامت پر رکیں۔ اور دوسرے لمحے وہ سر جھکا کر دوپٹہ کا آنچل انگلیوں پر لپیٹنے لگی۔

کھانے پر ایمن کا ساتھ ناگزیر تھا!۔ اس نے نہ جانے کیا کچھ اپنے ٹفن باکس سے نکالا اور درمیانی سیٹ پر پھیلا دیا۔ وہ متوقع تھا کہ فریال بے تکلفی سے اس کی دعوت قبول کرلے گی لیکن وہ سکڑی سمٹی بیٹھی رہ گئی تو ایمن نے بڑے تعجب سے اسے دیکھا۔ لڑکیوں کی شرم و حجاب اس کے لئے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اگر فریال قدرے تکلف اور کرتی تو یہ بھی ناممکن نہیں تھا کہ ایمن اس کا ہاتھ تھام کر نشست سے اٹھا دیتا۔ بیگم آفندی نے بڑے اصرار سے جمکار کر اسے کھانے پر مدعو کیا۔

"شروع فرمائیے!—" امین نے بڑی دیر بعد اپنی دانست میں معقول بات کہی تھی۔ مگر ایک طرف فریال نے بدقت ہنسی ضبط کی تو دوسری طرف بیگم حسن بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"طویل عرصہ تک انگریزی ملکوں میں رہے ہیں۔" انھوں نے فریال سے ہنستے ہوئے کہا۔ "صحیح اردو نہیں بولتے۔"

"اچھا—!" وہ ننھی سی آواز میں بولی اور دلفریب انداز میں ہنس دی۔

"شاید ہمارا کھانا تم کو پسند نہ آئے۔" انھوں نے کہا۔ "نمکین فقط سینڈوچ ہوں گے باقی سب مٹھاس ہے۔"

امین نے ایک پلیٹ میں بہت کچھ رکھ کر اس کی طرف بڑھائی۔ اس کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ فریال کے عارض کے گلاب کھلنے لگے۔ امین نے اس کا انتظار کئے بغیر کہ اس نے شروع کیا یا نہیں۔ اپنی پلیٹ ہاتھ میں لے لی اور کھانے لگا۔ بیگم حسن کو اتنی ہی دیر میں بے پناہ ہمدردی فریال سے ہو گئی تھی۔ اصرار کر کر کے انھوں نے اسے کھلایا اور پھر کچھ سوچ کر امین نے کافی کا برتن اسٹوپ پر رکھ دیا

"ابھی ابھی تو پی چکے ہو—!" بیگم حسن ہاتھ دھوتے دھوتے رک گئیں۔

"میڈم فریال کے لئے۔" اس نے ہنس کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں نہیں۔ میرے لئے بالکل تکلف نہ کیجئے!"

"میں نہیں سمجھتا اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟" وہ ہنس کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قومی ہیکل سائے میں ڈھکی فریال بالکل ننھی منی گڑیا سی لگ رہی تھی!۔ اسے کافی بناتے دیکھ کر فریال نے سوچا یہ تو اس کا کام ہے وہ اٹھ گئی۔

"میں بنا دوں—!؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ میں تو اس کا عادی ہوں۔" امین نے کہا۔ "ابھی دیکھئے گا۔ میری

بنائی ہوئی کافی کی تعریف کرنے پر آپ مجبور ہو جائیں گی !۔"

ایمن کے سلوک اور انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عرصے سے انکا شناسا رہا ہو۔ لیکن فریال یہ سوچ سوچ کر گھبرائی جا رہی تھی۔ پتہ نہیں کون لوگ ہیں۔ کیسے ہیں کہاں جائیں گے صبح تک اُن دونوں کا ساتھ رہے گا۔ پھر اپنی ماں کی بیماری کا روح فرسا خیال۔ وہ سہمی جا رہی تھی۔ بھولے بھٹکے سے انداز تھے۔ نہ جانے صبح کو گھر پہونچ کر وہ کیا دیکھے گی !۔ اس کا ہراس اور خوف بیگم حسن نے بھانپ لیا۔ بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔

"بیٹی۔ تم پریشان بالکل نہ ہو۔ جہاں تم جاؤگی میں پہونچا دوں گی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم ہمارے ساتھ ہو گئی ہو۔ پتہ نہیں۔ کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرتیں۔ اب تم آرام کرو۔ ہماری منزل تو صبح تک آئے گی۔ میں تمھیں جگا دوں گی !۔"

اور بھی بہت کچھ تسلی و تشفی کی باتیں انھوں نے ایسی کہیں کہ بہت کچھ اضطراب اور خوف فریال کے دل سے دور ہو گیا۔ باتوں باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ بیگم حسن دونوں کو سو جانے کی ہدایت کر کے خود بھی برتھ پر لیٹ گئیں اور کمر تک شال کھینچ لی ایمن نے کافی کے برتن سمیٹ کر باسکٹ میں رکھ دیے !۔ اور خود اپنی کھڑکی کے قریب نشست پر جا بیٹھا۔ فریال بھی اُسی سیٹ پر تھی ! ایمن نے تیز روشنی کے بلب آف کر دیے اب صرف ٹھنڈی نیلگوں روشنی کا بلب روشن کر دیا اُس میں خواہ مخواہ گھر خوابوں کے در کھل گئے !۔

بیگم حسن کی آنکھ لگ گئی اور درجے میں بے تکی خاموشی چھا گئی تھی۔ جب یہ سکوت ناگوار ہونے لگا تو ایمن نے پوچھا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔ آپ کی منزل کہاں ہے ؟!۔"

"اشرف آباد !" فریال نے مدھم آواز میں کہا۔ اُس کا دل پھر دھڑکنے لگا

تھا۔ آج تک اس کی زندگی میں ایسا موقعہ نہیں آیا تھا کہ وہ تنہا کسی غیر مرد کے ہمراہ سفر کرتی ۔۔ !

ایمن کے چہرے پر اطمینان جھلک اٹھا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ غالباً ہم بھی وہیں جارہے ہیں؟"

"غالباً؟؟" فریال نے حیرت سے دوہرایا اور خود بخود اس کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"جی ہاں" وہ سنجیدگی سے بولا" میں نہیں جانتا۔ مجھے کہاں جانا ہے۔ یہ تو مجھے امی لئے جاتی ہیں۔ ان کا وہ وطن ہے۔ ویسے وہاں اب اُن کا بھی کوئی نہیں رہا۔ میرے والد کا انتقال بہت عرصہ پہلے ہوچکا ہے۔ اس بھری پری دنیا میں میرا اور امی کا کوئی نہیں۔ نہ بھائی بہن نہ کوئی عزیز ۔۔ !

سچ مچ۔ آپ اتنے طویل عرصہ میں پہلی بار ہندوستان جارہے ہیں؟" فریال نے پوچھا اور اس طرح نادانستگی میں ان میں گفتگو چھڑ گئی۔

"جی۔ بالکل پہلی بار ۔۔ !" ایمن نے کہا۔

آپ امریکہ سے واپس ہورہے ہیں ! ۔

"لندن سے۔ سرجری کررہا تھا وہاں ! ۔"

"سچ مچ ۔۔ ؟" وہ خوش ہوگئی۔" تو پھر آپ میرے ساتھ میرے گھر چلئے۔ آپ سے بڑا اور آپ سے اچھا ڈاکٹر امی کو اور کہاں سے مل سکے گا۔؟"

"آپ کی امی کو میں ضرور دیکھوں گا" ایمن نے کہا" لیکن فی الحال آپ کے ساتھ چل نہیں سکتا ۔۔ !"

"کیوں؟۔ میرے اور بہت سے عزیز ہیں۔ آپ ان سب سے مل کر خوش ہوں گے۔ میرے ابا جان تو آپ سے مل کر ایسے خوش ہوں گے کہ بس ۔ وہ ہم سب سے

بڑی محبت کرتے ہیں!۔"

ایمن کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔

آپ کی پیش کش مجھے بہ دل سے منظور ہے میڈم۔ مگر فی الحال گھر پر آپ کی امی کی وجہ سے افراتفری ہو گی۔ ہمارا ناخواندہ مہمان بننا ٹھیک نہیں ہے!"

پھر آپ اسٹیشن سے اتر کر کہاں جائیں گے؟" فریال نے پوچھا۔

امی کے کوئی عزیز ہیں۔ شاید وہیں جائیں!۔"

فریال نے اپنے پرس سے اپنا کارڈ نکالا اور ایمن کو دیتی ہوئی بولی۔" یہ بالکل صحیح پتہ ہے۔ آپ آیئے گا ضرور۔ میں آپ کی منتظر ہوں گی!"

ایمن نے ایک سرسری نظر کارڈ پر ڈالی اور قمیص کی جیب میں رکھ لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ فریال کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ خود کو بیدار رکھنے کے لئے اُسے اپنے ذہن سے کافی جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔ وہ کبھی کھڑکی کے باہر جھانکنے لگی۔ گاڑی ہواؤں کے سینے چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر سناٹے کے مخصوص آہنگ نے فریال کو لوری دینی شروع کی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی معطر و معنبر ہواؤں نے خوابوں کے جزیرے میں نغمہ چھیڑا۔ اور اس کی پلکیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئیں۔ اور خود بخود اُس کا سر ڈھلک کر ایمن کے بازو پر آ گیا۔

ٹرین بھاگتی رہی۔

ایمن کی بانہہ پر سر رکھے فریال بے خبر سو رہی تھی۔ یک بیک ایمن کی دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں گونجنے لگیں۔ کان آگ کی طرح جلنے لگے۔ اور آنکھوں سے شعلے اڑنے لگے تاریکیاں گہری ہو رہی تھیں۔ اُس نے فریال کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ جس پر خواب کے پاکیزہ فرشتوں کا سایہ چھایا ہوا تھا۔ سیاہ گھنی گھنی پلکوں کی خوبصورت جھالریں سفید سفید گالوں پر عکس فگن تھیں۔ لب نیم وا۔ گہری نیند میں غافل وہ ہلکی ہلکی سانسیں

رہی تھی۔ چاندنی اور تاریکی کی پرچھائیاں اُس کے چہرے پر آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں!۔

فرشتے اور شیطان آپس میں لڑنے لگے!۔

یاخدا۔ یہ میں کیا سوچنے لگا ہوں!۔ ایمن نے گھبرا کر اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا لیں اور سر کھڑکی کی دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

جمشید مرزا ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس رہ چکے تھے۔ جوانی میں کثیر دولت کمائی اور لٹائی۔ آدمی محتاط مگر باذوق تھے۔ پنشن پانے سے قبل ہی سے اپنی ذاتی اور آبائی جائداد ملا کر بڑھاپے کا ازوقہ اکٹھا کر لیا۔ وہ ان لوگوں میں تھے جنھیں تقدیر اور قدرت ہر ہر طریقے سے نواز دیتی ہے۔ بڑا وسیع خاندان تھا۔ اولاد بھی تھی اور دولت بھی۔ ایک عالی شان عمارت جمشید منزل میں رہتے تھے۔ دو لڑکے تھے، دو لڑکیاں بڑے لڑکے غضنفر اور بڑی لڑکی جویریہ کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ ایک لڑکا مشکور اور لڑکی فریال زیر تعلیم تھے۔ ان کے اور بھی اعزہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ مرحوم بہن کی لڑکی عزت النسا شوہر کے مرنے کے بعد ماموں ہی کے یہاں مقیم تھیں۔ مرزا صاحب کے جگری دوست کا لڑکا باری بھی یہیں رہتا تھا۔ وہ بھی ہنوز پڑھ رہا تھا۔

مرزا صاحب کی بیوی نے بھی اپنے کچھ عزیزوں کو مستقل طور پر پناہ دے رکھی تھی مشرف اور شمعی اُن کی مرحوم بہن کے بچے تھے۔ شمعی گریجویٹ ہو چکی تھی۔ اور مشرف اکنومکس میں ایم۔ اے کر رہا تھا۔ صرف یہی دو ایسے تھے جن کی مکمل کفالت مرزا صاحب کرتے

تھے۔ ویسے عزت اور اُن کے دو بچوں کی گزر بسر باپ کی پنشن پر ہوتی تھی اور باری کی ذمہ داری اس کے والد کے سر تھی!۔

مرزا صاحب بڑے اچھے آدمی تھے۔ یا اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ بڑھاپے کی انکساری دعجز و نیاز سے دے رہے تھے!۔ گھر والے اُن سے محبت کرتے تھے اور وہ بھی اپنے تمام چھوٹے بڑوں پر جان چھڑکتے۔ عطیہ بیگم بھی بڑی نیک اور خدا ترس خاتون تھیں مگر اُن کی محبت سب سے زیادہ شمعی کو ملی تھی۔ وہ بھی فریال ہی کی ہم عمر تھی۔ لیکن مزاجاً فریال سے بالکل مختلف، اگر فریال شعلہ سامان تھی تو شمعی اپنے نام کے برعکس شبنم آسا۔ ویسے دونوں لڑکیاں حقیقی بہنوں کی طرح رہتی تھیں۔

دوپہر کا وقت گرمی کا موسم۔ وہ حبس اور تپش کہ خدا کی پناہ۔ ہواؤں کے دل آئے ہوئے تھے اور آسمان سے آگ برس رہی تھی!۔

جمشید منزل میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ عطیہ بیگم پر دوسری بار اچانک دل کا دورہ پڑا تھا۔ ڈاکٹروں نے اُن کی زندگی خطرے میں بتائی تھی۔ اور مکمل آرام کا مشورہ دے کر سدھارے تھے!۔ عطیہ بیگم نحیف و لاغر مسہری پر بستر کی شکن بنی پڑی تھیں۔ سن سفید بال، ضعیف چہرہ۔ سب ہی بڑے کمرے میں جمع تھے اور نظریں عطیہ بیگم پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ مرزا صاحب دیوان کے ہتھے پر دو تین کشن رکھے نیم دراز تھے اُن کے بوڑھے چہرے سے اضطراب ہویدا تھا۔

غضنفر اور اُن کی بیوی فرحانہ میں آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی تھیں۔ جویریہ اور شمعی سے سہیل کچھ کہہ رہے تھے۔ پریشانی اور گھبراہٹ اُن کے چہروں سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ تنہا مشرف ایسا شخص تھا جس کی شکل ہر قسم کے احساسات سے معرّیٰ اور بالکل سپاٹ نظر آ رہی تھی!۔ باری ڈاکٹروں کے ساتھ جا چکے تھے۔ اور عزت میز کے پاس کھڑی پھلوں کا عرق نکال رہی تھیں۔

شمی کو شدت سے فریال کا انتظار تھا! ۔ اُس کا تار مل چکا تھا مگر اُس کی آمد میں ابھی دیر تھی۔ چپکے چپکے وہ دعائیں مانگ رہی تھی ۔ فریال جلد آ جکے ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں۔ خالہ بی ۔۔ اُسے سوچتے ہوئے ڈر لگتا تھا! ۔ وہ اتنی مضبوط نہیں کہ خالہ بی کے بغیر زندہ رہ سکے! ۔

اپنے ماں باپ کی موت اُسے اچھی طرح یاد تھی ۔ حالانکہ انھیں گزرے ہوئے طویل عرصہ ہو چکا تھا ۔ لیکن اُسے احساس تھا جیسے یہ کل ہی کی بات ہو ۔ اگر خالہ بی اُس کے اور مشرف کے سر پر ہاتھ نہ رکھتیں تو آج وہ دونوں کہاں ہوتے ؟ چچا چچی نے اُن کا کوئی خیال نہیں کیا تھا ۔ مشرف کی ساری جائداد اور چچا نے ہڑپ کر لی تھی ۔ اس وقت وہ ناسمجھ لڑکا ہی تھا! ۔ کچھ نہ کر سکا! ۔ جب اُسے اچھے بُرے کا احساس ہوا ۔ اور دشمنوں سے انتقام لینے کا خیال آیا ۔ تو پتہ چلا کہ دشمن منصف حقیقی کے حضور میں پہنچ چکے تھے! ۔ مشرف کے والد احمد ادریس نے بچوں کے نام نقد جائداد، ذاتی مکان چھوڑا تھا ۔ کچھ کھیت اور باغات بھی تھے جن کا کبھی پتہ نہ چلا کہ کدھر گئے اور کون انھیں سالم ہضم کر گیا تھا ۔

مشرف کو اپنی دست نگری کا بہت شدید احساس تھا! طبیعت میں سختی اور مزاج میں کھردرا پن آ گیا ۔ بہت کم گو اور کم آمیز تھا! حتی الامکان سب سے دُور دور رہتا ۔ پھر سخت گیری اس کی عادت ثانیہ بن گئی ۔ اب اس کی چھوٹی بہن بھی اُس کے پیار اور خلوص سے محروم تھی! لیکن اُسے اس کا بھی زیادہ احساس نہ تھا!

بھائی بہن کی طبیعتوں میں بھی زمین آسمان کا فرق تھا! ۔ چھوٹی ہی سی عمر سے شمی نے صبر کرنا اور ہر دکھ کو اپنی ذات پر جھیلنا سیکھ لیا تھا ۔ بڑی مخلص اور پُر محبت تھی ۔ اس ننھی سی جھیل کی طرح گہری مگر پُرسکون ۔ جس کے تہہ آب ہلچل کی خود اسے بھی خبر نہیں ہوتی ۔

عزت مرنجان مرنج آدمی تھیں۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ زود رنج اتنی کہ بات پیچھے کرتیں۔ آنکھیں پہلے گیلی کرتیں۔ دو بچوں کی ماں بن گئی تھیں مگر مزاج میں سنجیدگی متانت اور بردباری کا کہیں نام نہ تھا۔

باری غیر تھا۔ مگر اپنوں سے بڑھ کر۔ ہنس مکھ، خوش مزاج، لطیفہ گو، ایک عرصہ سے انہی لوگوں میں رہتا آیا تھا۔ اس لئے بیگانگی باقی نہیں رہی تھی۔ وہ بھی گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔

رفتہ رفتہ دوپہر ڈھل گئی۔ اور سرِ شام کا ناگوار و سوگوار سکوت در و بام پر چھانے لگا۔ چمنی میں سے ہولے ہولے اوپر اٹھتا ہوا دھواں ماحول پر اُداسی بکھیر رہا تھا!۔ بڑے خاموش تھے اور بچے خوفزدہ پھر رات کالی آندھی کی طرح کوٹھی پر چھا گئی۔

بیمار کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی ایسی نہیں ہوئی۔ جسے اُمید افزا کہا جا سکتا۔ مرزا صاحب بھو کے پیاسے دیوان خانے میں چلے گئے۔ جو یہ کھانے کے انتظام میں الجھ گئیں۔ انھیں سب سے زیادہ اپنے بوڑھے باپ کا خیال تھا انھوں نے ملازموں سے کہا اور کھانا طعام خانے میں لگا دیا گیا۔

"چلیے ابا جان!" سہیل نے مرزا صاحب کا ہاتھ تھام کر اٹھایا "کچھ تو کھا لیجئے۔ دوپہر کو بھی آپ نے قریب قریب فاقہ ہی کیا تھا۔"

غضنفر بھی پہنچ گئے۔ انھیں بھی باپ کی حالت پر ترس آ رہا تھا! وہ سمجھتے تھے کہ مرزا صاحب کتنے مضطرب اور بیقرار تھے۔ لیکن اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کر سکتے۔ گھر بھر میں سب کے بزرگ وہی تھے۔ اُن کا بڑا کوئی موجود ہوتا تو وہ بھی چھوٹے بچوں کی طرح جی بھر کے رو سکتے۔

"ابا جان۔ خدا کی مرضی پر نظر رکھیے" غضنفر نے کہا "ایک دفعہ پہلے بھی امی پر

اس منحوس مرض نے حملہ کیا تھا۔ اللہ نے صحت دے دی۔ وہ اچھی ہو جائیں گی!"

مرزا صاحب کراہ کر اٹھ گئے۔

"میاں۔ مجھ میں تو تمھاری ماں کی شکل دیکھنے کو بھی یارا نہیں۔ پچھلی مرتبہ اتنی حالت ردّی نہیں ہوئی تھی۔ اب تو جو سانس آتی ہے۔ بس وہی آتی ہے!"

"نہیں اباجان۔ خدا کے لیئے ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیجئے!" سہیل نے کہا۔ اور مرزا صاحب کو سہارا دیتے ہوئے طعام خانے تک لے آئے!"

"بیٹی۔ مجھے نہ تو کھانے کی جلدی تھی نہ اشتہا۔ تم سب کھا لیتے۔" انھوں نے جویریہ سے کہا۔ مگر جویریہ نے اُن کا ہاتھ تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔ مجبوراً سب کے خیال سے مرزا صاحب کو ساتھ دینا پڑا۔

"فریال تو شاید صبح تک پہونچ جائے" عزت نے سکوت توڑا۔

"ہاں۔ خیال تو ہے۔" سہیل نے کہا۔

"مجھے پتہ ہوتا تو میں اُسے جانے ہی نہ دیتی" جویریہ نے کہا "کیسے اکیلی آئے گی۔ مجھے تو سوچ سوچ کر وحشت ہوتی ہے"!

"اللہ حافظ و ناصر ہے" مرزا صاحب بولے "بلکہ میں تو سرے سے خلاف تھا کہ اُسے ماں کی بیماری کا تار دیا جائے۔ بیچاری کی ساری تفریح بد مزہ ہو جائے گی۔

"اباجان۔ وہ واپس آکر شکایت کرتی کہ امی کی ایسی حالت ہو گئی۔ اور اُسے خبر نہ کی گئی" جویریہ نے کہا۔ اور مرزا صاحب کی خالی ہوتی ہوئی پلیٹ میں پھر شوربہ نکال دیا۔

"نہیں" بیٹی۔ اب میں بالکل نہ کھا سکوں گا۔ مجھے تم اپنی ماں کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔ ایڑیوں کا درد بھی اتنا بڑھ گیا ہے کہ کسی سہارے کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا!"

شمی اٹھ کھڑی ہوئی مرزا صاحب آہستہ آہستہ اُس کے سہارے باہر نکل گئے۔

سب نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور ایک ایک کر کے پھر بڑے کمرے ہی میں آگئے۔ شمی کافی بنا لائی۔

مرزا صاحب نے غضنفر کو مخاطب کر کے کہا۔

میاں۔ صبح سویرے اسٹیشن ضرور چلے جانا۔ خیال کا مجھے اتنا خیال نہیں ہے وہ تو ابھی جائے گی۔ مگر مجھے پوری توقع ہے کہ صبح ہی کو بھابی اور اُن کے صاحبزادے بھی پہونچیں گے۔ نئی جگہ ہے۔ کہاں ٹھوکریں کھائیں گے کاش میں اُن کی پذیرائی کے لئے جا سکتا۔ آہ۔ اب ایسے لوگ کہاں۔؟"

"میں چلا جاؤں گا۔ ابا جان۔ مگر یہ تو بتائیے۔ میں آپ کے مہمانوں کو پہچانوں گا کیسے؟" بڑے طویل عرصہ بعد غضنفر کے لبوں پر مسکراہٹ کی جھلک نظر آئی۔

"ہاں یہ بڑا مسئلہ ہے" مرزا صاحب فکر مند لہجے میں بولے۔" بھابی نے کچھ لکھا نہیں کہ کب اور کس کے ساتھ آرہی ہیں۔ تار میں تو صرف یہی تھا کہ جلد پہونچ رہے ہیں!۔ امین کی طرف سے تار تھا!"

اگر کوئی لینے بھی جائے تو وہ کیسے پہچانیں گی کہ آنے والا اُنہی کی تقدیم میں آیا ہے؟۔ عزت نے کہا۔ بارہ پندرہ برس کی مدت کچھ کم تو نہیں ہوتی!۔ مجھ ہی کو یاد نہیں۔!"

دفعتہً عطیہ بیگم نے ایک طویل سانس لی اور آنکھیں کھول دیں۔ وہ سب یکبارگی اُن کی طرف دوڑ پڑے۔ مرزا صاحب کے چہرے پر بھی دفعتہً تازگی بکھر گئی۔!

"امی۔!" جویریہ نے بڑی محبت سے اُن کے رخسار اپنے ہاتھوں کے ہالے

ہیں تھام لئے۔ اور گلوگیر لہجے ہیں بولیں "امی کیسی طبیعت ہے؟۔ دیکھئے ہم سب کتنے پریشان ہیں۔ کچھ بولئے"

"کچھ نہیں" عطیہ بیگم نے کمزور اور مضمحل آواز میں کہا "ایک سناٹا سا۔ مجھ پر چھا رہا ہے۔ تم سب پریشان نہ ہو" اُن کی نظریں ارد گرد پڑیں۔ تقریباً سب کے چہرے دکھائی دے رہے تھے۔

"خالہ بی۔ کچھ پئیں گی آپ؟" شمعی اُن پر جھکی۔

ہاں۔ میری بچی ذرا سا ٹھنڈا پانی۔

"ممانی جان" عزت نے کہا۔ ثریا کا تار آیا ہے۔ وہ کل صبح پہونچ رہی ہے۔!

"اچھا!" اُن کے لب ہلے۔

شمعی پانی لے آئی۔ باری نے انھیں سہارا دیا اور شمعی لے گلاس لبوں سے لگا دیا۔ پانی پی کر وہ پھر لیٹ گئیں اور اُن پر نقاہت چھا گئی!۔

ساری رات وہ سب وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس عرصہ ہیں دوبار ڈاکٹر آیا۔۔۔ لیکن وہ جوں کی توں پڑی رہیں۔!

صبح قریب تھی۔ باغ میں چڑیوں کا شور بے پناہ ہو چلا تھا۔ سحر کی مہک۔ میں بسی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اُفق مشرق پر رنگ برنگی شوخ لہریں تلملا رہے تھے!

دُور مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اور غضنفر تھکی ہاری انگڑائی لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

شمعی کمرے کے ایک گوشہ میں جانماز بچھائے بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی! سہیل اور باری وغیرہ بھی اٹھ گئے کسلمندی اور تھکن انکی ایک ایک حرکت سے ظاہر تھی۔ شمعی نے جلدی جلدی دعا مانگ کر جانماز تہ کی اور ناشتے کے انتظام میں اندر چلی

گئی۔ مرزا صاحب ویران ہی پر سوار رہے تھے!۔ وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔

بڑی عجلت میں ناشتہ ختم ہوا اور غضنفر مرزا صاحب کی تاکید پر آن کے معلوم مہمانوں کو لانے کے لئے اسٹیشن چلے گئے۔

جویریہ کے ذمہ کچن کا انتظام تھا۔ بچے الگ شور مچا رہے تھے۔ عزت اُن کو سنبھالنے کے لئے چلی گئیں۔

"آج کا دن بھی یونہی بور گزر جائے گا۔!" مشرف نے برا سا منھ بنا کر کہا۔

"کیوں؟" باری نے حیرت ظاہر کی۔

ان سب کا ساتھ تو دینا ہی پڑتا ہے" مشرف نے خشک لہجے میں کہا: کسی کے احسانوں کا بوجھ بھی بیل کی گردن پر رکھا ہوا جوا ہے۔ جدھر چاہے گھما دے!

"کس نے تم پر احسان جتایا ہے؟!" باری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نہ جتائیے۔ مگر میں تو سمجھتا ہوں!۔

"بڑے افسوس کی بات ہے ایسے حالات میں بھی تمہیں یہ سب کچھ سوجھتا ہے!۔ دل کی بیماریاں عام ہیں۔ پتہ نہیں۔ اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے کسی کے مرنے جینے سے کب دنیا کے کام رکے ہیں!۔"

مشرف ___ اتنے بے درد نہ بنو۔" باری نے خوفزدہ نظروں سے مرزا صاحب کی طرف دیکھ کر تنبیہ کی: "اگر کوئی سن لے تو یہی نا کہ خواہ مخواہ دلوں میں گرہ پڑ جائے!۔"

"اس کی پرواہ میں نے کبھی نہیں کی ___!" یہ کہہ کر مشرف کمرے سے نکل گیا!۔

"یہ لیجیے گا۔ چائے!۔" اچانک پردے کے پیچھے سے شمعی باہر آئی۔ چہرہ

سنتا ہوا۔ لب مرتعش، بار بار سمجھ گیا اُس نے بھائی کی گفتگو سُن لی ہے!؟
مجھے بلوا لیتیں۔ شمعی!۔" وہ یہی کہہ سکا!۔ مگر شمعی نے پیالی اُسے تھما دی اور کمرے سے نکل گئی!۔

خدا خدا کر کے گاڑی منزل مقصود پر رک گئی۔ اسٹیشن پر وہ شور و غل تھا کہ خدا کی پناہ۔ بیگم حسن کی آخر شب ہلکی سی جھپک آگئی تھی۔ شور سے آنکھ کھلی۔ اور وہ شال پھینک کر جلدی سے اٹھ بیٹھیں۔ خاصہ سویرا ہو چکا تھا۔ آفتاب ابھی نہیں نکلا تھا مگر روشنی پھیلنے لگی تھی۔ عجیب سہانا منظر تھا۔ آسمان پر سرخ و سنہری شفق بکھری ہوئی تھی۔ طیور آوارہ محوِ پرواز تھے۔ بیگم حسن بڑے تاثر سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ مسافر اپنی منزل پر پہونچ کر اسباب سنبھال رہے تھے۔ کچھ روانگی کے لئے پر تول رہے تھے۔ نفسا نفسی کا سا عالم طاری تھا! کہ کسی کی خبر کسی کو نہ تھی۔ چیخ پکار غل شور ہنگامہ۔ چھوٹا موٹا محشر بپا تھا!۔ اپنی بے سرو سامانی کا انھیں احساس تھا۔ دُور دُور تک انسانی سمندر میں اپنا پرانا آشنا سا چہرہ دیکھنے کی ناکام کوشش کرتی رہیں مگر کوئی ایسا دکھائی نہیں دیا۔ جس پر اپنے پہچاننے والے کا دھوکا ہو سکتا:۔

گاڑی اسٹیشن پر دیر تک ٹھہری رہتی تھی۔ اسباب بندھا ہوا تھا۔ انھیں فکر تھی تو صرف یہی کہ اگر کوئی آنہ سکا تو فی الحال ہوٹل ہی میں قیام کرنا پڑے گا!۔

کھڑکی کے پاس سے وہ مڑیں اور ایکبارگی نگاہ امین و فریال پر پڑی۔ دھک سے رہ گئیں۔ عجیب پوزیشن تھی۔ امین کا بازو کھڑکی پر پھیلا ہوا تھا۔ جس پر سر رکھے

فریال سو رہی تھی۔ اس کا ڈوپٹہ کندھوں سے ڈھلک کر آغوش میں آگرا تھا۔ ایک ہاتھ پہلو میں پڑا تھا اور دوسرا امین کے ہاتھ میں۔ وہ خود کھڑکی کی دیوار سے سر ٹیکے سو رہا تھا!۔ اسٹیشن کا شور وغل بھی اُن کی نیند پر اثر انداز نہ ہو سکا!۔

بیگم حسن دل ہی دل میں خائف ہو گئیں اگر کوئی انھیں اس حال میں دیکھ لے تو کیا سمجھے گا؟ کھڑکی کی طرف بیٹھ کر کے امین کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور جھک کر آہستہ آواز دی۔

دوسرے لمحے اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ نیند میں ڈوبی ہوئی سُرخ سُرخ آنکھیں۔ یوں حیرت سے ماں کے چہرے کو تکتا رہا جیسے یہ سمجھنے سے قاصر ہو کہ وہ کہاں تھا؟!۔ دفعتہً اس کی نظریں فریال پر پڑیں اور وہ بوکھلا کر سیدھا ہو بیٹھا اور جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا۔

فریال کے اس ہیجان انگیز اور قابلِ اعتراض قرب کا احساس کر کے وہ پانی پانی ہو گیا۔ اُسے خود بھی پتہ نہ چلا کہ آخر کیسے وہ اتنی بے خبری کی نیند سو گیا تھا!۔

"امی ۔۔" وہ ہکلایا "بس۔ یہ خود بخود۔۔ اس طرح ۔ میرا مطلب ہے کہ ۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اپنی صفائی میں کیا کہے؟۔ اُس شریر بچے کی طرح سہما جا رہا تھا۔ جسے اپنی شرارت پر مرمت کا پورا یقین ہو۔

بیگم حسن منہ پھیر کر مسکرائیں۔ پھر امین سے کچھ کہے بغیر انھوں نے فریال کو آوازیں دیں۔ جلد ہی وہ بھی جاگ اٹھی۔ اور اُس سے قبل کہ وہ اپنی پوزیشن کا احساس کرتی امین نے اپنا بازو کھڑکی سے ہٹا لیا۔ اور جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو بیٹی چلیں۔ سفر ختم ہوا۔ بیگم حسن نے کہا "تمہیں کوئی لینے آئے گا یا میں تمھیں گھر تک پہونچانے چلوں؟۔"

"اسٹیشن سے تار تو دیا تھا۔ امی۔!" فریال نے معصومیت سے کہا "اگر

بر وقت ملا ہو گا تو کوئی آ جائے گا۔ ورنہ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ مگر ۔۔" وہ ایمن کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ بیگم حسن استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"امی۔ کیا آپ میرے ساتھ میرے گھر نہیں چلیں گے ؟" فریال نے التجا آمیز پیرائے میں پوچھا یقین کیجئے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ سب آپ سے مل کر خوش ہوں گے۔

"بی بی۔ میں تم کو بھول نہیں سکتی۔ خدا تمھاری ماں کو صحت دے۔ میں اُن سے کبھی ملنے آؤں گی۔ اب اس لئے نہیں چلتی کہ تم بیمار کی خدمت کرو گی کہ ہماری! دل تھوڑا نہ کرو ا۔

ایمن چپ چاپ بندھے ہوئے اسباب کے پاس کھڑا فریال کو دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی رات والی لڑکی تھی، یا کوئی اور ۔۔ نکھرتے ہوئے آفتاب کی سوزو تاباں کرنوں نے اُس کے حسن کو جگمگا کر رکھ دیا تھا۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں بے خوابی کا خمار ابھی تک باقی تھا! ۔ پژمردہ لب جن پر وہ بار بار زبان پھیر رہی تھی۔ الجھے الجھے بال اس کے دل کی رگیں کھینچنے لگیں۔ سفر تمام ہوا، منزلیں جدا جدا ہو گئیں۔ کیا پتہ پھر کبھی اس سے مل سکے یا نہیں ؟ ۔۔ کاش۔ یہ سفر ختم نہ ہوتا۔ یہ راہیں ابدیت سے جا کر مل جاتیں۔ وہ اپنا خوشنما سر اس کے بانہہ پر رکھے سوتی رہتی۔ اور وہ اسی طرح بیٹھا رہتا کتنے حسین اور دل کش لمحے تھے۔ مگر کتنی جلدی ختم ہو گئے!۔

بے خود۔ بے خبر سا وہ فریال کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اُن کی نظریں چار ہوئیں اور فریال کے چہرے پر شفق پھولنے لگی۔

"نہیں کھڑے رہئیے گا۔ اتریئے گا نہیں ہے" وہ زبردستی مسکرائی۔

ایمن کو ہوش آیا۔ ایک پھیکی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر بکھر کر معدوم ہو گئی۔

چلئے ۔۔۔ ہمارا ساتھ تو ختم ہوا"

آتنی جلدی آپ اپنا وعدہ بھول گئے!۔

"کون سا وعدہ —؟!"

ہمارے یہاں آنے کا وعدہ!؟

میں وعدہ کبھی نہیں بھولتا میڈم فریال۔ ہو سکتا ہے کہ انھیں ایفا نہ کر سکوں!—

"میڈم فریال نہیں۔ صرف فریال—!"

اتنی بے ادبی کا مستوجب تو نہیں ہو سکتا کہ آپ کو فقط نام سے مخاطب کروں"

آپ کی اردو سچ مچ خراب ہے ایسے موقعوں پر ترکیب بولتے ہیں"

صحیح اردو بولنے کی بہت کوشش کرتا ہوں مگر الٹا سیدھا بول جاتا ہوں۔

امی کیسے سمجھ لیتی ہیں آپ کی باتیں۔ آدھی تو اس میں آپ انگریزی ٹھونستے ہوں گے؟

"دنیا کی ہر ماں اپنے بچے کی زبان سمجھ لیتی ہے۔" ایمن نے ہنس کر جواب دیا۔

قلی سارا سامان درجے سے نکال لے گئے۔ اور پھر وہ بھی اتر کر پلیٹ فارم پر آگئے! بیگم حسن اب بھی کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ پھر انھوں نے مخاطب کیا۔

"ایمن۔ تم کیا سوچ رہے ہو۔ سامان کمرے میں رکھواؤ۔ اور لڑکی کے لئے سواری منگوا دو۔ اس کا جلدی گھر پہونچنا بہت ضروری ہے۔ کوئی اُسے بھی لینے نہیں آیا؟"

"بہت بہتر!—" ایمن نے کہا۔ اور آگے بڑھ کر اپنے قلی کو ہدایت دی کہ جلد تر ٹیکسی کا انتظام کر دے!—

شاید دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ قلی نے ٹیکسی کی آمد کی اطلاع دی۔

"اچھا امی۔ خدا حافظ" فریال ان کے بازو سے چمٹ گئی۔" مجھے یاد رکھیے گا میرے پاس ضرور آئیے گا۔ میں آپ کا انتظار کروں گی!— میرا پتہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ہے!—"

"اچھا بیٹی — اچھا۔ خدا حافظ۔" انھوں نے بڑی محبت سے الوداع کہی۔

فریال کی بھیگی بھیگی نظریں امین کی طرف اٹھیں۔ اور ایک ڈاکٹر کا مضبوط دل ٹوٹی کشتی کی طرح جذبات کے بھنور میں ہچکولے کھانے لگا!۔ مگر اُس نے ہنس کر رخصتی مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

آئی وِش گُڈ لک فار یُو۔ ناؤ۔ بائی بائی!۔ (نیک خواہشات کے ساتھ!۔ خدا حافظ) آپ کو گیٹ تک رخصت کر آؤں۔؟"

"ہاں ہاں ضرور جاؤ!۔" بیگم آنند ہی بولیں۔

اچانک فریال کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ بھائی جان۔

غضنفر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے!۔ بیگم حسن نے نقاب چہرے پر گرا لیا۔ اور قدرے پیچھے ہٹ گئیں!۔

اوہ۔ فریال۔ مجھے دیر تو نہیں ہوئی۔؟" وہ پاس پہونچے اور فریال کا ہاتھ پکڑ لیا۔" خدا کا شکر ہے کہ تم بخیریت پہونچ گئیں۔ میرا انتظار تو نہیں کرنا پڑا۔"

"امی کیسی ہیں؟" فریال بے تابی سے بولیں

تشویش کی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹروں نے تو اطمینان دلایا ہے۔" غضنفر نے کہا اور پھر ادھر ادھر نظریں ڈال کر بولے "تم باہر کار میں جاکر بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ایک صاحب کو اور لینا ہے۔ آج ہی وہ بھی پہونچنے والے تھے۔ عجیب اتفاق ہے۔ وہ مجھے پہچانتے ہیں نہ میں انھیں۔ شاید چلے بھی گئے ہوں!۔"

"انھیں پھر دیکھئے گا۔" فریال چپکے سے بولی "پہلے آپ اُن سے ملئے"

"کون ہے؟" غضنفر نے پوچھا۔

امین ان سے دور کھڑا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قریب قریب ہر مسافر پلیٹ فارم سے باہر جا چکا تھا۔ آنے والے آچکے تھے۔ کیونکہ گاڑی کے روانہ ہونے میں تھوڑی ہی سی دیر رہ گئی۔ اور انھیں لینے کوئی نہیں آیا تھا! دو تین قلیوں نے آگے سے

گھیر لیا تھا!۔ اس نے اپنے قیام و طعام کا معاملہ ایک ایجنٹ کے سپرد کر دیا۔ اور اب قلی اس کا اسباب اٹھا رہے تھے!۔

فریال نے مختصر الفاظ میں ایمن کا غائبانہ تعارف کرایا۔ اور غضنفر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ تمہارے ہم سفر کا نام ایمن آفندی ہے!۔"

"جی ہاں۔ اچھی طرح" فریال کو اب اطمینان تھا۔ افسردگی کا نقاب اس کے چہرے سے اتر گیا تھا!۔ بے حد تر و تازہ اور ہشاش بشاش لگ رہی تھی۔

"اور ان کی والدہ۔" غضنفر نے پھر پوچھا۔ "ان کا نام معلوم ہے تمہیں!۔"

"میں کیوں پوچھتی۔ بھائی جان؟۔"

"تو پھر یہی ہوں گے، جنھیں میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ نام تو ابا جان نے یہی لیا تھا"۔ غضنفر بڑبڑائے۔

"آپ انہی کو ڈھونڈ رہے تھے!۔" فریال کا عجیب حال ہوا۔ پھر اپنے گرد و پیش کا خیال کئے بغیر اس نے آواز دے لی۔

"ڈاکٹر صاحب۔؟"

ایمن کی نظریں اٹھ گئیں۔ غضنفر اس کی طرف بڑھ گئے۔ فریال کا بس نہ چلا کہ وہ گھسیٹ کر اس کے پاس لاتی۔!

"معاف کیجئے گا۔ بڑی غلط فہمی ہوئی!۔" غضنفر نے ہنستے ہوئے کہا اور اسکی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ایمن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ان کا کیا مطلب تھا؟"

"آپ کا تار ابا جان کو کل ہی مل گیا تھا" غضنفر نے کہا۔ "وہ بے چین ہیں آپ سے ملنے کے لئے۔ مگر مجبور تھے کہ آ نہ سکے!۔ بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔ تشریف لے چلئے۔ ابا جان منتظر ہوں گے؟۔"

"جی؟..... میں بالکل نہیں سمجھا۔ آپ کیا عرض کر رہے ہیں!۔" اس نے کہا۔

"عرض نہیں کر رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں!" فریال نے لقمہ دیا۔

"امین کو ہنسی آ گئی۔" مجھے خوشی ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ لیتی ہیں!۔"

"لیکن آپ میرا مطلب نہیں سمجھ سکے!۔" غضنفر نے کہا اور ساری روداد اُس کے گوش گزار کر دی۔ امین کی حیرت و مسرت کا ٹھکانہ نہیں رہا!۔ کتنا خوشگوار اتفاق —!!

"ساری رات آپ کے ساتھ سفر کیا اور اس احمق لڑکی نے آپ کو کچھ بتایا بھی نہیں" غضنفر نے تعجب سے پوچھا۔

"جی نہیں!۔" امین نے ہنستے ہوئے کہا "بے بی" نے مجھے اپنا وزٹنگ کارڈ دیا تھا یہ تو مجھ ہی سے حماقت ہوئی کہ میں نے پڑھا نہیں تھا!۔ ورنہ سب ٹھیک ٹھاک رہتا!۔ اتنی پریشانی نہ ہوتی۔"

اچھا اب چلئے۔ غضنفر نے کہا پھر فریال سے بولے: جاؤ۔ جلدی بیگم صاحبہ کو لے آؤ۔ فریال اُدھر لپکی۔ اور پھولی ہوئی سانسوں سے سب کچھ بیگم حسن سے کہہ دیا۔ وہ بھی بے حد مسرور تھیں۔ فریال انھیں لے کر دونوں کے پاس آ گئی! بیگم حسن کو دیکھ کر غضنفر نے بڑے ادب سے جھک کر انھیں سلام کیا۔ انھوں نے اپنا نقاب الٹ دیا اور بڑی محبت سے غضنفر کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ انھیں وہ فوراً پہچان گئیں!۔ غضنفر نے اب غور کیا تو انھیں بھی زیادہ اجنبیت بیگم حسن کی پرانی شبیہہ میں معلوم نہیں ہوئی!۔ وہ تو اب تک امین ہی کو نہ پہچان سکنے پر شرمندہ تھے!۔

دھوپ میں تمازت بڑھ چلی تھی!۔ امین کا سارا اسباب جو دو ٹیکسیوں پر بار کر دیا گیا تھا۔ انھیں گھر کا پتہ بتا کر روانہ کر دیا گیا۔ اور یہ لوگ الگ بگھی نو بجے دن کو جمشید منزل پہونچے۔

کمپاؤنڈ میں کار کا ہارن پوری آواز سے گونجا۔

سب سے پہلے کوریڈور سے شمسی نے جھانکا!۔

"اللہ۔" اس نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ فریال آگئی۔!

پھر اس نے غضنفر کے اترنے کے بعد ایک اجنبی کو اترتے دیکھا اور اندر بھاگ گئی

عزت کچن کے انتظام میں جارہی تھیں۔ وہ اسے بدحواس دیکھ کر ٹھہر گئیں۔

"عزت آپا۔ فریال آگئی۔ اس کے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ وہی ہوں گے۔ خالو بابا کے مہمان۔"

"ارے تو پھر شوکت سے کہو۔ مہمان خانہ کھول دے۔" عزت بھی بوکھلا گئیں

یا خدا گھر میں ایک بیمار۔ اور یہ مہمانداری۔"

پھر جلدی کے مارے وہ خود مہمان خانے کی طرف دوڑ گئیں۔

پل بھر میں ایک بھگدڑ مچ گئی۔ جیسے بھونچال آگیا ہو۔

مرزا صاحب سے چلا پھرا نہیں جاتا تھا۔ لیکن اب مرتعش لہجے میں کچھ کہتے ہوئے لڑکھڑاتے صدر دروازے تک آگئے!۔

سب سے پہلے فریال ہی نظر آئی!۔ باپ کو سلام کیا اور اپنی ماں کو دیکھنے دوڑ گئی!

جویریہ کمرے کے باہر ہی تھیں۔ اسے دیکھ کر لبوں پر انگلی رکھ دی۔

"ڈاکٹر کمرے میں خاموشی چاہتے ہیں!۔ خیریت سے تو آئیں یہاں تک؟!"

"جی ہاں۔" فریال ایک طویل سانس لے کر دروازے پر ہی ٹک گئی۔ "ڈاکٹروں نے اور کیا کہا ہے۔ اپی؟!۔"

"کچھ نہیں علاج ہو رہا ہے۔ تم جا کر نہا دھو لو۔ آرام کرو۔"

"اپی۔ میرے ساتھ وہ بھی آئے ہیں۔ ڈاکٹر آفندی صاحب اور ان کی امی!۔"

"اچھا میں جاتی ہوں۔ کچھ کھانا تو منگوا دوں!۔" یہ کہہ کر عزت کی طرف ہولیں۔ مرزا صاحب سارے بدن سے کانپ رہے تھے

انھوں نے بیگم حسن کو دیکھا۔ پرانی یادوں کا کہر ان کی ضعیف آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلا۔ بیگم حسن آگے بڑھیں اور چپ چاپ مرزا صاحب کے بازو پر سر رکھ کر خاموش آنسوؤں سے رونے لگیں!۔ مرزا صاحب نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا، مگر کچھ کہہ نہ سکے!۔ اُن کے جھریاں پڑے ہوئے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

امین اُن دونوں سے قدرے دور کھڑا بڑے تعجب و تاثر سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"بھابی ...." بالآخر مرزا صاحب نے کھانس کر گلا صاف کیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ زندگی میں پھر ایک بار اُس نے ہمیں ملا دیا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے بے اختیار حسن بھائی یاد آگئے۔ اللہ اللہ۔ کیا زمانہ تھا۔ کیسے لوگ تھے۔ اب تو سب کچھ بدل گیا۔ سچ کہتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ آپ آرہی ہیں تو میں آجانے پر کبھی آپ کو پہچان بھی نہ سکتا!۔"

"بھیا۔ سب ہی کچھ ان پندرہ برسوں میں بدل گیا ہے۔" بیگم حسن نے گلو گرفتہ آواز میں کہا۔ "اگر نہیں بدلی تو میں۔ اُن دنوں میں جب امین کے باپ کا انتقال ہوا ہے۔ بعض وقت شدت سے جی چاہتا تھا کہ آپ کے پاس چلی آؤں۔ کسمپرسی کا عالم طاری تھا۔ پردیس میں کوئی کسی کا پوچھنے والا نہیں۔ وہ دوستی اور اخلاص یاد آتا تھا جو آپ میں اور اُن میں تھا! اور دل چاہتا تھا کہ پر لگتے اور میں اڑ کر یہاں آجاتی۔ اب تو میری یہی دعا ہے کہ مٹی وطن ہی میں ٹھکانے لگے!۔"

غضنفر اور بادی سارا اسباب اور سامان اتروا لائے۔!

"ارے۔ آپ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں اباجان۔ اندر چلئے۔ بیگم صاحبہ آئیے تشریف لائیے۔"

دفعتہً مرزا صاحب کی نظر میں امین پر پڑیں۔

ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔

بے ساختہ اُن کی زبان سے نکلا۔ اور ماں کا اشارہ پا کر ایمن نے قدیم شرقی تہذیب سے معمور انداز میں جھک کر مرزا صاحب کو سلام کیا۔

جواب میں مرزا صاحب نے اُسے گلے سے لگا لیا۔

"بیٹا۔ میں تمھارے باپ کا دوست ہوں۔ انھوں نے اس کی پیٹھ پر بڑی محبت سے تھپکی دی " یہ سمجھو کہ دنیا بھائیوں میں وہ محبت نہیں ہوتی جو ہم میں تھی کہنے والے حقیقی بھائی ہی کہتے تھے اس لئے میں تمھارا چچا ہوتا ہوں!۔ کوئی تکلف کوئی غیریت مجھ بوڑھے سے اور میرے گھر والوں سے نہ برتنا۔ تمھارا گھر ہے۔ تمھارے لوگ ہیں۔ آؤ۔ اندر چلو!—"

ایمن جب بھی چپ ہی رہا۔ غضنفر اُن سب کو لے کر اندر پہونچے۔ دالان میں تقریباً سب ہی اکٹھا ہو گئے تھے۔ بچوں سمیت کسی کی نظروں میں استعجاب تھا کسی کی نگاہوں میں مسرت و انبساط۔ بیگم حسن سے سب ملیں۔ مگر غضنفر نے ہنستے ہوئے ایمن سے کہا۔

"آپ کی سمجھ میں فی الحال کسی کا تعارف نہ آئے گا! آپ تازہ دم ہو کر آرام کیجئے۔ تفصیلی تعارف میں رات کے کھانے پر کرا دوں گا"!

"بہت اچھا!" ایمن کی ہنستی ہوئی نگاہیں دفعتہً شمسی پر پڑیں۔ اور اُس نے گھبرا کر ستون کی آڑ لے لی۔ ایمن کا تبسم گہرا ہو گیا۔

بیگم حسن عطیہ بیگم کو دیکھنے چلی گئی تھیں —!

"کیوں بھئی، غسلخانہ تیار ہے؟!" سہیل نے کسی سے پوچھا۔

"آپ میری کوئی فکر نہ کیجئے۔!" ایمن نے کہا "سب سے پہلے میں ایک نظر بیمار کو دیکھنا چاہتا ہوں!۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو — یا اگر وہ پردہ نشین ہوں تو پھر پردہ کرا دیجئے"۔

"نہیں۔ نہیں پردہ وردہ کاہے کا۔ تشریف لائیے!" سہیل نے کہا۔

شمعی گھبرا کر یہیں چلی آئی تھی۔ یکبارگی اس کا دل عجیب طرح سے دھڑک اٹھا تھا۔ بار بار وہ دھک سے رہ جاتی۔ چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ سنجیدہ گہری اور عجیب نگاہیں۔ جو اس کی نظروں سے مل گئی تھیں۔ اُس کے سارے وجود پر چھا گئیں!۔

دفعتہ آہستہ سے پردہ ہٹا۔ اور سہیل کے ساتھ ایمن نے کمرے میں قدم رکھے شمعی عطیہ بیگم کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اس سے نہ بھاگا گیا۔ نہ ٹھہرا گیا۔ کچھ اور سمٹ گئی!۔ اور چپکے سے اپنے سر پہ آنچل اوڑھ لیا۔!

ایمن نے پہلی نظر میں بھانپ لیا۔ بیمار میں صرف سانسوں کا شمار باقی رہ گیا تھا۔ مگر اُس نے چہرے سے ظاہر نہیں کیا۔ اور پاس آکر بڑی دردمندی سے عطیہ بیگم پر جھکا!۔

مرزا صاحب وہیں بیٹھے چپکے چپکے اپنی بھابی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ ایمن کو دیکھ کر بولے۔

"ہاں ہاں۔ میاں اچھا تو ہے کہ اب تم بھی دیکھ لو۔ خدا کرے کہ تمہارے ہی ہاتھوں انھیں صحت نصیب ہو جائے۔ دل کا مرض ہے۔ صدہا نگریں کیں۔ ڈاکٹر بدلے۔ مگر سب بے سود۔ اب تو صاحب فراش ہو گئی ہیں۔ کیا خدانہ کرے کوئی خطرناک بات ہے؟"

"جی نہیں۔ آپ مطمئن رہیے۔!" ایمن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "میں خود علاج کروں گا۔ آپ اپنے ڈاکٹروں کو ہدایت کر دیجیے کہ مجھ سے کنسلٹ (مشورہ) کر لیں۔۔۔!"

"بہت اچھا۔ میں ابھی انھیں فون کر دوں گا" سہیل نے کہا: "ویسے وہ

خود بھی اب آتے ہی ہوں گے!۔

"جب بھی آئیں مجھے مطلع کر دیجئے گا!" امین نے کہا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر تھکن کی ایک آہ بھر کر مریضہ ہی کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اس کی بھاری اور گرم سانسیں شمعی کے دہکتے ہوئے رخسار سے ٹکرائیں اور وہ اضطراب و بدحواسی کے عالم میں گرتے گرتے بچی!۔

وہ انگشت بدنداں تھی!۔ عمر بھر میں پہلی بار کوئی غیر مرد اس طرح اس کے قریب آیا تھا۔ لیکن ایک طویل مدت بلاد مغرب میں گزارنے کی بنا پر امین کو یہ بھی احساس نہ ہو سکا کہ یہ کوئی گھبراہٹ یا پریشانی کی بات ہے۔ اور پھر جب کہ یہ لوگ اس کے "اپنے" کہلاتے تھے!۔ اس نے جیب سے قلم نکالا اور شمعی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"مجھے کاغذ چاہیئے۔ کچھ دوائیں لکھواؤں گا!۔"

سرہانے تپائی پر ننھا سا پیڈ مع پنسل کے رکھا ہوا تھا۔ جس پر گھنٹہ گھنٹہ بھر کی ہسٹری (کیفیت) لکھی جاتی تھی۔

شمعی نے گھبرا کر اسے دیکھا!۔ امین مسکرایا اور بڑی سادگی اور معصومیت سے ادھر انگلی کا اشارہ کر کے کہا۔

"بس اتنا سا.... کاغذ یعنے۔ پیپر —!"

یا خدا۔ شمعی الجھتی ہوئی اٹھی!۔ جلدی سے پورا پیڈ اسے تھما دیا اور کمرے سے نکل بھاگی نسخہ لکھنے کی بجائے اس نے اس کے فرار کو بڑی حیرت سے دیکھا!۔ اور پھر سر جھکا کر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگا!۔

فریال ماں کو ایک نظر دیکھ کر چلی گئی تھی! شمعی گرتی پڑتی آئی اور ستون کے گوشے میں دبک گئی!۔ عزت اور جویریہ ناشتے کے اہتمام میں بوکھلائی پھر

رہی تھیں!۔

"انگریزی قسم کا کوئی ناشتہ بنائیے!" عزت نے سہیل سے پوچھا۔
میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے جاتے ہیں!"

"میں لپک کر پوچھے آتا ہوں۔" باری نے کہا۔ "یہ بھی پوچھ لوں گا کہ اگر
پراٹھے چائے میں ڈبو کر آپ نوش فرماتے ہیں تو وہی پکوا دیئے جائیں! میرے
لئے وہ کوئی عجوبہ نہیں!"

"بکواس نہ کیجئے!" عزت نے کہا۔

"بکواس؟" باری نے تعجب سے کہا۔ "صبح کو یہی ناشتہ تو میں نے کیا تھا!"

"جلدی کرو۔ عزت۔ غضب خدا کا۔ دس تو بج گئے!" جویریہ بولیں
پھر بڑی جلدی جلدی طعام خانے میں ناشتہ چنا گیا اور مرزا صاحب اپنے مہمانوں
کو لے کر آگئے۔!

اگرچہ بیگم حسن کی علالت کی بنا پر ماحول کچھ اداس اور خاموش ضرور تھا۔
مگر میزبان اپنی مسرت کو دبا نہ سکے! خصوصاً مرزا صاحب بہت خوش نظر آ رہے
تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے واقعی اُن کے ایسے عزیز آئے ہوں۔ جن
سے خون کا تعلق ہوتا ہے۔ بیگم حسن کے پاس باتوں کا بے پناہ ذخیرہ تھا مرزا
صاحب باتیں کرتے نہ تھکتے!۔ اور دوسرے اپنے ایک ساتھی کو پاکر مسرور نظر آ رہے
تھے۔ سہیل نے اُن سب کا تعارف امین سے کرایا تھا۔ وہ غضنفر اور امین اگر

ہم عمر نہیں تھے تو ایک دوسرے سے بہت زیادہ بڑے بھی نہیں تھے! امین کی فطرت میں تکلف زیادہ نہیں تھا۔ وہ تو یوں بھی اپنے دوستوں سے جلد بے تکلف ہو جانے کا عادی تھا اور پھر یہ تو بقول مرزا صاحب بالکل اپنے تھے چچا زاد بھائی بہن۔ اُن میں گھل مل کر وہ بھی مطمئن معلوم ہوتا تھا!۔

جویریہ، عزت وغیرہ نے اُسے پہچان لیا جب وہ اپنی ماں کے ساتھ گیا تھا! تب پندرہ سولہ برس کا لڑکا تھا! اور عزت اور جویریہ بھی اتنی ناسمجھ نہیں تھیں کہ اتنے عرصہ کی یاد کو یک قلم فراموش کر دیتیں! لیکن حجاب مانع تھا۔ وہ اُس کے ساتھ بیٹھی تو تھیں۔ لیکن اُس سے مخاطب ہونے کی ہمت نہیں کر رہی تھیں! خصوصاً جویریہ اسے عجیب نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ اپنے لڑکپن کا وہ زمانہ انھیں اب بھی اچھی طرح یاد تھا۔ جب امین کی کوٹھی کے پچھواڑے وہ اور امین دونوں گھنٹوں سر جوڑے باتیں کیا کرتے تھے۔ اور کبھی ہمسائے کھیل میں شریک رہتے تھے۔ کبھی کبھار جویریہ کی گڑیا بیمار پڑتی!۔ اور امین ہی ڈاکٹر کے فرائض انجام دیتا۔ اور بھی لڑکے کھیل میں شامل ہوتے تھے مگر ڈاکٹر امین ہی بنتا تھا۔!

جیسے جویریہ کو اپنا بچپن یاد آ رہا تھا!۔ اسی طرح انھیں اپنی جوانی یاد آئی۔ بیگم حسن نے اپنے بچے کے ساتھ اس کا رشتہ مانگا تھا!۔ لیکن عطیہ بیگم کی رضامندی سے پہلے ہی حسن صاحب نے اپنے سیاحت کا پروگرام بنا لیا تھا!۔ امین کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی!۔ حسب معمول وہ اسکول سے واپسی پر باغ پہنچا تو جویریہ کو نہیں پایا، دوسرے بچے موجود تھے!۔ اور سب مسکرا مسکرا کر امین کو دیکھ رہے تھے!۔ پھر امین کے پوچھنے پر انھوں نے چھیڑ چھیڑ کر اور ہنس ہنس کر بتایا کہ جویریہ اس کی دُلہن بنے گی!۔ اس نے پردہ شروع کر دیا ہے!۔

کس کی دلہن بنے گی؟۔

تمھاری ---

اور سب مل کر ہنسنے لگے تھے !-

امین اُن جذبات سے ناآشنا تھا - جنھیں شباب رنگ عطا کرتا ہے - مگر اچانک اُس کا دل دھڑکنے لگا ! - باغ ہی سے وہ جویریہ کے گھر دوڑ گیا ! - آنگن میں وہ ملی تھی ! - جیسے ہی امین کا سامنا ہوا اس کے چہرہ پر سرخی چھا گئی تھی ! - اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا تھا -

جولی - تم آج کھیلنے نہیں آئیں ! -

اب ہم آپ کے ساتھ نہیں کھیلیں گے !"

کیوں ؟ -

ایسے ہی - بس آپ جائیے یہاں سے - !

اور جب بھی وہ سامنے کھڑا رہا تو خود جویریہ اُسے دھکا دے کر اندر بھاگ گئی تھیں - پھر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کھڑا ہے یا چلا گیا -

بچپن کا دلکش و رنگین خواب ہمیشہ کے لئے ادھورا اور تعبیر طلب رہ گیا تھا ! - دوسری بار امین اُس سے نہ مل سکا ! - حسن صاحب بڑی عجلت میں وطن کیلئے روانہ ہوئے تھے - !

جویریہ نے بہت دنوں تک انتظار کیا تھا - اُسے معلوم نہیں تھا کہ امین جاچکا تھا ! - پہروں بھولی بھٹکی پھرتی رہی تھی - پڑھنے لکھنے میں دل نہیں لگتا تھا - وہ کھیل تماشے زہر لگتے تھے جو دوسرے بچے کھیلا کرتے تھے ! کسی کو اُس نے نہیں بتایا وہ کیوں ایسی خود رفتہ ہو رہی تھی ! ؟ - گھنٹوں برآمدے میں کھڑی رہتی - پہروں صدر دروازے کے سامنے کرسی بچھائے بظاہر کتاب پڑھتی ہوتی اور دل کی آنکھیں راہ پر لگی ہوتیں ! - مگر جو کوئی راہ بھول کر چلا گیا تھا - وہ پھر کبھی واپس

نہیں آیا۔ اندھیروں تنہائی میں جویریہ نے آنسو بہائے۔

پھر ایک دن کسی نے تذکرہ کیا کہ امین کا خط آیا ہے۔ وہ مصر پہنچ گیا اور وہاں سے لندن کا ارادہ رکھتا ہے!۔

ایک تیر سا جویریہ کے سینے پر کسی نے مار اتھا! کلیجہ دہل گیا۔ بڑی دور بجلی گری اور نئے نویلے خرمن آرزو کو یکسر جلاکر رکھ دیا۔ پھر کوئی کونپل کوئی کلی اس اجڑے دل میں نہیں پھوٹی۔ امین کی بے وفائی اور اس کی بے رخی نے ان کا دل ایسا دکھایا تھا کہ پھر کبھی سچے دل سے انھیں نہ ہنسی آئی نہ اپنی بے مایہ زندگی کو انھوں نے اتنی اہمیت دی کہ خود کو کسی کے لئے سجا سنوار کر رکھتیں۔

کسی نے اُن کا درد نہ جانا۔ کسی نے نہیں پہچانا۔ جو ہی کو کیا ہوا تھا!۔ پھر روائتی طریقے پر ایک دن سہیل بارات لائے!۔ اور انھیں ہمیشہ کے لئے اپنی راہ پر لے کے چلے گئے!۔ انجان راہیں انجان راہی۔ لیکن جویریہ اُن کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے وہیں چلی گئی جہاں وہ لے آئے۔ سہیل کے بے پناہ پیار نے یوں تن مردہ میں جان ڈالی۔ جیسے کوئی مخلص اور پُر محبت باغبان جسے ایک ایک کلی سے اُنس ہو۔ مردہ زمین میں نئی روح پھونک دے!۔ پھر وہاں گلستاں مہکے۔ جہاں موہوم اُمید کسی کلی کھلنے کی بھی نہ ہو ۔۔۔!

سہیل بہت اچھے انسان تھے!۔ خوب صورت۔ خوب سیرت۔ مخلص تھے اور بہت شریف۔ ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جویریہ کو انھوں نے ہر قسم کا آرام عطا کیا! اُن کے سارے دکھ سمیٹ لئے!۔ لیکن وہ دکھ کیسے مٹاتے ۔۔ جو تنہا دل جھیلتا ہے!۔

جویریہ تین ننھے بچوں کی ماں تھی۔ اور اب سب کچھ بھول چکی تھیں پچھلی یادیں۔ پچھلی باتیں لیکن اس وقت امین کو اپنے سامنے اپنے سے اِس قدر

قریب دیکھ کر نہ جانے کیوں گم صم سی ہو گئی تھی!۔

ایمن نے ان کے تعارف پر بڑی حیرت سے انھیں دیکھا تھا!۔

مس جویریہ۔؟!۔ اچانک اُس کے لب کانپے۔

"مس جویریہ نہیں ۔ مسز جویریہ سہیلی!" فریال کے چھوٹے بھائی شکور نے لقمہ دیا۔

"اوہو۔" ایمن نے اپنی حیرت پر مسکراہٹ کا پردہ ڈال دیا۔ لیکن جویریہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہیں کہ ایک ہلکا سا سایہ اُس کے چہرے پر آیا اور گزر گیا!۔

ایمن نے ناشتہ کے بعد آرام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ملازم نے ڈاکٹروں کی آمد کی خبر سنائی۔! اور وہ باہر نکل گیا!۔

کمرے میں کوئی نہ تھا! ۔ مرزا صاحب بھی باہر ہی تھے!۔ اور چار ڈاکٹر عطیہ بیگم کے پاس تھے۔ غضنفر نے ڈاکٹروں سے ڈاکٹر آنندی کا تعارف کرایا تھا انھوں نے بھی اپنے ایک کولیگ (ہم پیشہ) کی آمد کا حال اخباروں میں پڑھا تھا!۔ اور جانتے تھے کہ وہ نہ صرف ایک مستند ڈاکٹر بلکہ ماہر سول سرجن بھی ہے!۔ بڑی مسرت اور ساتھ ہی کسی قدر فخر کے ساتھ انھوں نے ڈاکٹر ایمن کے مشورے قبول کئے! اور وہی کیا جو ایمن نے کہا تھا!۔

"اپنے یہاں کی طب نے لاکھ ترقی کی ہو۔ لیکن پھر بھی غیر ممالک اس سلسلے میں بھی بازی لے گئے ہیں" ڈاکٹر لال نے کہا۔ کوئی طبی رسالہ اٹھا لیجئے۔ کوئی نہ کوئی کارنامہ کسی غیر ملکی ڈاکٹر یا سرجن کا ضرور نظر آئے گا!"

"آپ کا خیال سو فیصدی صحیح نہیں ہے!" ڈاکٹر ایمن نے کوئی دوا پیمانے میں انڈیلی اور سنجیدگی سے کہا "طب پر مختلف قسم کی تحقیقات عربوں میں بھی ہوئی ہے کون سی ایسی دوا کسی حکیم کے پاس نہیں ہے جس کے دعویدار ڈاکٹر ہوتے ہیں! سرجن

کو بھی ایک ماہر جراح ہی کہیئے "

"لیکن مجھے تو یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ ہم سے کچھ نہ کچھ زیادہ ضرور جانتے ہیں!" ڈاکٹر توفیق نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں جو کچھ جانتا ہوں۔ اس پر مجھے کبھی فخر نہیں ہوا بعض وقت مجھے اپنی بے عِلمی اور کم مائیگی کا احساس بڑی شدت سے ہوتا ہے جب میں کسی بے علم اور کم پڑھے لکھے کو اپنے سے زیادہ جانتے ہوئے دیکھتا ہوں!۔ جب تک کوئی انسان دنیا بھر کے مختلف فنون پر کماحقہ حاوی نہ ہو جائے وہ ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے: مثلاً میں آپ کو چھوٹا سا واقعہ سناؤں گا!"

"او ہو۔ دیکھیے۔ مریضہ کو ہوش آ رہا ہے!" اچانک ڈاکٹر اوصاف نے قطع کلام کیا۔ سب بیگم صاحبہ کی طرف متوجہ ہو گئے! امین آگے بڑھ کر ان پر جھک گیا!۔ اور ہولے سے انھیں پکارا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے آنکھیں کھول دیں کمزور ناتواں اور دھندلی آنکھیں جو سب سے پہلے امین ہی پر پڑیں! خفیف سا تبسم ان کے لبوں پر نظر آیا دوسرے لمحے حیرت ان کی آنکھوں میں ابھری۔

"غزنی ...... تم ... ؟ کون ہو ؟!" وہ مدھم لہجے میں بولیں۔

"خدا کا شکر ہے" غضنفر خوش ہو گئے۔ "کہیے امی۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے ... ؟"

"اچھی ہے ..." عطیہ بیگم نے کہا۔ وہ پھر امین کی طرف دیکھنے لگیں۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں!۔ غضنفر نے یہ مشکل آسان کر دی ...... ماں پہ جھک کر بولے۔

"آپ تو انھیں پہچانتی ہوں گی۔ امی" غضنفر نے کہا۔ "حسو آفندی صاحب کے صاحبزادے امین۔ یہ اب ڈاکٹر ہو کر لندن سے آئے ہیں!"

"امین ....." عطیہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔" ارے وہ چھوٹا سا لڑکا
اُف خوہ۔ میاں۔ مجھے اٹھا کر بٹھاؤ تو سہی۔ یہ کب آیا۔ میری آنکھوں سے خاک
دیکھا نہیں جاتا اس کی طرف — ارے یہ امین ہے۔ میرے بچے میرے پاس تو آؤ —!
انھوں نے اپنی کمزور باہیں پھیلا دیں۔ اور امین آگے بڑھ کر چپ چاپ اُن
کے محبت بھرے سینے سے لگ گیا!—
"میرے بچے تو کب آیا۔ ارے جگا نہ لیا مجھے" بیگم صاحبہ نے اسے اپنے سینے
سے چپکا لیا اور گلوگیر آواز میں دعائیں دیتی رہیں!— پھر جب وہ اُن سے الگ ہوا تو
عطیہ بیگم تو رو ہی دی تھیں مگر امین بھی بے حد متاثر نظر آرہا تھا۔
بچے! امی نہیں آئیں۔ تمہاری" وہ بولیں" مجھے خوش خبری ہی سنانا۔
ورنہ میرا دل ہی رک جائے گا۔!"
"امی بھی آئی ہیں" امین نے کہا۔ "وہ تھوڑی دیر پہلے ہی آپ کے پاس
سے اٹھ کر اندر گئی ہیں"
بلا لاؤں۔ امی انھیں؟" غضنفر نے پوچھا۔
"بیٹے۔ بڑی جلدی بلاؤ۔ اگر یہاں نہ آسکتی ہوں تو مجھے لے چلو۔ میں چلوں
اُن کے پاس!" غضنفر نے ملازمہ سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کا پیغام مرزا صاحب تک
پہنچا دے۔ بیگم حسن اُن ہی کے پاس بیٹھی تھیں۔ خود وہ امین کی ہدایت پر عطیہ بیگم کو
جوس پلانے لگے!—
امین وہاں سے ہٹ کر ڈاکٹروں کے پاس آیا۔
اوہ۔ ڈاکٹر۔ واقعی آپ نے دست شفا پایا ہے" ڈاکٹر احمد نے پُرجوش
انداز میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا کہ "آپ کی ایک گھنٹہ بھر کی
کوشش ہماری ہفتہ بھر کی کوششوں پر بازی لے گئی!—

"اب تو غالباً ہماری ضرورت ہی نہیں رہی!" ڈاکٹر لال بولے۔

"نہیں۔ نہیں۔ علاج آپ ہی کا جاری رہے گا۔ میں صرف آپ حضرات کو مشورہ دیا کروں گا۔" امین نے کہا۔ اور اُن کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"ہاں وہ واقعہ تو رہ گیا۔ جو آپ سنانے والے تھے!" ڈاکٹر توفیق نے یاد دلایا

"ارے وہ واقعہ۔!" امین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ میری نااہلی کا پردہ چاک کرنا چاہتے ہیں۔" یہ میری پریکٹس کے اوّلین دور کی بات ہے۔ ایک کیس میرے سپروائزر نے صرف مجھے ہی کو سپرد کیا تھا۔ کیس سرجری کا تھا۔ ایک دو سالہ ننھا سا بچہ میرے پاس لایا گیا تھا۔ جس نے والدین کی غفلت میں سیپ کا بٹن نگل لیا تھا! بٹن اس کی سانس کی نالی میں اٹکا ہوا تھا۔ جس سے اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی!۔ جلد ہی کوئی تدبیر کرنی تھی۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ ختم ہی ہو جائے میں نے تجویز کیا کہ جلد از جلد اس کی سانس کی نالی کا آپریشن کیا جائے۔ اس طرح بٹن نکل جائے گا۔ میرے دو اور رہینڈنٹ اور تھے۔ جلد جلد ہم سب آپریشن کی تیاری کر رہے تھے!۔ ایک غیر متعلق دیہاتی نما آدمی وہاں کھڑا یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا!۔ وہ یونہی تماشہ دیکھنے آ گیا تھا!۔ واقعہ اُس نے پوچھا اور بچے کو بھی دیکھا۔ آپریشن کا اُسے علم ہوا اور وہ حیران دکھائی دینے لگا! اُس نے سرسری طور پر مشورہ دیا کہ بچے کو ٹھوس غذا کھلائی جائے!۔ بٹن دباؤ سے اتر جائے گا!۔ مگر سب نے اس کا مذاق بنا لیا کہا کہ بڑے میاں جب بٹن ہی نہیں اترتا تو غذا کیسے اترے گی۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ بچے کی ماں سب کچھ دیکھ رہی تھی! اس نے بھی بڈھے ہی کی تائید کی۔ آپریشن پر وہ راضی نہیں تھی۔ نتیجتہً بچے کو کیلے کھلائے گئے!۔ اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے بچے کی پیٹھ پر گھونسہ مارا۔ بچہ بلبلا کر رو پڑا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس کے جھٹکے سے بٹن نالی سے نکل گیا

"واقعی ؟ ۔" ڈاکٹر احمد نے کہا ۔

"جی ہاں ۔ بعد کو ایکسرے سے دیکھ گیا ۔ بٹن معدے میں موجود تھا!" ایمن نے ہنس کر کہا ۔ "لیکن الٹی سیدھی حرکتیں طب کی دنیا میں حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتیں اسے تائید ایزدی کہیئے !"

"لیکن آپ لوگوں نے آپریشن کی بجائے ایک فضول سی حرکت کرنے کی اجازت کیسے دے دی تھی ؟" ڈاکٹر راؤ صاف بولے ۔

"آپریشن پر بچے کی ماں راضی نہ تھی ! سارا قصہ یہ تھا !" ایمن نے کہا ۔

"بہر حال ہماری آپ کی تجرباتی دنیا میں ایسے بہتیرے واقعات بھرے پڑے ہیں آپ کے حکیم اجمل خاں کی ذات سے کتنی ہی محیر العقول طبی داستانیں وابستہ ہیں !۔ دوسرے ڈاکٹر یا حکیم سے کم تھے ؟ ! ۔ تعجب ہے ۔ آپ کو ہمارے حکیموں کے نام اور ان کے کارنامے بھی معلوم ہیں ! ۔" ڈاکٹر احمد ہنسنے لگے !۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے ۔ آپ مجھے یوروپین سمجھتے ہیں ۔ میرے والد بیشک عربی نژاد تھے مگر میری والدہ مشرقی ہیں ۔ اس کے علاوہ ۔ زندگی کے صرف دس بارہ ہی برس اُدھر گزرے ہیں ۔ آدھی زندگی تو یہیں گزاری تھی ایمن نے کہا "اور توقع ہے کہ اب آئندہ بھی یہیں رہوں گا !"

"بڑی اچھی بات ہے" ڈاکٹر لال خوش ہو گئے "بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ہی اسپتال میں آجایئں ! ۔"

"ابھی میرا ملازمت کا کوئی ارادہ نہیں ۔ میں اپنا ذاتی اسپتال کھولوں گا ۔ اگر یہاں کے حالات اپنے لئے سازگار پاؤں گا !" ایمن نے کہا ۔

"یعنے آپ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ ماشاءاللہ کتنے فی صدر بیمار پڑتے ہیں !" ڈاکٹر احمد نے کہا ۔

"یقیناً آپ کو مایوسی نہیں ہو گی!۔ ڈاکٹر اوصاف نے لقمہ دیا۔ وہ سب ہنسنے لگے!۔ ملازم چائے لے آئے تھے!۔ وہ سب چائے پی کر رخصت ہوئے۔!

ایمن بھی اٹھ ہی رہا تھا کہ اندر سے مشرف نکلا۔

گھر بھر میں صرف وہی تھا۔ جس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے اور جس نے ایمن اور بیگم حسن کی آمد کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا!۔ اب بھی اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس کا کوئی دخل کسی بات میں نہ تھا مگر وہ خواہ مخواہ پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

ایمن سے وہی نہیں ملا تھا اور نہ ملنا چاہتا تھا۔ اب بھی ایمن دیکھتا ہی رہا اور وہ سرسری نظر اُس پر ڈال کر زینے اترتا چلا گیا۔

عطیہ بیگم اور بیگم حسن آپس میں اس طرح ملیں جیسے دو بچھڑی ہوئی بہنیں برسہا برس بعد ملی ہوں!۔ اُن کی آمد نے عطیہ بیگم پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ انھوں نے فرمائش کی کہ انھیں اٹھا کر بٹھایا جائے۔!۔

غضنفر ایمن کی صورت دیکھنے لگے!۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور تکیوں کے سہارے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ تکلیف محسوس نہ کریں" اُس نے جواب دیا اور خود انھیں بٹھانے میں مدد دینے لگا

"بہن کنیز فاطمہ" عطیہ بیگم نے مسکرا کر ایمن کی طرف اشارہ کیا "سچ سچ۔ میں تو مرتے مرتے زندہ ہو گئی اب خیال آتا ہے کہ دو تین دن سے میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔ دل الگ ڈوبا جا رہا تھا۔ آنکھیں تھیں کہ اپنے آپ بند ہی ہوتی چلی جائیں۔ کیسے یہ سب گھبرائے ہوں گے۔ اب تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں بیمار ہی نہیں تھی!۔

اُن کے چہرے پر صحت مندوں کی سی سرخی اور تازگی تھی!۔ تقریباً سب

اس وقت اُن کے پاس تھے اور خوش تھے کہ ایمن کی وجہ سے انھیں یہ بھی دیکھنا نصیب ہوا تھا۔

غضنفر نے چائے کی فرمائش کی۔ اور فرحانہ چپکے سے اٹھ کر چلی گئی۔!

فریال نہا دھو کر آگئی تھی!۔ اس وقت وہ ایک شوخ و شنگ لڑکی نظر آرہی تھی۔ رات کا اضمحلال، فکر اور اضطراب کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا! آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی!۔ ماں کی صحت وہ اپنا ہی کارنامہ تصور کر رہی تھی!۔

پھر کافی کی ٹرالی کے ساتھ ساتھ بچے بھی آگئے!۔ پورا ریوڑ تھا۔ پیارے پیارے سرخ و سفید تندرست بچے۔ جو یہ غضنفر اور عزت کے بچے تھے!۔ انھیں دیکھ کر سہیل کو ہنسی آگئی!۔۔ وہ سب کے سب بڑی حیرت سے ایمن کو گھور رہے تھے!۔ ایسی پریشان نظریں تھیں کہ ایمن بھی بے ساختہ ہنس پڑا۔

"پریشان ہو گئے آپ؟" سہیل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "ان سے تعارف ممکن نہیں ہے!۔ باقاعدہ ایک رجسٹر مرتب کرنا پڑے گا!۔

"نہیں۔ نہیں۔ بہت پیارے پیارے بچے ہیں" ایمن نے کہا "سب آپ کے ہیں؟"۔

"خدانخواستہ" سہیل جلدی سے بولے "یہ سب میرے ہوتے تو میں زندہ بیٹھا ہوتا۔ جیسے ننھی منی چیونٹیاں بڑے سے مکوڑے کو اپنے بل میں گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ وہی گت میری بنتی!"

"ہٹیئے۔ بڑے ناشکر گزار ہیں آپ!" جویریہ نے تنک کر کہا۔

"اچھا بھئی۔ سب ہی میرے ہی ہی!" سہیل نے کہا۔

عزت نے بچوں کا بھی تعارف کرایا۔ وہ چپ چاپ کھڑے نئے مہمان کو

دیکھ رہے تھے ! ۔ امین نے اپنے بازو پھیلا کر ان سبھوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

" اچھا اب آپ آرام کیجیے ! " غضنفر یہ کہہ کر اٹھ گئے ! " ایک تو سفر کی تکان۔ دوسرے ناشتہ اتنی دیر سے ملا۔

" پھر وہ شمعی کی طرف مڑے " ان کے لئے اوپر کے کمرے صاف کئے ہیں نا ؟ "

" جی ہاں ! " شمعی نے پلکیں جھکا کر کہا۔

شمعی ؟ ..... موم کی شمع کی طرح نازک، دھیرے دھیرے سلگنے پگھلنے والی۔ امین کی نظریں اس کی جھکی پلکوں سے الجھ گئیں ! ۔ اُس کے چہرے پر غم آلود تاثر ایسا طاری تھا کہ امین کھو سا گیا۔ کتنی پیاری لڑکی تھی ! جیسے پھولوں کی نکہت ! کلیوں کی صباحت اور ستاروں کی ضیا مجسم ہو گئی ہو۔ سفید سفید پیشانی پر موتی موتی آوارہ لٹیں جھوم رہی تھیں۔ ورقی لبوں پر گلابی بکھری ہوئی تھی ! ۔ چھوٹے سے قد کی خوبصورت سی گڑیا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز اس کے بال تھے۔ گہرے سیاہ اور بے پناہ لمبے لمبے بال۔ جو کمر سے نیچے پنڈلیوں پر ناگ کے پھن کی طرح لہرا رہے تھے۔ ان دلکش اور خوب صورت بالوں نے شمعی کو عجیب چیز بنا دیا تھا۔

" بے بی۔ پلیز۔ انھیں اُن کے کمروں میں چھوڑ آؤ ! " غضنفر نے کہا اور امین سے بولے " چچی امی کے لئے نیچے ہی انتظام کر دیا گیا ہے۔ آپ اوپر رہیے گا۔

" بہت بہتر ! " امین بچوں کے گال تھپتھپا کر اٹھ گیا ! ۔ فریال اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی ! شمعی اس کے ساتھ تھی ! ۔ گھبراہٹ اُس کے ایک ایک انداز سے عیاں تھی ! ۔ جلدی جلدی اُس نے زینے طے کئے ! ۔ اور امین کی طرف مڑی۔ اس کی نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔ ڈوپٹہ کا آنچل سر پر۔ اپنے خوب صورت لباس میں وہ امین کو کوئی مغل شہزادی لگ رہی تھی ! جس سے محبت کی جائے۔ جس کا احترام کیا جائے ! ۔ وہ حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا !

آج تک کوئی ایسی تشبیہہ اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ مشرقی نسوانیت و نزاکت کی مکمل تصویر۔۔!"

"آپ کے کمرے۔۔!" شمعی کے منہ سے نکلا!۔۔ اور امین پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

"شکریہ۔۔!" امین نے کہا۔ پھر وہ دروازہ کی چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"سنیئے!۔۔" اس کی بھاری آواز شمعی کے دل میں گونجی۔ اُس نے گھنیری پلکیں اٹھائیں۔ "آپ کی شخصیت بڑی حسین ہے!" امین نے مسکرا کر کہا۔ اس نے سادگی سے اس کی تعریف کی تھی۔ اُس کے نزدیک یہ مذموم بات بھی نہ تھی! لیکن شمعی کے عارضوں پر گلال بکھر گیا۔ پلکیں پھر جھک گئیں اور وہ جواب دیئے بغیر مڑی اور جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر چلی گئی!۔۔ اگر وہ دل پر قابو نہ پاتی تو زینہ سے گری پڑی ہوتی!۔۔

رات کا سحر انگیز سناٹا کائنات پر محیط تھا!۔۔ صاف شفاف آسمان پر چودھویں کا چاند جگمگا رہا تھا کرنیں چاندی لٹا رہی تھیں۔ اور مرزا صاحب کے وسیع و عریض سرسبز باغ کے دیو قامت درخت چاندنی کے غسلوں میں لپٹے دم بخود کھڑے تھے!۔ جنگلی پھولوں کی خوشبو سے ماحول مہک رہا تھا!۔ فوارے کے موتی حوض کے پانی پر گر رہے تھے! چاندنی نہ مٹے سے ہم آغوش تھی!۔

ملازم ایمن کو کافی دے کر جا چکا تھا۔!

لیکن وہ اپنی آرام کرسی پر جوں کا توں لیٹا رہا۔ سگریٹ انگلیوں میں کب کا بجھ چکا تھا۔ اُس نے پیالی کی طرف دیکھا تک نہیں...... سامنے میز پر پاؤں پھیلائے وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔!

کافی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی!۔ پھر اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکا اور اٹھ کر برآمدے میں نکل آیا۔

خوابناک سا طلسم اس کی آنکھوں کے سامنے تھا!۔

برآمدے کے ہلکے پھلکے ستون سے ٹیک لگا کر وہ باغ کی روشن خلاؤں میں دیکھنے لگا!۔ اُجالے اندھیرے کا عجیب کھیل تھا۔

ایمن کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھری معلوم ہو رہی تھیں۔ دل و دماغ میں تہلکہ سا مچا ہوا تھا وہ ایک غیر جذباتی انسان تھا!۔ سرجری کے پیشے نے رہے سہے نازک حسیات کا بھی خون کر دیا تھا۔ نہ وہ کبھی کسی سے متاثر ہوا تھا نہ مرعوب۔!

لیکن اب وہ خود سے پریشان ہوا جا رہا تھا!۔ کیا یہ پتھر اپنی آنچ سے پگھل جائے گا!۔

وہ اپنی ہم سفر سے متاثر تھا!۔

اور شمعی سے مرعوب!۔

بہتیری لڑکیاں اُس نے دیکھی تھیں۔ درجنوں لڑکیاں اُس کی دوست تھیں لیکن شمعی نے اُسے نئے نئے احساسات عطا کئے تھے!۔ جھکی جھکی پلکوں اور مرتعش دمرطوب لبوں والی نازک سی لڑکی۔ جس کی تصویر اس کی آنکھوں سے ہٹ نہیں رہی تھی!۔

فریال کا شوخ و شریر چہرہ لوحِ تصور پر ابھرتا!۔ اور وہ رہ رہ کر بوکھلا

جاننا یہ آخر کیا سوچنے لگا ہے۔

عجیب مرض ہے؟۔

اسے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔!

فضول چیزیں سوچ رہا ہوں۔ اُس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور ادھر ہی کی راہ سے باغ میں اتر گیا۔

اچانک وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ حوض کے پاس تنکوں کی کوچ پر کوئی بیٹھا تھا چاند کی مخلوق۔ جس کا کرنوں سے گندھا ہوا بدن روشنی میں چمک رہا تھا۔

"شمعی!۔" ایمن کے لب کانپے۔

کسی کے قدموں کی آہٹیں سُن کر شمعی چونک پڑی۔ اُس نے رُخ پھیرا اور اپنے پیچھے ایمن کو دیکھ کر اس کا دل حلق میں دھڑک اٹھا!۔ بے اختیار اُس کی نظریں اندر برآمدے کی طرف اُٹھ گئیں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تب۔!

ایمن اُسے تکتا ہی رہ گیا۔ شمعی سفید لباس میں لپٹی تھیں۔ جس پر جابجا مخمل کے سُرخ پھول کھلے ہوئے تھے۔ گہرا سرخ آنچل۔ جو سر پر پہنچ گیا تھا! سفید سفید گلے میں نازک سا ہار چمک رہا تھا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ اور چاندنی کے فسوں میں وہ کوئی سماوی مخلوق لگ رہی تھی!!!۔

ایمن اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ شمعی جانے کے لئے مڑی۔ اُس کے انداز میں وحشت تھی!۔ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر ایمن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹھہریئے!۔"

شمعی رک گئی مگر مڑی نہیں۔ ایمن اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا اور چپکے سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مجھ سے کیوں بھاگتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ

میں آپ سے باتیں کروں۔ بہت اچھی لگتی ہیں آپ مجھے۔ سنیئے!۔ میں نے بہت سی خوبصورت لڑکیاں دیکھی ہیں۔ مگر آپ کی سی حسین لڑکی مجھے آپ کے سوا کوئی دکھائی نہیں دی۔"

شمعی پھر سلگنے لگی۔ ہائے۔ کیا انجام ہوگا میرا۔۔۔

"آیئے۔ بیٹھئے۔ باتیں کریں۔" امین نے کہا۔" یہ میری خوش قسمتی تھی کہ آپ یہاں مل گئیں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں یہاں چلا آیا۔ کیا آپ کو بھی نیند نہیں آتی۔"

"جی نہیں!۔" شمعی نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر ہولے سے کہا۔" مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ مجھے جانے دیجئے۔"

اچھی بات ہے۔ جایئے۔ میں تو یہیں بیٹھا رہوں گا۔ کمرے میں میرا دل نہیں لگتا۔ تنہائی ہے۔ وحشت ہے۔ اور کوئی ایسا نہیں جس سے باتیں کی جائیں۔ محترمہ فریال نے بھی بس ٹرین کی حد تک ساتھ دیا تھا۔ یہاں آ کر وہ بھی ایسی پردہ نشین بن گئیں کہ مڑ کر ایک بار بھی خیریت نہیں پوچھی!۔"

"فریال۔ بہت تھک گئی تھی۔ وہ سو رہی ہے!۔" شمعی نے کہا۔

اب آپ بھی سونے جا رہی ہے!۔؟

جی ہاں۔!

اچھی بات ہے۔ میں اکیلا یہاں بیٹھتا ہوں۔ آپ کی طرف کی گرمی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ میری آرزو تھی کہ میرے ساتھ تھوڑی دیر آپ بھی بیٹھ جاتیں۔

"نہیں۔ ڈاکٹر صاحب!.... میں مجبور ہوں۔ اتنی ہمدردی مجھ سے نہ کیجئے کہ میں خود کو اور زیادہ بے بس و بیکس سمجھنے لگوں!۔"

پھر ایک پگھلتی ہوئی نظر شمعی نے اس پر ڈالی اور تیز تیز قدم رکھتی ہوئی وہاں سے

چلی آئی ۔ فریال اپنے بستر پر پڑی بے خبر سو رہی تھی ! ۔

رات اب بھی خوب صورت تھی ! ۔

مگر شمی کو ایک ہولناک تاریکی اپنی طرف بڑھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی ۔

وہ اپنے بستر پر گری اور سوکھی سسکیاں لینے لگی ! ۔

یہی میری تقدیر ہے ! ۔

اب تک وہ اپنی قسمت پر شاکر رہی تھی ! کبھی اُس نے بنانے والے سے اپنی محرومی کا گلہ نہیں کیا تھا ! ۔ اپنی بے بسی پر اُسے کوئی شکوہ نہ تھا ! ۔ وہ تو قانع تھی ۔ اگر یہاں بھی پناہ نہ ملتی تو کہاں جاتی ؟ ۔ یہ سب اُس کے اپنے ہیں ۔ اس سے محبت کرتے ہیں ۔ مگر بے کسوں کا درحقیقت چارہ گر کوئی نہیں ہوتا ۔ وہ خود کو سب سے جدا سمجھا کی ۔ ! فریال اُس سے پیار کرتی تھی ! ۔ مگر اس کا انداز طمانت بخش سا تھا ! محروم و بے یار و مددگار وہ نہ تھی ! ۔ اُس کے اپنے ماں باپ تھے ۔ بہن بھائی اور کنبہ تھا ! ۔

اور شمی ؟ ..... خالہ اور خالو کی محبت پر اُسے کیا ناز ہوتا کہ بھائی بھی صحیح معنوں میں اپنا نہ تھا ! ۔ مشرف بڑا سخت گیر تھا ! ۔ دل آزاری اس کا مسلک تھی ۔ اور منہ نہ لگاتا اور وہ اپنی چھوٹی بہن ہی پر طنز کے تیر چلاتا ۔ اُسے مغموم اور سوگوار دیکھ کر مسرور ہوتا ۔ زندگی بھر کوئی بات بہن کی خوشی کی اُس نے نہیں کی تھی ! ۔ کبھی پلٹ کر اس کے دکھ سکھ کی خبر نہیں لی تھی ! ۔ وہ سب سے بددل تھا اور سب اس سے برگشتہ ! ۔

۔ حالانکہ وہ خاصہ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار تھا ۔ عمر کی بھی اس منزل میں تھا جہاں انسان کو ذمہ دار سمجھا گیا ہے ! ۔ لیکن کبھی اُس نے اپنے فرائض محسوس نہیں کئے ۔ پندرہ بیس برس اسے یہاں رہتے ہو گئے تھے ! ۔ لیکن اپنائیت کا کوئی شائبہ بھی اس میں پیدا نہیں ہوا تھا ! ۔ بیگانوں کی طرح رہتا تھا ! ۔ وقتاً فوقتاً کھانے پر اس کا ساتھ

ہوتا ورنہ اس کا کھانا پانی بھی اسی کے کمرے میں پہونچا دیا جاتا!۔
مرزا صاحب اور عطیہ بیگم نے اس کے حالوں اُسے چھوڑ دیا تھا!۔ شمعی تو یہ سمجھتی ہی نہیں تھی کہ وہ اس کا حقیقی بھائی تھا!۔ اُس کی آواز سے زرد پڑ جاتی۔ اُس کی صورت دیکھ کر سہم جاتی۔

پھر اس کی سونی زندگی میں باری کے قدم آئے۔!

باری کے والد عبدالغفار صاحب۔ مرزا صاحب کے بہت گہرے دوست تھے!۔ وہ جنگلات کے آفیسر تھے۔ ہمیشہ دوروں پر رہا کرتے۔ تعلیم کی خاطر باری کو مرزا صاحب کے یہاں مقیم ہونا پڑا۔ بہت کم غفار صاحب یہاں آئے۔ لیکن باری کو یہاں رہتے ہوئے پانچ چھ برس ہو رہے تھے!۔ پہلے بھی وہ یہاں آتا رہا تھا!۔ کوئی تکلف اور حجاب ان میں نہ تھا!۔ باری آئی سی۔ ایس کر رہا تھا۔ اس کی انگریزی بہت اچھی تھی کافی عرصہ پہلے اُس نے شمعی اور فریال کو انگلش پڑھائی تھی۔ اس طرح دونوں لڑکیاں اس کے بہت قریب آگئی تھیں۔ پہلے پہل جب یہ دونوں اُس سے پڑھنے جاتیں تو کوئی نہ کوئی باری کے سر پر سوار رہتا۔ مگر جب بار بار کی نگرانی کے بعد باری نہایت معقول اور شریف ثابت ہوا تو نگرانی ہٹالی۔

فریال کی تو بچپن ہی سے شرف سے منگنی ہوئی تھی لیکن عطیہ بیگم کو نہ جانے کیا سوجھی انھوں نے اپنی بھانجی کے لیے باری کا رشتہ منظور کر لیا۔ غفار صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ باری ان کا واحد لڑکا تھا۔ بیوی عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھیں۔ شمعی کو انھوں نے بھی دیکھا تھا اور خاموش خاموش سی لڑکی اُن کو بھی بہت پسند آئی تھی۔ شمعی سے پوچھنا گچھنا کیا؟ مشرف اس قابل ہی نہ تھا کہ اس کی مرضی لی جاتی۔ خالہ ہی اس کی جگہ تھیں۔ کوئی دو سال قبل باری سے شمعی کی منگنی ہو گئی تھی۔!۔۔۔

غفار صاحب نے چاہا تھا کہ شادی ابھی اب ہی ہو جائے۔ لیکن عطیہ بیگم نے یہ کہہ کر

نکاح اور رخصتی کو دو سال کے لئے ٹال دیا تھا۔ باری بھی فارغ التحصیل ہو جاتا۔ اور شمعی کے شایانِ شان جہیز تیار کر سکتے !۔

اور اب کم و بیش جہیز تیار تھا !۔ باری کا آخری سال قریب الختم تھا۔ انتظار اسی بات کا تھا۔ وہ پاس ہو جائے۔ اپنی روزی سے لگے اور شمعی کی شادی کر دی جائے اس طرف غفار صاحب نے کئی خطوں میں یاددہانی بھی کرائی تھی۔ وہ پنشن پر ہٹنے والے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد بیٹے بہو کے ساتھ سکون سے زندگی کے بقیہ دن گزاریں عطیہ بیگم دل کی مریض تھیں۔ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ جتنی جلد ہو سکے بھانجی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں !۔

صورت و سیرت کے لحاظ سے باری بہت اچھا انسان تھا !۔ شمعی بھی جانتی تھی۔ وہ اس کا خاموش پرستار تھا ! اُس نے کبھی شمعی سے قریب ہونے کی کوشش نہیں کی کبھی اظہارِ عشق کے لئے تنہائی نہیں ڈھونڈی۔ بلکہ وہ تو اپنے رکھ رکھاؤ سے یہ بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ اس کا منگیتر ہے !۔ جیسے انجان اور غیر متعلق پہلے رہا کرتا تھا۔ ویسے ہی ہمیشہ رہا ـــــ !

شمعی اپنی قسمت پر شاکر رہی تھی !۔ جو کچھ خالہ بی کر رہی ہیں وہ نامناسب نہیں ! یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا !۔ باری سے اُسے انسیت اور خلوص تھا۔ مگر محبت ـــ ؟

دفعتہً اُس کے ذہن میں چھناکا ہوا۔

جیسے تاج محل منہدم ہو گیا ہو !ـــ

لوحِ دل سے وہ تصویر مٹ گئی جو عرصے سے وہاں آویزاں تھی۔ اس کی جگہ ایک نئے چہرے نے لے لی۔ ایک ایسا چہرہ جو مغرب و مشرق کی صباحت و ملاحت کا شاہکار تھا !۔ سرخ و سفید رنگ اور سیاہ آنکھیں، سیاہ بال معصوم اور مخلص انداز سیدھا سادا لہجہ ـــ

شمی لیٹنے بستر پر پڑی سوچتی رہی۔ کیا اس کی تقدیر کوئی نیا گل کھلائے گی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی الم ناک زندگی میں مزید کانٹے بوئے۔ لیکن وہ کیا کرتی۔ انجانے میں وہ ایک جان لیوا موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

اتنی ناآشنا وہ اُن انداز سے نہیں تھی کہ کسی کی محبت بھری نگاہیں نہ پہچانتی۔ یا وہ لہجہ فراموش کر دیتی۔ جو ابھی تک اُس کے نہاں خانۂ دل میں گونج رہا تھا۔ زندگی کی وہ پہلی اور آخری محبت بھری نگاہ تھی۔ جو اُس پر پڑی تھی۔ وہ تبسم و تکلم تو اُسے بے چین کر رہا تھا!۔

سنیئے!۔ آپ کی شخصیت بڑی پُر کشش ہے!۔

آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں!۔

"سنیئے۔ آپ کی شخصیت ——!"

رات کے سناٹے میں کہیں تین بجے۔ وہ چونک پڑی۔ رات کا شباب اب بھی فسوں ساز تھا۔ اُس نے تھکے ہارے انداز میں اٹھ کر کھڑکی سے دیکھا۔

چاند پچھم کی طرف سرک رہا تھا!۔ صبح کی پیغامبر ہوائیں چل رہی تھیں۔ مولسری کی خوشبو تیز ہو چلی تھی۔ تندا سے تارے پلکیں جھپکا رہے تھے!۔ افق مشرق پر صبح کاذب کی سفید لکیر تاروں کی سڑک پر بچھنے لگی تھی۔

پانی کے موتی اب بھی تھکی بکھیر رہے تھے!۔ مگر باغ میں اب کوئی نہیں تھا!۔ روشیں اور کنج سب کچھ ویران تھا!۔

وہ لڑکی کے پاس رکھی ہوئی کمین چیر پر گری اور آنکھیں بند کر لیں۔

فریالی ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک گئی تھی۔ صبح وہ دیر سے جاگی!۔ دیکھا کہ شمع کرسی پر پڑی سو رہی تھی!۔ اُس نے اس کے پیروں پر دلائی ڈال دی اور کمرے کا پردہ برابر کرتی ہوئی باہر نکل گئی!۔

طعام خانے میں سب اکٹھا تھے!۔ ایمن بھی تھا!۔ رات ہی کا سا ہنس مکھ اور خوش مزاج ننھے منے بچے اُس کے آ لپٹے تھے۔ اور وہ ہنس ہنس کر اُن سے باتیں کر رہا تھا!۔

"ماموں جان!..." جویریہ کی ننھی سی بچی شہابی اُس کے بازو سے لپٹی کہہ رہی تھی: "آپ نے اچھا اچھا نانی اماں کا علاج کر دیا۔ میری گڑیا بھی تو بیمار ہے۔ اُسے بخار آ رہا ہے۔ آپ اس کا بھی علاج کر دیجئے۔"

"کیا فیس دوگی۔ ڈاکٹر صاحب کو۔؟" باری نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب سچ مچ کے ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟" شہابی نے معصومیت سے کہا۔

"ہائیں؟۔ تو کیا جھوٹ موٹ کے ہیں؟" باری نے آنکھیں نکالیں۔

"یہ تو ہمارے ماموں جان ہیں۔" شہابی بولی۔ اور پُر اُمید نگاہوں سے دلہن کو دیکھنے لگی۔ اچانک وہ بیس پچیس سال پہلے کی دنیا میں سانس لینے لگا تھا۔ ایک دن ماں یہی کھیل کھیلتی تھی اور آج بیٹی۔ اُس نے ہنس کر شہابی کو اپنے میں چھپا لیا۔

"ہاں ہاں۔ ضرور۔ ہم تمہاری گڑیا کا علاج کریں گے مگر تم سے کوئی فیس نہیں لیں گے! تم تو میری بچی ہو!۔ کیوں ہے نا؟"

"ہاں ماموں جان!" اُس نے اپنی چھوٹی چھوٹی باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں۔

"علاج پھر کر لیجئے گا۔ پہلے ناشتہ کر لیجئے!" عزت نے ہنس کر اُسے مخاطب کیا۔

وہ آگے سرک آیا۔ میز پر جویریہ بھی تھی۔ بالکل لاپرواہ۔ اور بے فکر۔ جیسے سب اچھی بُری یادیں اُس نے اپنے ذہن سے نکال پھینکی تھیں۔ مگر بڑی حیرت اور تکلیف اُسے جب ہوئی تب ایمن نے دفعتہً اُسے مخاطب کر کے کسی کی موجودگی کی پرواہ

کئے بغیر کہا۔

"جویریہ۔ آپ کو یاد ہے۔ اپنا پچھلا زمانہ" یہ کہہ کر وہ خفیف سی ہنسی ہنسا۔ وقت کی رفتار کتنی تیز ہے۔ مگر یادیں کتنی جامد اور مستقل ہوتی ہیں"

"کیسا تھا آپ کا پچھلا زمانہ ۔۔؟" سہیل نے پوچھ لیا۔

جویریہ خوفزدہ نگاہوں سے سہیل کو دیکھنے لگیں۔ وہ بڑے اشتیاق سے ایمن کی طرف۔ رُخ پھیرے کسی پرانے واقعہ کو سننا چاہتے تھے ۔۔!

"شاید آپ کو خیال بھی نہ رہا ہو۔" ایمن نے براہ راست جویریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "لیکن مجھے اس لئے یاد رہ گیا کہ میں اپنوں سے بڑی دور رہ چکا ہوں۔ کتنی بے سروسامانی کی حالت میں یہاں سے گیا تھا کہ آپ سے دوبارہ ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ عجیب موڑ پہ میں آپ سے جُدا ہوا تھا۔

"ایمن صاحب ۔۔!" جویریہ کی پریشان آواز نے اُسے ہوش دلا دیا۔ اُسے احساس ہوا۔ اب وہ ذمہ دار ہو گئی ہے !۔ اپنی پیشانی پسینہ پونچھتے ہوئے اس نے سہیل کی طرف دیکھ کر ہنسنے کی ناکام کوشش کی !۔

محترمہ جویریہ۔ گڑیاں جب بیمار ہوتی تھیں تو میں ہی اُن کا علاج کیا کرتا تھا۔ اور آج۔ محترمہ جویریہ کی بچی کی گڑیوں کا معالج بھی میں ہی ہوں!" یہ کہہ کر اُس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "پتہ نہیں۔ یہ درمیانی وقفہ۔ کہاں گیا ۔۔ کدھر گیا ۔۔؟"

فریال اپنی نشست پر بیٹھی اُسے بڑی دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی !۔۔

"آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ میں نے آپ کو اپنے لوگوں میں پہنچا دیا" "آپ میری ہم سفر اگر نہ بھی ہوتیں تو ۔۔" ایمن نے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔ دروازے میں شمی نظر آئی۔ جیسی گڑیا کی طرح سجی سنوری، پاک اور بیدار ۔۔

اوہ۔ شمی ۔ بڑی دیر کر دی !" فرحانہ نے کہا۔

"رات نیند کم آئی بھابی !" وہ اسی کے پہلو میں سمٹ گئی !۔

وہ سب بلند آوازوں میں باتیں کر رہے تھے !۔ ایک شور برپا تھا۔ بزرگ یہاں نہیں تھے ۔ بیگم حسن۔ عطیہ بیگم اور مرزا صاحب کو مدتوں بعد ایک دوسرے کی رفاقت میسر آئی تھی۔ اُن کی محفل الگ تھی ۔ انھوں نے خود ہی چھوٹوں میں جانا پسند نہیں کیا !۔

گرمی بے حد شدید تھی ! سر پر سیلنگ فین (چھت کا پنکھا) تیزی سے گھوم رہا تھا ۔ لیکن ایمن پسینے میں شرابور تھا لباس بھیگ کر بدن سے چپک گیا تھا پیشانی پر موٹے موٹے قطرے چھلک رہے تھے !۔ رہ رہ کر وہ رومال سے چہرہ پونچھنے لگتا ۔ غضنفر نے اُسے حیرت سے دیکھا !۔

اتنی شدید گرمی آپ محسوس کر رہے ہیں !۔ بالکل تر بتر ہو گئے !۔

لیکن آپ حضرات تو قطعی محسوس نہیں کر رہے ہیں !" ایمن نے بھی حیرت سے کہا۔

"ہم تو عادی ہو گئے ہیں !" سہیل نے کہا اور اٹھ کر ٹیبل فین لانے چلے گئے !۔

ذرا ہی سی دیر بعد وہ واپس آ گئے مگر خالی ہاتھ ۔ فین دوسرے کمرے میں چل رہا تھا !۔ شمی نے جب دیکھا کہ گرمی ایمن کے لئے نا قابل برداشت ہو گئی ہے اور وہ ڈھنگ سے ناشتہ بھی نہیں کر سکتا تو وہ اٹھ کر گئی اور ایک دستی پنکھا ڈھونڈ لائی !۔

"یہ اچھا کیا !" غضنفر نے کہا۔

مگر شمی نے ابھی ایک بار بھی پنکھا نہیں جھلا تھا کہ ایمن نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا

نہیں نہیں ۔ اس کی بالکل ضرورت نہیں ۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں ؟! شمی تو پسینے پسینے ہو رہی گئی تھی ۔ ایمن نے اس کے ہاتھ سے پنکھا چھین لیا اور یوں کہنی میز پر ٹیک کر پنکھا جھلنے لگا کہ قریب قریب سب کے ہوا لگے !۔۔

ناشتے کے بعد غضنفر نے اٹھتے ہوئے اجازت چاہی ۔

" میں شام کو ملوں گا ۔ دو دن سے چھٹی پر تھا ۔ آج مجھے آفس جانا ہے بھئی تم کچھ خیال تو نہ کرو گے !"

" میرا خیال تھا کہ آج میں بھی اس شہر کا ایک چکر لگاؤں گا !۔ امی تو بہت تعریفیں کرتی تھیں " ایمن نے کہا اور خود بھی کرسی کھسکا کر اٹھ گیا ۔" پہلے میں ذرا نہا ڈالوں گرمی ناقابل برداشت ہو رہی ہے ۔

" کئی چیزیں یہاں کی قابل دید ہیں " سہیل نے کہا " اگر مجھے فرصت اور مہلت ہوتی تو میں آپ کے گائیڈ کی خدمات انجام دیتا ۔ لیکن فی الحال میں بھی معذرت چاہتا ہوں !"

" ارے دولہا بھائی ..... اگر آپ معذرت چاہ لیں گے تو کیا ڈاکٹر صاحب کا پروگرام یونہی تشنہ رہ جائے گا " فریال بولی " میں اور شمی چلیں گے ان کے ساتھ !"

" یہ بہت اچھا رہے گا !" ایمن نے کہا ۔

" تو پھر ہم تو چلے !" یہ کہہ کر غضنفر نے ایمن سے ہاتھ ملایا اور اپنی روانگی کی تیاری میں ڈائننگ ہال سے چلے گئے !۔ ان کے پیچھے سہیل جدیہ اور عزت وغیرہ بھی چلے گئے !۔

" میں ذرا بیگم صاحبہ کو دیکھ آؤں !" ایمن نے کہا ۔

یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے نکل گیا !۔۔

باری ابھی تک بیٹھا آہستہ آہستہ سگریٹ کے کش لگا رہا تھا!۔ شمعی دوپہر کے کھانے کے لئے ملازموں سے میز پر صاف کروا رہی تھی!۔ جب آخری بار کرسیوں پر جھاڑن پھیر کر وہ بھی چلے گئے۔ تو شمعی کو تنہائی کا احساس ہوا۔

اس کی مخمور نگاہیں باری پر پڑیں۔ اور اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر پھر جھک گئیں!۔

"شمعی!۔" اُس نے بڑے محبت پاش لہجے میں پکارا۔

"جی ۔۔!" شمعی نے لاپرواہ بننے کی کوشش کی!۔

"بہت عرصہ سے تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر میری ہمت نہیں پڑی۔ نہ جانے تم کیا سوچو!۔"

کوئی ایسی ہی بات ہے کہ آپ کو میری ناگواری کا خیال ستاتا ہے؟" شمعی نے بہت سمجھ بوجھ کر کہا۔ وہ باری کو زیادہ بے تکلف اور بیباک کرنا نہیں چاہتی تھی!۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مگر ۔۔!" یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔

"تو پھر جاؤں؟ ۔"

ابھی میں نے اپنی بات پوری کہاں کی ہے۔

"پھر کبھی کر لیجئے گا۔ مجھے خالہ بی کے لئے سوپ وغیرہ تیار کرنا ہے!۔

اچھا۔ شمعی۔ میں پھر کبھی کہوں گا۔ جو کہنا چاہتا ہوں" باری نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بہت خاص بات ہے؟" اس کی سنجیدگی دیکھ کر شمعی کا دل دھڑکنے لگا۔

ہاں۔ کچھ ہے تو سہی۔ شاید تم اہمیت نہ سمجھو۔ مگر میں تو سمجھتا ہوں!" یہ کہہ کر باری غیر متوقع طور پر اس کے قریب آگیا۔

"شمعی!" اس نے اس کی تھوڑی پکڑ کر چہرہ اٹھایا۔ میں اپنی خوش قسمتی پر

نازاں ہوں۔ ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں۔ دنیا بھر کی محرومیاں تمھاری شکل دیکھتے ہی بے پناہ اُمیدوں میں بدل جاتی ہیں۔... شمعی!۔ نہ جانے کیا کچھ میں تمھارے متعلق اور اپنے متعلق سوچتا رہتا ہوں۔! اور جب سے میں نے تمھاری مجبوری دیکھی ہے ۔۔!"

"مجبوری.... کون سی۔ مجبوری ؟۔" شمعی کی سانس پھولنے لگی اُس نے باری کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

مشرف کا سلوک تم سے بہت ناروا ہوتا جا رہا ہے۔ شمعی!۔ یہی میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ دوسرے اور لوگ چاہے محسوس کریں یا نہ کریں ؟ مگر میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا!۔ میں کسی کا خیال کیئے بغیر مشرف کو کھری کھری سنا دوں گا!۔ میں یہ بھی نہیں دیکھ سکتا کہ تم اکیلی صبح سویرے سے لے کر رات گئے تک، خدمت گاروں کی طرح ایک پاؤں پر ناچا کرو۔ میں تمھارا ہاتھ نہیں بٹا سکتا!۔ لوگوں کو میرا سلوک مشکوک کر دے گا۔ مگر شمعی۔ تم ہی بتاؤ۔ میں یہ سب کچھ کیسے دیکھوں۔ کیسے سہوں ؟"

"چپ رہئے!" شمعی نے سہمے ہوئے انداز میں اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کے باہر دیکھتی ہوئی بولی۔ "کوئی سن لے گا تو کیا کہے گا ؟ یہ تو میرا کام ہی ہے۔ ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں۔ مجھ سے تو خاموش بیٹھا ہی نہیں جاتا مگر آج آپ اتنے جذباتی کیوں ہو گئے ؟!"

"میں نے تو ابا میاں کو ان کے خط کے جواب میں لکھ دیا ہے کہ آپ کی مرضی میری عین مسرت ہے وہ جلد از جلد تمھیں اپنے گھر میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ عنقریب یہاں پہنچیں گے۔ میں چچی اماں سے کہوں گا کہ بس اب مزید تاخیر نہ ہو تو بہتر ہے!۔"

شمعی کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا!۔ لیکن باری اپنے جذبات کے بحرِ عمیق

میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اُس نے شمعی کی بدلتی ہوئی حالت پر غور نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے بے حد نرم اور میٹھے لہجے میں شمعی کے چہرے پہ جھک کر پوچھا۔

"تم خاموش ہوگئیں۔ میری پیاری۔ کیا میرا یہ سب کچھ کہنا تمہیں ناگوار گزرا؟"

شمعی کیا کہتی کہ اُسے ناگوار ہوا ہے۔ اُس کے تو دل کی دنیا ہی زیر و زبر ہو چکی تھی۔!

تمہاری خاموشی میری سب سے بڑی جیت ہے۔ میں جانتا ہوں تم شرما رہی ہو۔ اچھا شمعی، اب تم جاؤ۔ شاید فریال تمہاری منتظر ہو۔"

"آپ بھیا سے نہ الجھیئے گا۔ انہیں آپ نہیں جانتے میں جانتی ہوں اپنے غصّے اور طیش میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے!"

"تمہیں میرا اس قدر خیال ہے۔ شمعی؟!" باری خوش ہو گیا۔

"ہاں۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا" یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ بھیا آپ کو کچھ کہہ دیں۔"

"یہ تو مجھے بھی اچھا نہیں کہ وہ بلاوجہ تمہیں ڈانٹا ڈپٹا کریں!"

"شمعی ...؟" دفعتہً باہر سے فریال کی آواز آئی۔ اور باری جلدی سے ہٹ گیا۔ دوسرے لمحے فریال ایک بڑا شوخ لباس پہنے ہلکی ہلکی خوشبو میں بسی ہوئی اندر آگئی!۔ ایک طرف شمعی سمٹ کر رہ گئی تو دوسری طرف باری بھی شرمندہ سا ہو گیا!۔

"اوہ۔ باری بھیا۔ کیا آپ دونوں لنچ کے انتظار میں یہیں بیٹھے رہ گئے تھے؟" فریال کی آواز میں شرارت تھی۔ باری ہنسنے لگا!۔

"نہیں۔ بے بی۔ جو تمہارا کام تھا وہ میں کرنے لگا تھا!"

"بھلا ۔ کون سا میرا کام — ؟" فریال نے بناوٹی حیرت سے پوچھا ۔

"چھاڑ دینے لگا تھا یہاں !" باری نے سنجیدگی سے کہا ۔

"چلئے ہٹیئے !" فریال جلبلا گئی ۔ شمعی کو ہنسی آ گئی !

"تمھارا تو میں کچھ سر نکالوں گی بیگم صاحب !" فریال نے چیں بہ جبیں ہو کر شمعی سے کہا ۔ اور باری سے مخاطب ہو کر بولی ۔ غفار چچا کو بھی لکھ دوں گی — صاحبزادے نے بہت پر پرزے نکالے ہیں ۔ ذرا جلدی خبر لیں ۔" یہ کہہ کر وہ شمعی کو گھسیٹ لے گئی !

مرزا صاحب پرانے زمانے کے آدمی تھے ۔ قدیم معاشرت کے دلدادہ ۔ رہتے بھی قدیم طریقے سے تھے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اسی وضع کا پابند دیکھنا پسند کرتے تھے اگرچہ غضنفر اور سہیل اعلیٰ عہدوں پر تھے ۔ اُن کی بیویاں بھی تعلیم یافتہ تھیں — مگر اُس کے باوجود باہر کی مسموم ہوا جمشید منزل میں نہیں پہونچی تھی ! — جویریہ اور فرحانہ سیدھی سادی عورتیں لگتی تھیں ۔ ویسی ہی عزت، فریال اور شمعی بھی تھیں !، مرزا صاحب بالکل پسند نہ کرتے تھے کہ اُن کے گھر کی خواتین فیشن کی لعنت میں گرفتار نظر آئیں ۔ یہی وجہ تھی کہ اس گھر کی لڑکیاں مثالی مانی جاتی تھیں ۔ جو لوگ انھیں قدامت پسند سمجھتے تھے وہ البتہ مذاق اڑاتے مگر جو اسی سیدھی سادی روش کو اچھا کہتے تھے وہ تو اس خاندان کی لڑکیوں کی پرستش کرتے ۔ اُن کی مثالیں دیتے ! —

عطیہ بیگم رجعت پسند خاتون تھیں ۔ شمعی اور فریال کا بڑا اعلیٰ درجے کا ٹھاٹ

تھا وہ خود بھی ساری زندگی ایک مثالی خاتون رہی تھیں۔ بیگم حسن نے یہ کارخانہ بہت زیادہ پسند کیا انھیں توقع نہیں تھی کہ وہ بیسویں صدی کے ماحول میں ایسے نمونہ قسم کے لوگوں کو یہاں پائیں گی۔ وہ تو پھولی نہ سمائیں۔ اتنے دنوں میں دونوں لڑکیوں کا رکھ رکھاؤ دیکھ چکی تھیں!۔ پرکھنے والے بڑی تیز نظر میں رکھتے ہیں۔ اور پھر ان کی پرکھ تو کسی اور ہی نقطۂ نظر سے تھی۔ عرصہ سے چاہ رہی تھیں کہ اپنے بیٹے کی خالص مشرقی دلہن لائیں۔ کئی بار ایمن سے اپنی خواہش کا اظہار کر چکی تھیں۔ لندن میں بھی اپنے اکلوتے بیٹے کو پوتے تلے پالا پوسا۔ یوں کوئی ماں اپنی لڑکی کو بھی کڑی نگرانی میں نہیں رکھتی جیسے بیگم حسن نے ایمن کو رکھا تھا!۔ وہ عمر کی تیس بتیس منزلیں گزار چکا تھا!۔ مغرب کی آب و ہوا میں پلا بڑھا تھا۔ اس کی بہت بڑی مخلوط سوسائٹی تھی۔ اس نے ایسا پیشہ اختیار کیا تھا جس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق ہی نہیں تھی!۔ اس کے کلینگ میں ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر بھی تھیں۔ جن میں شب و روز ایمن کی نشست و برخاست رہتی تھی مگر اس نے جیسے آنکھیں بند کر کے تعلیم حاصل کی تھی!۔

اپنی ماں کا مطمح نظر وہ بخوبی جانتا تھا!۔ کبھی اس نے ماں کے خلاف کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے اُن کی دل آزاری کا پہلو نکلتا۔ نہایت سعادت مند اور فرمانبردار قسم کا آدمی تھا۔ جسے اپنی ماں سے بہت محبت تھی!۔ وہ جانتا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد ماں نے کیسی کیسی صعوبتیں اٹھا کر اسے اس قابل کیا تھا کہ وہ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکے!۔ اس کی ہمیشہ ہی کوشش ہوتی تھی کہ بیگم حسن کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کوئی حکم ایسا نہ ہو جو اس سے پورا ہونے سے رہ جائے!!

بیگم حسن کو بھی ایمن پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد تھا!۔

انھوں نے بڑی کشمکش اور گومگو کے عالم میں دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیا تھا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کسے پسند کریں کسے ناپسند۔ فریال اور شمعی ایک سی لڑکیاں تھیں

صورت اور سیرت میں ایک دوسرے کا عکس، پڑھی لکھی، سلیقہ شعار، ہنر مند، خاموش اور شرمیلی۔ فریال سے تو دلچسپی اور محبت زیادہ ہی تھی۔ وہ ان کے ساتھ سفر کر چکی تھی!۔ اُن کے شوہر کے عزیز دوست کی لڑکی تھی۔ اس خاندان میں وہ پہلے بھی رشتہ کرنا چاہتی تھیں لیکن یہاں آکر جب شمی کو دیکھا تو وہ بھی انھیں بہت زیادہ پسند آئی پھر پتہ چلا کہ وہ غفار صاحب کے لڑکے کی منگیتر ہے!۔ کوئی کانٹا سا اُن کے دل میں ٹوٹ گیا تھا!۔ باری کو انھوں نے ناپسند نہیں کیا تھا!۔ یہی ایمن۔ باری کا مستقبل بھی محفوظ تھا!۔ اُن کی تمامتر توجہ صرف فریال پر ہی مرکوز ہو گئی!۔

لیکن وہ دل ہی دل میں مرزا صاحب سے گفتگو کرنے کا پیرایہ سوچتی رہیں۔ موقعہ مناسب نہ تھا!۔ عطیہ بیگم بیمار تھیں اور پھر انھیں آئے ہوئے بہت زمانہ بھی نہیں گزرا تھا!۔ یہ تو وہ سوچ چکی تھیں کہ ہرگز مرزا صاحب انکار نہیں کریں گے! انھیں اطمینان تھا!!۔

ویسے یہی سب کچھ مرزا صاحب بھی سوچ چکے تھے!۔ ایمن تو انھیں اس قدر پسند آیا تھا کہ وہ اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔ اپھر عطیہ بیگم کے کامیاب علاج کے بعد سے تو وہ اور اس کے والد وشیدا ہو چکے تھے۔

صبح کے ناشتے کے بعد تینوں بیٹھے پرانی مگر خوشگوار باتوں میں مگن تھے۔ انھیں دروازے میں ایمن دکھائی دیا!۔ گلے میں آلہ سینہ بین لٹک رہا تھا!۔ اور ہاتھ میں بلڈ پریشر ٹسٹ کرنے کا گراف ۔۔ !اُسے دیکھ کر پل بھر کے لئے وہ خاموش ہو گئے پھر مرزا صاحب ہی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"آؤ بیٹے آؤ۔ خدا نے تمھیں بروقت فرشتۂ رحمت بنا کر بھیج دیا۔ ورنہ نجانے کیا دن دیکھنا پڑتا۔!"

نئی زندگی اللہ نے مجھے میرے بچے کے طفیل میں دی!" عطیہ بیگم بڑی محبت سے اسے دیکھتی ہوئی بولیں: بیٹے۔ اب تو میرا جی اچھا ہے۔ تم آرام کرتے! ناشتہ کی میز

بستر سے اٹھ کر سیدھے یہیں چلے آئے ہو گے!"

"ناشتہ وغیرہ آپ کی صحت سے زیادہ قیمتی اور اہم نہیں ہے۔ چچی اماں!" ایمن نے ہنس کر کہا: "آپ تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جائیے۔ میں چیک کر لوں۔ یوں بھی فی الحال زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا آپ کے لئے نقصان دہ ہے۔"

عطیہ بیگم ایک آہ بھر کر لیٹتی ہوئی بولیں: "میاں۔ میں تو ترس گئی۔ چلنے پھرنے کے لئے۔ ہفتوں گزر جاتے ہیں پڑے پڑے۔!"

"بہت جلد آپ چلیں گی۔ چچی اماں۔ بس چند دن اور۔!" یہ کہہ کر اس نے ان کا بلڈ پریشر چیک کیا اور اسٹیتھسکوپ ان کے سینے پر رکھ دیا!۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی طاری رہی پھر ایمن اٹھ گیا۔

"زیادہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے کہا: "ہفتہ بھر کے علاج کے بعد آپ بالکل صحت مند ہو جائیں گی!۔ ویسے اب بھی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے!"

"وہ تو انھیں ہونا ہی پڑے گا۔ ماشاء اللہ ابھی لڑکی بیاہنی ہے۔" بیگم حسن مسکرائیں۔

"اب اس کی بھی کوئی فکر نہیں رہی۔" عطیہ بیگم بھی جواباً ہنس کر بولیں: "اللہ نے بروقت تم کو یہاں بھیج دیا۔ اگر ابھی اور اسی وقت آنکھیں بند ہو جائیں تو بھی خدا کی قسم دل پر کوئی بار نہ لے جاؤں گی۔ میری بچی کی ماں اب تم ہو!"

"چلو ہٹو۔ اس لئے نہیں کہا تھا کہ تم ایسی باتیں کرنے بیٹھ جاؤ۔" بیگم حسن تنک کر بولیں: "خدا تمہیں صحت عطا کرے۔ لیکن دین رہی اچھا کہ تم دو اور میں لوں!"

"اللہ وہ وقت بھی لائے۔!" عطیہ بیگم بولیں۔

ایمن اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا اور ان کی باتیں سن رہا تھا! اچانک دروازے میں فریال کا سراپا نظر آیا۔ دوسرے لمحے وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی!۔

"ارے بیٹی۔ تم لوگ ابھی تک گئے نہیں!" مرزا صاحب چونک کر بولے۔

"کیسے جاتے۔ ابّا جان" فریال بولی۔ ڈاکٹر صاحب ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔

ہاں ہاں۔ بیٹے۔ اب تم جاؤ!" مرزا صاحب نے ننھے بچوں کی طرح چمکار کر امین سے کہا۔

"امی۔ اب تو آپ ٹھیک ہیں۔ ہم لوگ جائیں نا اب؟" فریال نے پوچھا۔

"بیٹی۔ ضرور جاؤ۔!" وہ بولیں۔

"اچھی امی۔ اللہ۔ آپ بھی چلئے۔ یہ تو آپ کا وطن ہی ہے۔ آپ کا دل نہیں چاہتا آپ گھوم پھر کے دیکھیں!" فریال نے اُن کا ہاتھ تھام کر لجاجت سے کہا۔

"بی بی۔ تم کیا دیکھو گی۔ جو میں دیکھ چکی ہوں۔ کہو تو تمہیں بیٹھے بیٹھے بتا دوں کہاں کہاں۔ کیا کیا چیزیں ہیں۔ ویسے پھر کبھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔ ابھی تو میری تھکن بھی پوری نہیں اتری۔ تم امین کو لے جاؤ!"

"چلئے!" فریال نے امین سے کہا۔ اور اس کے ہاتھ سے سب کچھ لے لیا۔

دونوں آگے پیچھے کمرے سے نکلے! اور چھ بوڑھی نظریں بڑے اشتیاق سے انھیں شانہ بشانہ جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

"اس دن گھر آکر آپ جب غروب ہوئیں تو آج طلوع ہوئیں!" امین نے زینے طے کرتے ہوئے کہا۔ مجھے اندیشہ ستانے لگا تھا کہ کہیں آپ نے مجھ سے پردہ تو نہیں شروع کر دیا۔"

"پردہ تو اب میں شروع کرنے والی ہوں!"

"بڑا اچھا خیال ہے!"

"کیوں؟" فریال اس کے ساتھ اندر آئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی!

کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہر خوب صورت چیز کو پردے میں رہنا چاہئے!" وہ اس کے سامنے صوفہ کے ہتھے پر ٹک گیا!۔

"خوب صورت چیز کو رہنا چاہئے تھا۔ مجھے ایسا کوئی اندیشہ نہیں کہ نظر لگ جائے گی۔ کیونکہ اللہ کے فضل سے خوب صورت نہیں ہوں!۔"

"اپنے دعوے کی تردید میں براہ کرم ایک نظر آئینے پر بھی ڈال لیجئے!۔"

فریال نے آئینہ کی طرف دیکھا اور آئینے ہی میں اس کی نگاہیں امین کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔ کچھ ایسی جنی خیز مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی کہ فریال نے محجوب ہو کر چہرہ جھکا لیا۔ پھر اپنی جھینپ مٹانے کو جلدی سے بول پڑی۔

"آپ تو اطمینان سے بیٹھ گئے۔ چلئے گا نہیں!۔"

آپ کے شہر کی سیر تو میں یہیں بیٹھے بیٹھے کر چکا؟!"

"برآمدے سے!؟"

"جی نہیں!۔"

یا خدا۔ تو پھر کیسے!!۔۔

"سارے شہر میں آپ سے زیادہ قابل دید چیز اور کیا ہو گی۔ وہ میں نے یہیں دیکھ لی!۔"

"دیکھئے!۔ یہ شرط نہیں ہے۔ آپ تو مجھے بنانے لگے!۔"

"جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے۔ بڑی بے تکلفی سے فرما دیتا ہوں!۔"

"فرماتے نہیں ہیں۔ بلکہ عرض کرتے ہیں!۔"

"کمال ہے۔ ابھی اس دن آپ تصحیح کر چکی ہیں!۔"

بہ سچ مچ آپ کی اردو بہت ویک (کمزور) ہے!۔" فریال بولی اور پھر اسے فرمانے اور عرض کرنے کا استعمال بتانے لگی!۔

"بہت اچھا۔ آئندہ خیال رکھوں گا!۔ آپ تو بات بات پر یوں زبان پکڑتی ہیں کہ میں ڈرنے لگا ہوں۔ کبھی کسی ماہر اردو کے سامنے کچھ الٹا سیدھا نہ کہہ بیٹھوں!۔"

خیر۔ آپ مجھ سے انگریزی ہی میں گفتگو کیجیے۔!۔

انگریزی میں۔؟ سمجھتی ہیں آپ انگریزی۔؟ آخر کہاں تک؟!۔

"جی۔ آپ کی دعا سے ایم۔ اے تک!۔" فریال نے بڑے غرور سے ہنس کر کہا۔

"گڈ لارڈ۔ بڑی خوشی ہوئی!۔"

"آپ نے باتوں میں الجھا لیا۔ چلیے۔ وقت ہو گیا ہے۔" فریال اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے شوخ رنگ کے ملبوس میں وہ سچ مچ ایک ہلکی پھلکی تیتری لگ رہی تھی!۔

"محترمہ فریال۔۔۔؟" ایمن بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

"جی۔۔۔؟" بڑی رعونت سے وہ پلٹی۔

"ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ مگر مشرقی تہذیب کا خیال دامنگیر ہے۔ کیا پتہ آپ برا مان جائیں!۔"

فریال کے چہرے پر گلال برسنے لگا۔ جلدی جلدی آنچل انگلیوں پر لپیٹنے لگی!۔

"کوئی بری بات ہو تو نہ کہیے!۔" وہ زبردستی ہنسی۔

جی نہیں۔ اب ایسی بری بھی نہیں۔ خیر۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ سفر۔ جو ہم نے ایک ساتھ کیا کبھی آپ کو یاد آتا ہے!۔"

"جی؟"

جی ہاں۔ جب آپ میری ہم سفر تھیں!۔"

"بالکل یاد نہیں آتا۔ کون سی خاص بات تھی۔ پریشانی کے مارے میری تو جان نکلی جا رہی تھی!۔"

"کیا خوب۔" ایمن نے قہقہہ لگایا۔ "پریشان تھیں۔۔۔ اور آپ۔ کیا کہیے۔۔۔

بہت اچھے! ۔"

اچھا تو آپ ہی بتائیے ۔ کون سا سرخاب کا پر لگا تھا۔ اس سفر میں :" فریال اس کے بے ساختہ ہنس پڑنے پر جھلائی بھی اور جھینپ بھی گئی ۔!

سرخاب کا پر نہیں ۔ عنقا کا پر ۔ جو پھر کبھی مجھے میسر نہیں آئے گا! ۔ فریال۔ اچانک اس کا لہجہ بے حد گمبھیر ہو گیا۔" وہ رات ۔ مجھے ابھی تک یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گی ! ۔"

"کیوں ؟ ۔" فریال نے اپنی گھنیری پلکیں جھپکالیں ! ۔

" کیونکہ وہ پہلی اور آخری رات تھی ۔حسین اور دلکش رات جو پھر کبھی میری زندگی میں نہیں آئے گی ۔ جب آپ ۔ تھکی ہاری ۔ مرجھائی ہوئی سی ۔ میری باہنہ پر سر رکھ کر سو گئی تھیں ۔ اور ساری رات یونہی سوتی رہی تھیں ۔ میں سوچتا ہوں ۔ کاش ۔ وہ لمحے ۔ جاوداں ہو جاتے ۔ جب آپ کا سر میرے بازو پر تھا! ۔ لیکن لمحوں کو ثبات کہاں ۔ وہ گئے تو گئے! ۔"

فریال پھر محجوب ہو گئی ! ۔

" مجھے یاد نہیں ۔ خواہ مخواہ آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں ! ۔"

" کوئی گواہی چاہتی ہوں آپ تو وہ بھی مل جائے گی ۔ !

" جی ہاں ۔ اور کیا ۔ ساری دنیا نے مجھے سوتے دیکھا تھا ! ۔"

" ساری دنیا سے مجھے کیا مطلب ۔ کم از کم میری امی نے تو دیکھا تھا! ۔ انھوں نے مجھے جگایا تھا! ۔ اور میں نے آپ کو ۔ خدا کی قسم ۔ اتنی شرمندگی مجھے زندگی بھر ۔۔ نہیں ہوئی تھی ۔ کتنی دیر تک امی سے آنکھیں نہ ملا سکا تھا! ۔"

" آپ نے مجھے جگا نہیں دیا ۔" فریال نے سر جھکا کر یوں کہا کہ امین بے قرار ہو گیا ۔" یا اللہ دکھ گیا ہو گا آپ کا بازو ۔ نہ جانے مجھے کیسی نیند آ گئی ! ۔"

"پھر آجائے ایک مرتبہ ویسی ہی نیند ـــ!" ایمن نے شریر لہجے میں کہا۔
اچانک کمپاؤنڈ میں کار کا ہارن گونجا اور فریال چونک پڑی۔
"آپ نے بڑی دیر لگادی۔ جلدی سے آجائیے۔ مجھے شمعی خفا ہوگی!" وہ
آپ کی حقیقی بہن ہیں؟ ـــ"
"جی نہیں۔ حقیقی خالہ زاد بہن ہیں ـــ بہرحال آپ فوراً آئیے"
بہت بہتر۔ آپ چلیئے۔ میں ابھی تشریف لایا۔
فریال ہنستی ہوئی چلی گئی! ـــ ایمن نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور
وہ بھی دو دو زینے پھلانگتا ہوا نیچے اتر گیا۔
کاریں دیر سے کھڑی تھیں۔ ملازموں نے ریفریشمنٹ کا سارا سامان کار میں
رکھ دیا تھا۔ باری ایک کار کی سیٹرنگ سیٹ پر تھا! ـــ دوسری کار پر جس میں
عزت اور بچے وغیرہ تھے یشکدر بیٹھا تھا! ـــ
شمعی برآمدے میں کھڑی تھی! ـــ کاسنی رنگ کا لباس پہنے۔ لمبے لمبے
بالوں میں اودے ہی پھولوں کا گچھا اٹکا ہوا تھا! ـــ فریال کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگی!
"بیگم صاحبہ؟ کون سے آسمان پر تھیں آپ؟" شمعی نے طنزیہ ہنس کر کہا۔
"انتظار کرتے کرتے جی چھوٹ گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ جان نکلنے لگی۔ مگر سرکار کا
کہیں پتہ نہیں! ـــ"
ہائے۔ میں تم سے سب کچھ کہہ دوں گی۔" فریال نے بڑے ناز و انداز سے اس
کی خوشامد کرتے ہوئے جواب دیا: "سچ سچ بڑی بکواس کرتے ہیں۔ یہ ہمارے
ڈاکٹر صاحب! ـــ"
چشم بددور۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب؟ ـــ" بھلا وہ کب سے تمہارے ہوئے!
شمعی ہنس پڑی۔

"اچھا خیر۔ اب تم بھی بنا لو" فریال بولی بیحد خوش نظر آ رہی تھی۔ دل میں انار چھوٹ رہے تھے۔ اس کی پہلی محبت۔ اور راز داں کے لئے بے چین۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیسے اور کیوں کر سب کچھ شمی سے کہہ دے۔ وہی اس کی تنہا رازدار و غمگسار تھی!!۔۔۔

"اچھا تو اب یہ تمھارے ڈاکٹر صاحب کہاں رہ گئے؟" شمی نے پوچھا۔

"سنگھار کر رہے ہوں گے!۔" فریال نے یوں کہا کہ شمی بے ساختہ ہنس پڑی۔

اتنے میں ایمن آتا ہوا دکھائی دیا۔!

"پیرس کا دبونیر۔۔۔!" فریال شرارت سے گنگنائی۔

"چپ۔۔۔ اگر وہ سن لیں تو!" شمی بولی۔ ویسے اس کی آمد سے دونوں ہی سمٹ گئی تھیں۔

"یا خدا۔ ایمن بھیا۔ اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ سوا گیارہ ہو گئے۔ یہ وقت کوئی تفریح کا ہے" عزت نے کہا۔

"ایمن بھیا!۔" ایمن اچانک ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑے غور سے عزت کو دیکھنے لگا۔ سفید لباس میں ملبوس ایک متوسط عمر کی قبول صورت خاتون سامنے کھڑی تھی۔

"رک کیوں گئے۔ آیئے نا!۔" عزت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے بھیا کہا تھا؟" ایمن نے بڑے جذباتی انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ کہا تو تھا" عزت اس کے بدھو پن پر مسکرائی "کیا آپ کو بھائی کہنا جرم ہے؟"

"آج میری ایک پرانی آرزو بھی خدا نے پوری کر دی" ایمن نے کہا "مجھے بڑی تمنا تھی کہ کوئی ایسا تو ہو۔ جو مجھے بھائی کہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے ایک بہن ملی۔

عمر بھر اس رشتے کا پاس کیجیے گا عزت بہن!؟"
"زندگی کی آخری سانسوں تک امین بھائی!" عزت بولی۔
"تو پھر۔ ہمیں مٹھائی کب کھلائیے گا۔" باری کی آواز آئی۔ "بہن بھائی کے ملنے کی خوشی میں اُن نیازمندوں کا منھ ضرور میٹھا ہونا چاہیے۔ جو اتفاق سے آپس میں بہن بھائی نہیں ہیں!۔"
"ضرور۔ ضرور۔؟" امین بولا: "اس خوشی میں تو باقاعدہ ڈنر ہونا چاہیے!"
"خدا آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اچھا اب تشریف لائیے۔ باری نے کہا۔
"دھوپ میں تیزی آچلی ہے۔ چلو۔ فریال۔!"
وہ سب آگے بڑھ کر کاروں میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ انھیں مشرف دکھائی دیا گیٹ سے گزر کر برآمدے کی طرف آرہا تھا!۔ اپنے مخصوص لباس۔ پتلون اور آدھی آستینوں کے بوشرٹ میں ملبوس چہرے پر برافروختگی کے آثار۔ قیافہ سے برہمی عیاں۔ اُسے دیکھتے ہی شمعی سفید پڑ گئی!۔
"اوہو۔ مشرف صاحب۔" امین نے تقدیمی انداز میں کہا: "کبھی آپ کہاں غائب تھے بہت کم نظر آتے ہیں آپ۔"
"بیکار نہیں رہتا۔" مشرف نے سخت جارحانہ لہجے میں خشک سا جواب دیا پھر اُس کی نظریں شمعی پر پڑیں۔ جو بت چین کی طرح بنی سجی کھڑی تھی۔ چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا!۔
"کہاں کی تیاریاں ہیں۔ باری صاحب!" مشرف نے پوچھا۔
"ایسے ہی۔ ایک جگہ پرانے شہر کا دنگا نے جارہے ہیں!۔" باری نے کہا۔
"سب گے سب۔؟" مشرف نے کہا
"ہاں۔ کوئی ہرج ہے؟" عزت نے اسی کے لہجے میں غرا کر پوچھا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ کوئی حرج ہے"۔ مشرف بولا۔ پھر شمعی سے کہا۔ "لیکن تم نہیں جاسکتیں"۔

"کیوں؟" فریال نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

"میں نہیں چاہتا!" مشرف نے کہا۔ امین اُسے متحیرانہ نگاہوں سے گھور رہا تھا!۔

"کیوں۔ بھیا؟!" شمعی کی لرزتی کانپتی آواز سنائی دی۔

"بس مجھے پسند نہیں ہے۔ تمھاری یہ مصاحبت۔ اندر چلو۔ ورنہ۔؟" مشرف نے کہا اور شمعی کی کلائی جکڑلی۔ باری سٹیرنگ سیٹ سے اتر آیا۔

مشرف تمھاری یہ زبردستی ہی تو اچھی نہیں لگتی"۔ عزت نے کہا۔ "سب ہی جارہے ہیں آخر کیوں نہ جائے۔ شمعی؟!"

میں پسند نہیں کرتا۔ اس لئے نہ جائے!" مشرف نے کہا۔

"بڑے آپ۔ اور بڑی آپ کی پسند۔!" فریال غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ اور شمعی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں کہتی ہوں۔ چھوڑ دیجئے۔ شمعی کی کلائی۔"

"ہرگز نہیں!" مشرف نے کہا۔ امین کو تاب کہاں؟ آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک جھٹکا مار کر مشرف کا ہاتھ الگ کر دیا۔ اور شمعی کو یک لخت اپنی طرف کھینچ لیا۔ سونے پر سہاگہ۔ باری نے دھکا دے کر مشرف کو پیچھے ہٹادیا۔ شمعی کچھ نہ بولی اس کا سر از خود امین کے بازو پر ٹک گیا اور وہ اپنی توہین کے خیال سے تقریباً نیم بیہوشی میں سسکنے لگی!۔

"تو یوں کہئے!" مشرف نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "نئے نئے حمایتی پیدا ہو گئے ہیں"۔

"مشرف ۔" باری نے گونجیلی آواز میں کہا۔خیریت اسی میں ہے کہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھو ۔!"

"مسٹر مشرف ۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کی اس برہمی کی وجہ کیا ہے ۔" ایمن نے کہا۔ ایک نظر شمعی پر ڈالی ۔" اگر آپ پسند نہیں کرتے کہ کسی وجہ سے یہ ہمارے ساتھ نہ جائیں تو منع کرنے کے اور بہتر پیرائے بھی ہیں!"

"میں امی سے کہوں گی ۔ آپ کی درندگی ۔" فریال کے آنسو چھلکنے لگے ۔ "آپ ہم سب کو خود سے کمتر خیال کرتے ہیں ۔ یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ آپ کی بہن ہمارے ساتھ رہے ۔"

عزت نے فریال کو روکنا چاہا مگر وہ اندر بھاگ گئی !۔ نہ جانے کیا سوچ کر مشرف بھی اندر ہی بڑھ گیا ۔عزت شمعی کو سمجھانے لگی ۔ جو اب رونے لگی تھی !۔

"یہ کیا معمہ ہے ۔ باری ؟!۔" ایمن نے حیرت سے پوچھا ۔ تفریح پر جانے کا خیال تو اب کسی کو بھی نہ تھا !۔

"میں بھی نہیں سمجھ سکا !۔ یہ جانور ۔ آپے سے باہر کیوں ہو گیا !" باری کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا !۔ اُس نے شمعی کے خیال سے زبان روک لی ۔

"کیا وہ اُن کے بہت قریبی عزیز ہیں !" ایمن نے پوچھا ۔

"حقیقی بڑے بھائی ۔ جنگلی ۔ وحشی کہیں کا ۔" عزت نے کہا ۔ پھر اپنے آنچل سے شمعی کے آنسو پونچھ کر بولی ۔" دفع کرو ۔ وہ ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں !۔ اب دیکھنا ماموں جان سے کہہ کر کیسی ڈانٹیں سنواتی ہوں !۔"

"نہیں ۔ عزت آپا ۔ کسی سے کچھ نہ کہیئے !۔" شمعی گلوگیر آواز میں بولی ۔ اور عزت سے ہاتھ چھڑا کر اندر چلی گئی !۔

فریال نے نہ جانے اندر جا کر کیا کہا کہ مرزا صاحب اپنے موٹے سے ڈنڈے

کے سہارے باہر نکل آئے۔ دالان میں کوئی نہ تھا مگر وہ سب کے کمروں کی طرف منھ اٹھا اٹھا کر خوب چیخے۔ ہزاروں صلواتیں مشرف کو سنائیں۔ اندر کمرے سے عطیہ بیگم کی بھی کمزور آواز آ رہی تھی!۔

"میں کہتی ہوں۔ کیوں دشمن ہوا ہے اس کا۔ اس کا ہنسنا۔ بولنا پہننا اوڑھنا اس بدبخت کو نہیں بھاتا۔ دوسرے بھائی بہنوں پر جان دیتے ہیں۔ یہ بدنصیب کیوں بے زبان بہن کا صبر سمیٹ رہا ہے۔ اس سے آخر مطلب ہی کیا ہے۔ کون سا اس کا بزرگ بن بیٹھا ہے۔ لوگو۔ اب تو یہ اندھیر مجھ سے سہا نہیں جاتا۔ کبھی اس مظلوم پر وقت پڑ جائے تو مڑ کر ظالم پوچھے گا نہیں۔ اب باری کے ابا بھی آئیں تو میں کہہ دوں کہ بس نکاح سے فراغت کیجئے!"

بیگم حسن کو بڑی محبت شمی سے تھی!۔ انھیں بہت رنج ہوا۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر مشرف کی برافروختگی کی وجہ کیا تھی!۔

"اور سنا آپ نے" عزت پھوپھی گئی۔ "امین بھائی کو شمی کا نیا حمائتی بھی کہا تھا۔"

"گولی مارو۔!" مرزا صاحب کا پرانا دبدبہ عود کر آیا۔ "شمی سے کہو۔ میرے پاس آئے۔ اور اگر آئندہ اپنے بیہودہ کلام سے مشرف نے اس کا دل دکھایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"لے جاؤ۔ شمی کو اپنے ساتھ!۔" فرحانہ نے حکم دیا۔ "وہ کسی نکھٹو بھائی کے کہنے کی پابند نہیں ہے!۔"

"فریال۔" اندر سے جبریہ گرجیں۔ "شمی سے کہو۔ فضول باتوں پر خون جلانے نہ بیٹھ جائے! کیا اس بیچاری کا شوق مار گیا۔ خدا سمجھے اس مشرف کے بچے سے!"

اشرف اپنے کمرے کے سامنے کھڑا سب کچھ سن رہا تھا!۔ غصّے سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ نفرت اور برہمی نے چہرے کے خدوخال بگاڑ رکھے تھے!۔ اُس نے ایمن اور باری کے انداز میں وہ محبت دیکھ لی تھی۔ جو اُس کے نزدیک قابلِ اعتراض تھی۔ بس وہ اُس ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ جسے چوٹ پہونچا کر چھوڑ دیا گیا ہو۔

کسی سے کچھ کہنے سننے کی ہمت نہ تھی۔ سب بھیڑوں کی ہی طرح چمٹ جاتے! اگر وہ اُن سب سے متنفر تھا تو اُسے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ بھی اُس سے نفرت ہی کرتے تھے!۔

فریال اور عزت نے شمعی کی بہت خوشامد کی۔ مگر وہ جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ تفریح کا پروگرام درہم برہم ہوگیا۔ فریال اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دوسرے بھی مصروف ہو گئے۔

ایمن دلگرفتہ اور گم سم سا اپنی امی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت اُن کے پاس کوئی نہ تھا!۔ مسہری پر لیٹی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ ایمن کو دیکھ کر کتاب سرہانے میز پر رکھ دی اور خود ذرے الگ سرک گئیں۔ ایمن ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"امی۔!" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کا ارادہ یہاں مستقل قیام کا ہے؟" بیگم حسن غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ بجھا بجھا چہرہ، ملول و اداس۔

"کیوں۔ بیٹے۔ اس میں کچھ حرج ہے!!" انھوں نے پوچھا۔

"حرج!۔" ایمن نے تعجب سے کہا۔ "کیا یہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امی؟"

یہ سب میرے اپنے لوگ ہیں۔ امین۔ ابھی تو میں نے نہیں سوچا کہ میں کہیں الگ رہونگی۔ تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟"

"میں یہاں آنے کا ایک مقصد رکھتا ہوں" امین نے متفکر لہجے میں کہا: "آپ بھی تو یہی کہتی رہی تھیں کہ مجھے ایسی جگہ اپنی پریکٹس کا آغاز کرنا چاہیئے۔ جہاں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو ۔۔۔!"

ہاں بیٹے تو پھر شروع کرو۔ پریکٹس، کسی نے منع تو نہیں کیا۔

کیسے کرسکتا ہوں۔ امی۔ اپنا گھر چاہیئے۔ اور مکمل سکون و فراغت!۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ تم اس وقت کے واقعہ سے متاثر ہوگئے ہو۔ بٹیا، اپنی اپنی باتیں وہی جانیں جو کرتے ہیں۔ تم خواہ مخواہ کیوں اتر لو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔"

"میں تو ذہنی طور پر مفلوج ہو رہا ہوں امی۔ یہاں رہ کر میں کچھ نہیں کرسکتا! مرزا صاحب سے کہیئے کہ میرے لئے علیٰحدہ کوٹھی کا انتظام کردیں۔ یا تو میں خود ڈاکٹر احمد سے کہہ کر اس کا بندوبست کرلوں گا۔ اس گھر میں ایسے حالات میں رہنا میرے لئے دشوار ہے ۔۔۔!"

بیگم حسن خاموش رہیں۔

"امین آج کے لئے واقعہ پر آگیا" آپ نے محسوس نہیں کیا، شرف کی آنکھوں میں میرے لئے کتنی تحقیر تھی وہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی بہن مجھ سے بات چیت کریں۔ وہ آج صرف اسی لئے بگڑے تھے کہ شمی میرے ساتھ جارہی تھیں ۔۔۔!

"تو اس میں کسی کا کیا گیا۔۔؟" بیگم حسن نے ٹھنڈے لہجے میں کہا: "بگڑتے ہیں تو بگڑ جائیں۔ ان سے تم سے کیا واسطہ۔ ہم مرزا صاحب کے مہمان ہیں شرف کے نہیں۔ اگر مرزا صاحب کے برتاؤ میں تم کوئی فرق محسوس کرو تو بے شک ایک بات ہے!۔"

"نہیں امی۔ نہیں۔ یہ میرے لئے ناممکن ہے۔" امین نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔" مجھ سے اس لڑکی کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی۔ میں یہاں رہوں گا تو مزید میری وجہ سے شمعی کی مصیبتوں میں اضافہ ہو جائے گا!۔ مانا کہ وہ ان کے بھائی ہیں۔ لیکن میں ہر بیجا بات کی گرفت ضرور کروں گا۔"

"اچھا۔" بیگم حسن نے کہا۔" میں جمشید بھائی سے کہوں گی۔ وہ ہمارے علٰحدہ رہنے کا بندوبست کر دیں۔ مگر تم فی الحال اس لڑکی کی طرفداری نہ کرنا خواہ مخواہ اُس کے پاگل بھائی کو اپنا دشمن بنانا ٹھیک نہیں ہے!"

"امی۔" امین نے از خود رفتہ لہجے میں کہا۔" آپ نے دیکھا —— وہ کتنی پیاری ہے!"

"آہستہ بولو۔" بیگم حسن نے تادیب کی۔" کیا تم نہیں جانتے۔ وہ باری کی منگیتر ہے!"

"باری خوش نصیب ہے!" امین تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر بیگم حسن کو ایک فکر میں مبتلا کر گیا۔

ڈاکٹر امین کو "اشرف آباد" آئے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ مگر ان کے خاندان والوں میں ابھی تک شورش باقی تھی۔ مرزا صاحب کی دیکھا دیکھی مختلف خاندانوں میں بہت سی دعوتیں ہوئیں۔ منظور سب کو یہی تھا کہ امین کو دیکھیں اور اپنی اپنی لڑکیوں کو اُسے دکھائیں۔ خاندانوں میں جوان لڑکیوں کی کمی نہیں تھی! اچھے

لڑکے تو عنقا تھے ہی ۔ اور جو تھے بھی وہ ہزاروں کے نیلام پر چڑھے ہوئے!
مگر امین اس مذموم اور قبیح رسم سے ناآشنائے محض تھا ۔ وہ کسی کے مقصد سے
بھی واقف نہ تھا! ۔ بیگم حسن البتہ بخوبی جانتی تھیں ۔ لیکن انھوں نے زبان سے
نکالا تک نہیں ۔ امین خوش تھا! ۔ مہمان نواز لوگوں کو دیکھتا اور اپنی ہر دلعزیزی
اور مقبولیت پر خوش ہوتا رہا تھا! پھر اُس کے کولیگ ڈاکٹر لال نے ایک دن بہت
بڑا ڈنر اس کے اعزاز میں دیا ۔ اور اس طرح حکام اعلیٰ تک امین کی رسائی ہو گئی!
کرنل جیلانی امین سے مل کر بہت خوش ہوئے ۔ وہ سول اسپتال میں ایک اعلیٰ عہدے
پر فائز تھے! ۔ اور عنقریب ریٹائر ہونے والے تھے! ۔ اُن سے ملاقات ہوئی
اور امین کی خوش نصیبی کا دروازہ کھل گیا! ۔

اس کا تو یہی ارادہ تھا کہ اپنا ذاتی شفاخانہ قائم کرے ۔ اور اس مقصد کے
تحت وہ بوڑھے ڈاکٹر لال کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا تھا! ۔ لیکن کرنل صاحب
اپنے عہدے کے لئے گفتگو کرنے آئے تھے! ۔ بہت کچھ زور دیا لیکن
امین نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا کہ وہ کسی سرکاری ملازمت کا پابند نہیں ہوگا ۔
کرنل صاحب مایوس ہو گئے! ۔

بیگم حسن نے ٹال دیا ۔ وہ جانتی تھیں جو خدمت جبراً اس سے لی جائے گی
وہ دل سے انجام نہیں دے سکے گا! ۔ لیکن مرزا صاحب اور سہیل وغیرہ نے
بیگم حسن سے کہا کہ وہ اسے مجبور کریں ۔

"میاں ۔ میں اس کی فطرت سے واقف ہوں" بیگم حسن نے کہا "وہ تو
اپنے تعلیمی زمانے ہی میں کہا کرتا تھا کہ ہمیشہ آزاد رہ کر کام کرے گا ۔"

"خیر ۔ میں کہوں گا" مرزا صاحب نے کہا "اور مجھے توقع ہے کہ وہ میری
بات ہرگز نہ ٹالے گا! ۔"

گفتگو رات کے کھانے کے بعد چھڑی تھی!۔ اب بہت کم ایسی نشستوں میں حصہ لیتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اسے مرزا صاحب کے مخصوص ملازم نے اطلاع دی۔ مرزا صاحب کافی کے کمرے میں اُس کے منتظر ہیں!۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ اُن کے پاس پہونچ گیا۔

مشرف الگ تھلگ بیٹھا کافی پی رہا تھا!۔ جیسے ہی امین نے قدم رکھے وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ امین نے اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی مگر اظہار نہیں کیا۔ مرزا صاحب کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے۔ چچا میاں!۔"

"بیٹے الگ تھلگ کمرے میں بیٹھے کیا کر رہے تھے!" مرزا صاحب نے کہا "اس خیال سے بلوا بھیجا تھا کہ کچھ دیر ساتھ بیٹھ کر ہنسو بولو۔ کچھ جی لگے میں دیکھتا ہوں۔ تم بہت دلگرفتہ اور اداس رہنے لگے ہو!۔"

"جی۔ نہیں تو۔ چچا میاں!۔" اُس نے ہنسنے کی کوشش کی۔ "اداسی اور دلگرفتگی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل اب مصروف رہنے لگا ہوں!۔"

"خوب یاد دلایا۔" مرزا صاحب نے موقعہ غنیمت جان کر کہا۔ "غالباً وہی پوسٹ ہے جس کے لئے کرنل صاحب اُس دن سویرے سویرے آئے تھے!۔"

"جی نہیں۔ اس سلسلے میں تو میں نے انکار کر دیا۔" امین نے کہا۔ "آپ سے شاید میں نے کہا نہیں۔ مسٹر لال کے ساتھ مریض دیکھتا ہوں۔!۔"

"بیٹے۔ یہ تو تم نے بڑی غلطی کی!۔" مرزا صاحب بولے۔ "وہ بہت بڑا عہدہ ہے۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ اب تک بغیر کسی تگ و دو کے کوئی ڈاکٹر اس پوسٹ پر پہنچا ہو۔ تم خدا کے فضل سے لندن رٹرنڈ ہو۔ اسی لئے اتنا شاندار آفر دیا گیا۔ میاں!۔ منجانب اللہ جو چیز ملے۔ اُسے ٹھکرانا نہیں چاہیئے!۔ میری مرضی اور خوشی

یہی ہے کہ تم اس عہدے کو قبول کر لیتے!"

"لیکن چچا میاں۔ اُس نے ہچکچا کر کہا: مجھے نہ تو دولت کی پرواہ ہے نہ عہدے کی!.. میں تو یہ چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کے کام آؤں۔ جو صحیح معنوں میں محتاج اور نادار ہوں۔ اور اپنی مہلک بیماریوں کا محض غربت کی بنا پر اچھی طرح علاج نہیں کروا سکتے!"

"سبحان اللہ!" مرزا صاحب نے داد دی "بڑا نیک مقصد ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تمہارے اس عہدے پر پہنچنے کے بعد نادار اور محتاج تمہاری خدمتوں سے محروم کیسے ہو جائیں گے۔ سوچو بیٹے کہ ایک بڑے طبی ادارے سے منسلک ہو کر تمہیں زیادہ سے زیادہ آسانیاں اور سہولتیں نصیب ہوں گی!۔ پوری توجہ اپنے مریضوں کو دے سکو گے!"

"ہاں بھئی۔!" غضنفر نے ہاں میں ہاں ملائی "اب ختم کرو اپنی ضد۔ آخر ہم بھی تو کچھ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکیں کہ ہمارا بھائی ایک بڑا کرنل ہے!"

"ویسے بہ حیثیت ایک بزرگ کے تمہیں ابا جان کا کہنا مان ہی لینا چاہیئے!" سہیل نے لقمہ دیا۔

"ابا جان کی خوشی میری مرضی ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ یہی چاہتے ہیں!" امین نے کہا۔

بہر حال اسی ہفتہ ڈاکٹر امین نے مرزا صاحب کی مرضی بادلِ ناخواستہ ہی سہی پوری کر دی۔ اور اس کے تقرر کا اعلان اخباروں میں شایع ہو گیا!۔

بیگم حسن نے شدہ شدہ اس کی مرضی پائی تھی کہ وہ اس جگہ سے خوش نہیں تھا اُن سے کہتے بن نہیں پڑتا تھا۔ مرزا صاحب اُسے اس طرح چاہتے تھے جس طرح غضنفر اور سہیل کو چاہتے تھے۔ کیسے وہ کہتیں کہ امین اُن کے یہاں قیام کرنا نہیں چاہتا

لیکن جب امین کو بہت زیادہ مضطرب دیکھا تو ایک دن یہ معرکہ بھی سر کر ہی لیا۔

مرزا صاحب یہ سُن کر بہت حیران ہوئے کہ وہ جمشید منزل میں رہنا نہیں چاہتا

"کیوں بھابی۔!" انھوں نے بیگم حسن سے پوچھا "کوئی خاص بات ہے، کیا پھر انھیں کسی قسم کی تکلیف گھر کے کسی فرد سے پہونچی ہے ؟!"۔

"نہیں بھیا۔ یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ کی محبت کا وہ دم بھرتا ہے۔ مگر۔ اسکی عجیب فطرت ہے" بیگم حسن کیسے کہہ دیتیں کہ مشرف کا خاموش و پر متنفر سلوک اس کے لئے سوہانِ روح تھا۔ وہ چپ ہو گئیں !۔

"ہاں — کہیئے بھابی۔ کیسی فطرت ہے ؟" مرزا صاحب نے نسبتاً سخت لہجے میں پوچھا "کیا تنہائی پسند ہیں۔ یا صرف ہم ہی لوگوں سے زیادہ میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے۔ مجھے تو بڑی حیرت ہوئی یہ سُن کر"۔

"عطیہ بیگم بھی بڑی متعجب تھیں !" اے۔ بھائی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ وہ ایک زمانے کے بعد اپنوں سے مل کر خوش ہوں گے۔ آخر اب کون سی غیریت ہم میں ہے حسن بھائی مرحوم سے ایسے تعلقات تھے کہ کیا سگے بھائیوں میں ہوں گے !"

بیگم حسن کو پہلی بار امین کی ضد اور ہٹ پر غصہ آیا۔ ایسے اچھے لوگ، تن من دھن سے صدقہ قربان ہونے کو تیار، مخلص، پر محبت۔ قدم قدم پر آنکھیں بچھائیں، لڑکیاں لڑکے ہیں تو وہ اپنے بچوں سے بڑھ کر۔ آخر ایک مشرف کا کانٹا کیوں اس کے دل میں کھٹک رہا تھا !؟

اس کے علاوہ بیٹے کا دل دکھانا اور اس کی کسی بات کو اپنی مرضی پر قربان کرنا بھی انھیں گوارہ نہ تھا ! کیا کہے گا دل میں ؟ اپنے آرام و اطمینان کی خاطر امی نے اس کی خواہش ٹھکرا دی۔ بیچاری گومگو میں رہ کر خاموش ہو گئیں !۔

ویسے جمشید منزل میں دن عید تھا۔ رات شب برات۔ دن بھر طرح طرح کی

مصروفیات رہتیں ۔ رات کو دیر تک ہنسی مذاق ہوتا رہتا ۔ باری لطیفے چھیڑتا ۔ غضنفر کے گونجدار قہقہے داد دیتے ۔ سہیل اور امین شریک ہوتے ۔ ایک الگ تھلگ رہتا تو مشرف ۔ جس کی بد دماغی کے عادی سب تھے مگر امین اس کی سرد مہری کو بُری طرح محسوس کر کے مضمحل ہو جاتا تھا ۔

فریال امین کی بہترین ساتھی بن گئی تھی ۔ وہ تکلف اور بیگانگی کا احساس جو ٹرین میں تھا ! اپنائیت اور بے تکلفی میں بدل گیا تھا ! اس نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ امین سے تنہائی کی ملاقات کا موقع تلاش کرے ۔ دونوں گھنٹوں باتیں کیا کرتے ۔ کسی کو اعتراض نہیں تھا ! کیونکہ جتنی بلند اخلاق میں فریال تھی ۔ کچھ ایسا ہی گمان امین کے متعلق بھی تھا وہ اظہار محبت کی لغویت سے کہیں دُور تھا ۔ !

اور یوں شب و روز کی الٹ پھیر نے جہاں امین و فریال کے دلوں میں محبت کا چراغ روشن کیا تھا ۔ وہیں شمعی بھی اپنے دامن میں آگ لگا بیٹھی تھی ! نہ اس کی محبت بھڑکی نہ آہوں کا دھواں اٹھا ۔ وہ چپکے چپکے ، امین کی محبت میں سلگ رہی تھی ! ۔ لیکن یہ وہ آگ تھی ۔ جسے شمعی جتنا بجھا رہی تھی اتنی ہی اس کی تپش بڑھ رہی تھی ! شمعی خود سے خوفزدہ تھی ! ۔ لیکن کبھی اُس نے ایک حرف اپنی زبان سے نہیں نکالا نہ اظہار کیا کہ وہ امین کے ساتھ کوئی خاص سلوک کرتی تھی ! ۔ تقریباً گھر بھر امین کی خاطرداریوں میں لگا رہتا تھا ! شمعی بھی پیچھے نہیں تھی ! ۔ فریال کبھی سمجھ نہ سکی تھی کہ محبت میں اس کی شریک شمعی بھی ہو سکتی ہے اور شمعی اپنی جگہ خوب جانتی تھی ! ۔ امین فریال کا تھا ! ۔ اس کا نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہو سکتا تھا ! ۔ لیکن وہ خود کو بہلا بھی نہ سکی ۔ !

امین جو ابھی تک اس قسم کی لغویات سے بالکل الگ تھلگ زندگی گزارتا رہا تھا وہ اپنی قلبی احساسات سے گھبرا گیا ۔ اس کی حالت عجیب تھی ۔ اگر اُسے فریال سے محبت تھی ۔ زندگی کا پہلا تاثر ۔ تو شمعی سے ہمدردی تھی ۔ ایسی ہمدردی جسے محبت ہی کہا

جاسکتا تو بیجا نہ تھا!۔ وہ اُسے بے حد پسند تھی۔ سفید چہرے اور سیاہ پلکوں والی لڑکی، جس کی آنکھوں سے شراب چھلکتی تھی۔ جس کی ایک ایک ادا میں حُزن دریا سا بھرا ہوا تھا۔ جو بہت محتاط ہو کر مسکراتی تھی۔ جیسے زبردستی کوئی ہنسنے پر مجبور کر رہا ہو وہ جیسے غضنفر اور سہیل وغیرہ کے چھوٹے موٹے کام کرتی تھی۔ اسی طرح اُس نے امین کی خدمت بھی اپنے ہی ذمہ لے لی۔ فریال نے کبھی گھر گرہستی میں خود کو نہیں الجھایا۔ شمعی پر گھر کا سارا بوجھ تھا! عطیہ بیگم نے اسی کے ہاتھوں میں کنجیاں دے دی تھیں!۔ فریال آگے پڑھنے کا ارادہ رکھتی تھی!۔ شمعی بڑی دلچسپی سے ساری گرہستی سنبھالتی تھی۔ اور اب تو مسلسل خانہ داری سے اتنی مشاق ہو گئی تھی کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہی نہ ہوتا کب اُس نے کچن میں ہدایت دی۔ کب کمرے صاف کئے۔ نوکروں کی فوج گھر بھر میں دندناتی پھرتی۔ مگر حقیقتاً سب کچھ شمعی ہی کے سر تھا۔

اسی طرح اُس نے امین کی چھوٹی موٹی ذمہ داریاں بھی لے رکھی تھیں!۔ اس کی پسند کی ڈشیں تیار کرتی، اس کا کمرہ صاف کرتی۔ اور اُسے کبھی معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کب کسی کے سگھڑ ہاتھ اس کے کمرے کو شیشے کی طرح جھلکا گئے!۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکا کہ یہ سب کچھ شمعی کرتی تھی!۔

امین نے ماں کی مرضی نہیں دیکھی تھی کہ وہ اس گھر سے جائیں۔ اس لئے وہ دوبارہ اپنے علیحدہ گھر کا تذکرہ زبان پر بھی نہ لایا۔ بیگم حسن بھی سمجھ نہ سکیں کہ وہ بد دل ہو کر خاموش ہو گیا ہے۔ لیکن عزت نے بھانپ لیا۔

ایک رات کافی کے بعد وہ اُٹھ ہی رہا تھا کہ عزت نے اسے مخاطب کر لیا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سے امین بھیا۔ اگر ناگوار نہ ہو!"

"شوق سے کہیے۔!" امین اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا "کسی قسم کی تکلیف تو خدانخواستہ نہیں؟!" عزت کو بے ساختہ ہنسی آگئی "جی نہیں!۔ اللہ نہ کرے علاج معالجہ

کی بات نہیں ہے۔ مگر یہ کیا آپ کا تکلف ہے کہ آپ مجھے اتنے ادب سے مخاطب کرتے ہیں!"

"جی... نہیں تو کہاں؟ بالکل اسی طرح مخاطب کرتا ہوں جیسے بہن کو مخاطب کرنا چاہیے" ایک مضمحل مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی ۔

بالکل بھی نہیں ۔ غیر سمجھتے ہیں آپ مجھے ۔ اب مجھے اپنی چھوٹی بہن بنا لیا ہے تو اپنائیت کا سلوک بھی کیجیے !۔۔

بہت بہتر ۔ ہاں تو کیا کہنا چاہتی تھیں آپ ۔

"یوں نہیں ۔ اس طرح پوچھیے کہ ہاں عزت تم کیا پوچھنا چاہتی تھیں ؟ عزت مسکرائی ۔ امین ہنسنے لگا ۔" آپ کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی ۔ پوچھو ۔ کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

دیکھیے ۔ میں نے آپ کے رکھ رکھاؤ کا تجزیہ کیا ہے ۔ جب آپ یہاں آئے تھے تو بہت خوش تھے ! ۔ مگر اب اتنے اداس اور پریشان رہتے ہیں ۔ کیا بات ہے ؟ کسی قسم کی کوتاہی ہم سب سے ہوئی ہے ؟ ۔ اگر ایسا ہی ہے تو آپ کو کہہ دینا چاہیے تھا !"

"نہیں ۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ۔ میں سب کے خلوص کا بہت مداح ہوں ! بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے واقعی اپنوں میں پہونچ گیا ہوں !۔"

"ہائے اللہ ۔ پھر وہی غیریت ! ۔" عزت نے آنکھیں نکالیں "معلوم ہوتا ہے در اصل ایسا ہے نہیں !"

عزت ! ۔ میں ایسی ہنگامہ آفریں زندگی کا عادی نہیں ہوں ! ۔ اسی لئے جلد گھبرا جاتا ہوں ! "

امین نے بات بنائی ۔ مگر عزت بھانپ گئی تھی ! ۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی

"میں سب سمجھتی ہوں۔! اسی جنگلی کے غیر مہذب سلوک نے آپ کو صدمہ پہونچایا ہے مگر آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ وہی مشرف کی فطرت ہے!۔ ہم لوگوں کو تو وہ بڑی بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ شمسی کا بھی خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ سگی بہن ہے!۔۔ ہم سب عادی ہو گئے ہیں۔ آپ بھی اس طرف توجہ نہ دیجئے!۔"

ایمن نے فوراً اعتراف کر لیا کہ اس کی دلگرفتگی کی وجہ یہی تھی۔ "میں سمجھنے لگا ہوں کہ یہاں رہ کر میں مشرف صاحب کی حق تلفی کر رہا ہوں!!۔

"فضول بات" عزت نے بات کاٹ دی "آپ یہاں سے کہیں اور جانے کا خیال نہ کیجئے گا ماموں جان کی دلشکنی ہو گی اس کے علاوہ میرا بھی دل نہیں چاہتا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں"

"کیوں ؟" ایمن کی آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"عمر بھر میں پہلی بار تو مجھے ایک بھائی ملا ہے!" عزت بڑی سادگی سے بولی: آپ نہیں جانتے کہ میری زندگی کتنی محرومیوں میں بسر ہوئی ہے۔ چھوٹی ہی تھی کہ اماں ختم ہو گئیں۔ ہوش سنبھالا تھا کہ ابا اختلال دماغ کے عارضہ میں مبتلا ہو کر پاگل خانے میں انتقال کر گئے۔ بھائی بہن کوئی نہیں ہے۔ ماموں جان ہی نے شادی کر دی تھی مگر قسمت کی خوبی کہ ابھی عرفانی پیدا بھی نہیں ہوا تھا کہ جیلانی صاحب بھی مجھے بیوہ کر گئے!۔"

"خدا کی پناہ۔ کیسے دردناک حالات ہیں!" ایمن متاثر ہونے لگا!۔

ماموں جان کی محبت نہ ملی ہوتی تو میں پاگل ہو جاتی۔ ایمن بھیا!۔ اب تو اسی محبت کا سہارا مجھے زندہ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ ورنہ پھر ننھے یزدانی اور عرفانی کا کیا حشر ہو گا۔ باپ کی شفقت تو ان بدنصیبوں کو ملی ہی نہیں ہے۔ میری مامتا بھی نہ ملے تو پھر زندگی ہی کس کام کی۔۔!"

"نہیں! ۔ تم کو یوں نہیں سوچنا چاہیئے ۔ کسی کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے ۔ ہمت کرو ۔ خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھو ۔ تمھارے ننھے منے بچے جوان ہوں گے ! ۔ زندگی کی اصلی مسرتیں تو تبھی تم کو نصیب ہوں گی ۔ قنوطیت انسان کو پنپنے نہیں دیتی ۔ اور میں ۔ میں کبھی ان بچوں کو محسوس نہیں ہونے دوں گا کہ ان کے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے ۔ ایک چاہنے والا ماموں ۔ ایک مشفق باپ سے کیا کم ہوتا ہے !۔"

"امین بھیا" عزت کا دل بھر آیا ۔" میں آپ سے کچھ بھی نہیں چاہتی سوائے آپ کے خلوص کے ۔"

"ہاں بہن ۔ خلوص کا پرستار میں بھی ہوں !" امین نے کہا ۔

"تو پھر ۔ آپ مجھے چھوڑ کر جائیے گا تو نہیں !۔" عزت نے ہوشیاری سے بات سنبھال لی ۔

"حتی الامکان یہی کوشش کروں گا !۔" امین مسکرایا ۔" لیکن میں حساس ضرورت سے زائد ہوں عزت ۔ جہاں میری خودداری مجروح ہوتی ہے وہاں میں اپنی آن کی خاطر جان کی پرواہ کبھی نہیں کرتا !۔"

عزت کچھ کہنے چلی تھی کہ پردہ ہٹا اور رفریال اندر آئی !۔ دروازے ہی پر وہ تھم گئی !۔

"یا خدا ۔ دس بج رہے ہیں ۔" اُس نے بناوٹی حیرت سے پلکیں جھپکا کر کہا ۔ عزت آپا ۔ آپ کو نیند نہیں آتی ۔ کون سی باتیں ہیں کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتیں !۔"

"ہیں کچھ باتیں ۔ تمہیں کیوں بتا دیں !۔" عزت اٹھتی ہوئی بولی پھر جیسے اسے کچھ یاد آگیا ۔

"اچھا ۔ امین بھائی ۔ میں جاتی ہوں ۔ ممانی کو دوا دینا بھی بھول گئی ۔

جائیے آپ بھی سو جائیے۔

"شب بخیر!" یہ کہہ کر امین کا جواب سنے بغیر وہ طعام خانے سے نکل گئی۔

"آپ بھی نہیں سوئیں۔ محترمہ۔!" امین نے فریال سے پوچھا۔ اور دلچسپ نگاہوں سے اس کا حسین لباس دیکھنے لگا!۔ زرد جھالردار لبادہ۔ ڈھیلی ڈھالی آستینیں۔ سیاہ ڈوپٹہ جس پر سفید چمکدار فیتہ لگا ہوا تھا!۔ اپنے ان کپڑوں میں وہ بڑی دلکش نظر آ رہی تھی!۔

"میری تو نیندیں ہی اڑ گئیں!" فریال نے کہا۔

"کسی خاص وجہ کے بغیر ہی نیندیں اڑ گئیں؟!" امین نے ہنس کر کہا کہ فریال کو شبہ ہوا وہ اُسے بیوقوف بنا رہا ہے۔

"آپ کو کیا پتہ۔ کوئی وجہ نہیں ہے!" فریال نے جلبلا کر کہا۔

"تو پھر۔ مجھے بھی بتایئے۔ کوئی خاص سبب ہو تو مجھے آپ کا علاج کر کے بے پایاں مسرت ہوگی!" امین نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا کر شریر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"بہت بہت شکریہ!" فریال نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "میں نے کب کہا کہ آپ کی بیمار بن کر مجھے بے پایاں مسرت ہوگی!۔

"آپ نے زبان سے نہ کہا ہو۔ مگر زبان حال سے تو کہہ ہی دیا" امین نے کہا۔

"ویسے آپ صاف صاف کہتے ہوئے شرماتی ہوں تو اور بات ہے"

"کون سی بات!" فریال نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"یہی کہ میری بیمار بن کر آپ کو سچ مچ بے پناہ مسرت نہ ہوگی!"۔ امین بولا۔

"اچھا جی۔ اتنی خوش خیالی!" فریال جھینپ کر بولی۔

"سچ کہیئے گا۔ میں نے کتنا صحیح اندازہ لگایا ہے!" امین نے ہنس کر کہا۔

"آپ مجھے داد ___ !"

"فضول ___" فریال نے بات کاٹ دی۔

"فضول نہیں۔ سچ مچ ___ !" امین نے اس کی بات کاٹ دی "میں کچھ ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ باوجود ایک ڈاکٹر ہونے کے میں اپنا مرض آپ نہیں پہچان سکتا! ___ میرا خیال ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی اس مرض کا کوئی نام نہیں دے سکتا جسے ___ !"

"جسے حماقت کہتے ہیں!" فریال کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"حماقت نہیں۔ یہ تو زندگی کی سب سے بڑی مسرت ہے!" امین نے کہا اور اس کے چہرے پر سنجیدگی بکھر گئی۔

"خدا جانے آپ کیسی باتیں کرنے لگے۔ میں تو عزت آپا سے یہ کہنے آئی تھی کہ کل میری بہت سی سہیلیاں مہمان آ رہی ہیں! صبح سویرے ہی پہنچ جائیں گی۔ لہٰذا ناشتہ میں خاص اہتمام کیجئے گا۔ یہاں آپ مل گئے۔ اچھا بتائیے میری سہیلیوں سے ملنا آپ پسند کریں گے!"

"کیوں نہیں" امین نے بڑی متانت سے جواب دیا "جب آپ میری دوست ہیں تو پھر لازمی طور پر آپ کی سہیلیاں میری بھی سہیلیاں ہی ہوئیں!"

فریال ہنسنے لگی "مگر بہت سنبھل کے ملئے گا وہ اتنی شریر ہیں کہ ___ !"

غالباً وہی سہیلیاں ہیں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر شادی کی تفریحات میں شامل ہونے چل دی تھیں ___ نہیں۔ میں شاید اُن سے ملنا پسند نہ کروں؟"

"کیوں؟" فریال نے بھنوئیں سکیڑ لیں۔

"خواہ مخواہ یہ سوچ کر مغموم ہو جاؤں گا کہ میری فریال کو یہ لوگ کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ گئے تھے!"

میری فریال ۔ ایک چھنا کا سا فریال کے دل میں ہوا ۔ رخسار جل اٹھے یک بیک ایسی محجوب ہوئی کہ سر اٹھا ہی نہ سکی ۔

"محترمہ فریال ۔ آپ کیا سوچنے لگیں ؟" امین نے کہا اور پاس آکر چپکے سے اس کا سر اٹھایا ۔ فریال کی پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں ! ۔

"سچ مچ آپ نے مجھے اپنی فریال کہا تھا ۔ ؟" وہ دھیمے سے بولی ۔ اور اس کی قمیص میں لگے بٹنوں سے کھیلنے لگی ! ۔

"میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی ! ؟" امین نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا ۔

"میں کیا جانوں ؟" فریال اس کے نشیلے لہجے سے گھبرا گئی ۔ چپکے سے ہاتھ چھڑایا ۔ اور کمرے سے نکل بھاگی ! ۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی نامعلوم روشنی اس کے آگے آگے چل رہی ہو ۔ ایک انجانی دہک تھی ۔ جس نے اس کی ہستی کو محیط کر لیا تھا ! ۔ اس کی راہ حیات پر پھول بکھرنے لگے تھے ! ۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ اپنے کمرے میں آئی اور سوکھی سوکھی سانسیں لیتی اپنے بستر پہ گر پڑی ۔

شمی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے خوشنما لمبے لمبے بالوں کو سنوار رہی تھی ! ۔ دفعتہً فریال کی سجی سنوری شبیہہ آئینے میں نظر آئی ۔ اس نے دروازے ہی سے شمی کو منہ چڑا دیا ۔ اور خود ہی کھلکھلا کر ہنس بھی پڑی ! ۔

شمعی یوں مسکرائی جیسے چپکے سے شبنم پھول کی پنکھڑیوں پر گرے۔

"چشم بد دور" شمعی بولی "تمھاری خوشی ہیں نظر لگی جاتی ہے۔! آخر کیا بات ہے ؟!"

"پتہ نہیں شمعی !" فریال اُس کے پاس آئی اور اُس کے کندھے پر تھوڑی ٹیک کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نئی نویلی محبت کا نشہ ڈول رہا تھا۔ رخسار دہک رہے تھے!۔ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کہے کس پیرایہ میں کہے!۔

شمعی نے جلدی جلدی بال سنوارے اور فریال کو شانوں سے تھام کر صوفہ پر بٹھا دیا۔

"اب کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟۔ میں نہیں مانوں گی۔ کوئی بات ضرور ہے!"

بات تو بڑی خاص تھی۔ مگر فریال کے لبوں سے نہیں نکل رہی تھی!۔ دبے جیسے ہنسنے لگی ۔۔۔!

"میں یہ سوچ رہی تھی کہ جب میں اُن چڑیلوں کو آڑے ہاتھوں لوں گی تو کیسا مزہ آئے گا!۔"

"ہاں ۔۔۔ مزہ تو آئے گا!۔" شمعی سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ مگر اس نے اظہار نہیں کیا جویریہ نے باہر سے آواز دی۔ دونوں کمرے سے نکل گئیں!۔

اور پھر ناشتے کے بعد ہی ملازم نے اطلاع دی۔ فریال کی سہیلیاں آئی تھیں۔

"میں تو پہلے نہیں ملوں گی۔ مرداروں کو صورت دکھاتے بھی شرم نہیں آئی!۔"

فریال یہ کہہ کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی!۔ شمعی البتہ باہر دوڑی۔ ذرا ہی سی دیر میں سُریلے قہقہوں اور کھنکتی ہوئی ہنسی سے برآمدہ گونج اٹھا۔

"اللہ شمعی!۔ تم" ایک لڑکی بولی "فریال کیا ابھی تک ٹھکن اتار رہی ہے!

"میں کیا جانوں۔" شمعی خشک لہجے میں بولی۔ "تم لوگوں میں کچھ کھٹ پٹ ہوئی ہے وہ تو ہزار ہزار صلواتیں جا تم سب کو بات پیچھے سُنائی تھی۔!

"غضب خدا کا" دوسری نے کہا۔ "ایسا بھی کیا قصور کیا ہے!"

ارے بھئی۔ اندر چلو گی کہ یہیں عمر تمام کرنے کا ارادہ ہے!" تیسری آواز سنائی دی۔ "مجھ پر جو حادثہ ابھی ابھی گزرا ہے اس کا حال سن کر فریال مجھے ضرور بخش دے گی!"

شمعی انھیں لے کر فریال کے کمرے میں پہونچی۔ وہ بڑی بے نیازانہ اور لا پروا سی کھڑکی میں کھڑی باغ میں جھانک رہی تھی!۔ آہٹیں سن کر بھی انجان بنی رہی!۔

وہ سب دوڑیں اور اچانک فریال کا ہاتھ پکڑ کر یوں کھینچا کہ وہ سب کے نرغے میں ہو گئی!۔ تیوریاں چڑھی ہوئی۔ ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ چہرہ سرخ۔

"جان بخشی کر دو۔ فریال!" شمعی نے سفارش کی "سنا ہے کہ ابھی ابھی محترمہ شفاعت پر ایک حادثہ گزر گیا ہے!"

"پھر بھی زندہ کھڑی ہے!۔ لعنت تجھ پر!" فریال نے پُرتنفر لہجے میں کہا۔ "ہزار ہزار لعنت!"

لعنت کے ووٹ پھر پاس کرنا۔ پہلے تو پوچھو۔ یہ مردار زندہ ہی کیسے رہی؟" دوسری نے کہا۔

"تم سب میرے کمرے سے نکل جاؤ" فریال! دبی آواز میں چیخی۔ "آج سے میری تمھاری دوستی ختم میں نہیں جانتی تم سب کون ہو؟!"

"شمعی؟ .... اتنی زبردست الٹی میٹم؟" کسی نے احتجاج کیا۔

"صورت تو دیکھو۔ آئینے میں۔ نگوڑی پھٹکار برس رہی ہے" فریال سے نہ رہا گیا۔ "یہ بھی نہ سوچا کہ برے وقت فریال کا ساتھ نہ دیا تو اب کویا منہ لے کر اس کے پاس جائیں!۔"

"ہائے فریال۔ پھٹکار ہی کو تو دہشت ویس بدلنے آئے ہیں۔ خدا کے لیے معاف کرد و" ایک لڑکی نے معذرت آمیز مگر شوخ لہجے میں کہا۔ تمہاری جدائی میں بیقرار ہم بھی تھے مگر کیا کرتے کہ پرایا دیس۔ اور شادی کا گھر ۔۔!"

"اچھا اب معافی مانگ لو ۔۔!" شمعی نے صلح کے انداز میں کہا۔

"ارے اکیلی معافی؟ فریال کہے تو ہم مرغا تک بننے کو تیار ہیں!" دوسری آواز

"مرغی ۔۔!" ایک اور نے لقمہ دیا: "براہ کرم صنفی مغالطہ نہ فرمایئے!"

"جناب۔ مرغی کی رعایت سے انڈوں کا بھی خیال رہے!" تیسری بولی۔

"بکو۔ کیا بکنا چاہتی ہو۔؟" فریال اُن کا گھیرا توڑ کر صوفہ پر جا بیٹھی۔

"جان بخشی۔ ملکہ عالیہ!" ایک لڑکی احتراماً جھکی۔

"ہو تو اس قابل کہ الٹی لٹکا دی جاؤ۔ مگر خیر۔ ہم مراحم خسروانہ سے کام لیتے ہوئے تمہاری فضول سی جان بخشتے ہیں۔ کوئی اور فریاد ۔۔!" فریال نے سچ مچ شاہانہ انداز سے کہا۔

وہ سب اطمینان سے بیٹھ گئیں! شمعی نے چائے منگوائی!۔

"ہاں تو حادثہ کیا گزرا ۔" اُس نے یاد دلایا۔ شفاعت کچھ تو سناؤ ۔!"

"ہائے اللہ۔ ایسا ویسا؟" شفاعت نے جگر تھام کر کہا: "میں ان سب کی قیادت میں جلدی جلدی زینے طے کر رہی تھی کہ ایک صاحب انگریز نما مجھ سے ٹکرا گئے۔ آنکھیں تو خاصی بڑی بڑی تھیں۔ چشمہ بھی چڑھا رکھا تھا! مگر شاید غریب کو پھر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ مجھ سے خواہ مخواہ ٹکرائے اور بے ساختہ انگریزی بولتے ہوئے واپس پلٹ کر بھاگ گئے۔"

"اور شفاعت کا ننھا منا دل لیتے گئے!" شبنم نے قہقہہ لگایا۔

شمعی نے ہنستے ہوئے امین کا غائبانہ تعارف کرا دیا۔

"مبارک ہو۔!" رخسانہ نے فریال کی طرف جھک کر کہا۔

"کاہے کی بے تکی مبارک باد؟" فریال اب نازل ہوگئی تھی۔

"مطلب یہ کہ۔ ہر کام میں اللہ میاں نے اپنی مصلحت رکھی ہے" شبریں نے کہا "اب دیکھو کہ اگر ہم سب ساتھ ہوتے تو ایسا حسین مہ جبیں لندن پلٹ ہم سفر کا ہے کو ملتا!۔ ہارٹی کانگریچولیشنز! (دلی مبارک باد)!"

"ارے واقعی۔ تعارف کرواؤ اُن سے!" شبنم بولی۔

"حواسوں میں تو ہو؟۔ خواہ مخواہ تعارف؟" فریال بگڑی "یہ کیا کام ہے آخر۔!"

"کچھ نہیں۔ شفاعت کا دل واپس مانگتے!" رخسانہ نے سوکھا سا منھ بنا کر کہا۔ شفاعت کے جھینپنے پر وہ سب ہنس پڑیں!

"میرا دل میری جگہ ہے۔ مگر فریال کی نبض دیکھو" شفاعت بولی "اِنہی کے چہرے پر ایک رنگ آرہا ہے ایک جا رہا ہے!۔"

"جی نہیں!۔" فریال برا سا منھ بنا کر بولی۔ "میں اتنی کمزور اور بودی نہیں کہ ذرا سی ٹکر کو حادثہ کہنے لگوں۔"

"ہاں ہاں ماشاءاللہ۔ خاصی گاما پہلوان ہو" رخسانہ نے کہا "یونہی تو رات بھر اُن کے ساتھ سفر نہیں کیا۔ ہاں تو۔ ضروری آمور تو پہلے ہی طے ہوگئے ہونگے!"

"پاگل ہو تم۔" فریال ہنس دی "خواہ مخواہ ایک شریف آدمی کا تذکرہ آخر ہماری باتوں میں کیوں آئے۔ میں دیکھتی ہوں۔ ایک سرے سے سبھی کے دماغ الٹ گئے ہیں!"

"کیا کریں۔ تمہیں تم تو سے بے ہاتھ دیکھ کر غم کے مارے دماغ تک الٹ گئے ہیں۔ کلیجے نکل پڑے ہیں!۔" شفاعت بولی۔

"تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو!" رضیہ نے اُسے جھڑک دیا: "تمہارے تو حواس خمسہ ہی ہیں بھونچال سا آگیا ہے"

"دُور کرو۔ یہ کیا نگوڑی باتیں ہیں" رخسانہ نے خالص لکھنوی لہجے میں کہا۔ "جیسے اُن شریف آدمی کے تذکرے کے سوا اور کوئی بات ہی کرنے کی نہیں رہی۔! اُن سے ملاقات کرانے کا وعدہ کرو تو تذکرہ ختم کردیں!" شبنم نے کہا۔

"خواہ مخواہ۔ مان نہ مان۔ کیا کہیں گے وہ دل میں کیسی بے شرم لڑکیاں ہیں!" شمعی بولی۔

"خواہ مخواہ نہیں، ہے ایک بات" رضیہ نے کہا: "میں نے سنا ہے کہ یہ لندن پلٹ بڑے ٹلکچویل (ذہین ہو) ہوتے ہیں۔ اُن سے ملیں گے۔ اُن کا جائزہ لیں گے اور پھر اندازہ قائم کریں گے کہ وہ ہماری فریال کے قابل ہیں کہ نہیں۔؟"

"اور کیا جھوٹی کو بنائے جاؤ!" فریال تنک اٹھی۔

اچھا دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ۔ کچھ دھڑکنیں اپنے ہم سفر کے حصے کی بھی ہیں یا نہیں!" رضیہ بولی۔

ملازمہ اندر آئی۔

"بی بی چائے یہیں پہونچا دوں یا آپ بڑے کمرے میں چلیں گی!"

"یہیں دے جاؤ" شمعی نے کہا۔ وہ چلی گئی!

پھر خوب دھما چوکڑی میں چائے ختم ہوئی! شمعی خطیبہ بیگم کے کسی کام سے چلی گئی!۔ وہ یوں بھی فریال کی سہیلیوں میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھی تھی!۔

چائے کے بعد انھوں نے پھر فریال کو مجبور کیا۔ وہ سب بڑی دیدہ دلیر آزاد خیال اور ترقی پسند لڑکیاں تھیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ اور ساتھ ہی بیحد بے دھڑک فریال پھر بھی اتنی بے تکلفی کی قائل نہیں تھی۔ مگر اُن سب کے مجبور کرنے سے وہ راضی

ہو گئی !۔ اور سب کی سب الیمن سے ملنے چلی گئیں۔

وہ اپنے گوشۂ تنہائی میں بیٹھا اپنے کسی غیر ملکی دوست کے نام خط لکھ رہا تھا۔ ابھی تک جس کی یاد کی کسک اُسے بے چین کرتی رہی تھی !۔

کچھ کام کرتے وقت اُسے اپنے گرد و پیش کی بھی خبر نہیں رہ جاتی تھی۔ اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک سُن کر وہ چونک پڑا۔ دروازہ پر متعدد آوازوں کا ہلکا ہلکا گنگناتا سا شور تھا !۔ اُس نے دراز سے جھانکا !۔ اور جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا نہ وہ جھینپو تھا نہ ایسے مجمعوں سے گھبراتا تھا !۔ لیکن یہ مشرقی لڑکیاں تھیں جن کے متعلق اُس نے سُن رکھا تھا کہ بہت شریر بھی ہوتی ہیں !۔

چپکے سے بولٹ گرایا اور ایک لمبی سی ”آجائیے“ کر کے حمام میں گھس گیا !۔ دروازہ کھل گیا۔

”کہاں گئے ؟“۔ کسی نے تبسم آمیز تحیر سے پوچھا۔

”ڈاکٹر صاحب ؟“۔ فریال نے آواز دی۔ مگر حمام سے صدائے برنخواست۔

”چلے گئے شاید۔“

جاتے کدھر سے۔ ہم تو زینوں ہی سے آ رہے ہیں !۔

پھلانگ لگا گئے ہوں گے اُدھر !۔

”برآمدہ سے !۔“

ہائے ! ۔ سڑک پر گر کر کچالو نہ بن جائیں گے !۔

پلنگ کے نیچے دیکھو۔ شاید ڈر کے مارے دبک گئے ہوں !۔

رضیہ نے پلنگ کی چادر ہٹا کر جھانکا ! اور سب پھر ہنسنے لگیں !۔

”بھوت پریت تو نہیں ہیں ؟“

”شرم کرو۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتے !“ فریال نے کہا۔

"اب تو ملنا ہی پڑے گا" شفاعت جل کر بولی۔

ہاں جی۔ یہ کھری انسلٹ (بے عزتی) کون برداشت کرے گا" رخسانہ نے کہا

ارے یہ کیسے لندن پلٹ ہیں ایسے ڈرپوک!" رضیہ غصے میں الٹا بول گئی۔

بھاگ گئے سہم کر —"

"کون سا ہم انھیں نگل جاتے! —"

دروازے کے پیچھے بھی ایک نظر ڈال لو — !

"الماری میں بھی —"

"میز پر۔ اخبارات کے نیچے" چند قہقہے!۔

"ثریا ل نے دھوکا دیا —"

"اندر سے تمھارے ہمزاد نے جواب دیا تھا؟" ثریال بگڑی۔

"ہاں۔ آجائیے" کے بعد سناٹا چھا گیا تھا!۔

"میں تو جاتی ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے! —"

"ہائے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے سلیقہ مند معلوم ہوتے ہیں۔ کیسے قرینے سے سب کچھ سجا رکھا ہے —"

"ہم البم دیکھیں — ؟"

"آہا۔ یہ خط۔ مائی ڈیر رکٹس۔ آئی ایم — !"

"نہایت نامعقولیت ہے۔ غیروں کے خط پڑھنا۔ رکھ دو۔ جیسے کا دیسا!"

"اللہ۔ یہ کس کی تصویر ہے۔ جنگلی چھپکلی۔ محبوبہ ہوگی! —"

"اگر وہ سن لیں تو — !"

"وہ ہیں کہاں۔ دھواں بن کر تو اڑ گئے! —"

"شادی ہوگئی اُن کی —"

"بیوہ ہیں!" پھر سب ہنس پڑیں۔

"عجیب بیہودہ ہو!" فریال نے ڈانٹا۔

پھر چھن سے آواز آئی۔

"غضب۔ فریم توڑ دیا تم نے" فریال اچھل پڑی۔

"پھینکو باہر۔ خدا کے لئے۔ کہیں کونے کھترے میں چھپے دیکھ نہ رہے ہوں!"

"ارے وہ کہاں۔ چل دیئے لندن"

"نہیں۔ چاند پر چل دیئے۔ چاند ایسی خوبصورت بھی ہے!"

"سسرال چلے گئے!"

"وہ تو یہیں ہے!"

"بدتمیز ہو تو تم۔ منھ کھسٹ!" فریال غرائی۔

"ہائے۔ یہ رومال تو ذرا سونگھو۔ کیسی حسین مہک ہے!"

"رکھ دو۔ رکھ دو۔ اُن کی بیوی کا ہوگا"

"سچ مچ اُن کی بیوی بھی ہیں؟!"

"نہیں ہیں۔ بیوی کا نام نہ لو۔ فریال کا دل دکھ جائے گا!"

"بکو مت!"

"ارے خواہ مخواہ بک گئے جاؤ گی!۔ تلاش نہیں کرو گی انھیں؟"

"اب کہاں تلاش کریں۔ پیر دیٹ کے نیچے بھی تو دیکھ لیا" پھر قہقہے لگے۔

"ارے ارے۔ غسل خانے میں!" ایک شور برپا ہو گیا!

"سنیئے۔ آپ یہاں ہیں؟" فریال نے دروازے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"جی ہاں!" اندر سے جواب ملا اور فریال منھ دبا کر ہنسنے لگی!

"یا خدا۔ ڈر کر چھپ گئے آپ؟" رفیعہ نے ہانک لگائی۔

"پانی پینے آیا تھا" اندر سے آواز آئی۔

"اگر پی چکے ہوں تو باہر تشریف لائیے" شفاعت بولی۔ "آپ اندر ہی کیوں بند ہو گئے"

معاف کیجئے۔ میں سمجھا شاید آپ پردہ کرتی ہوں!" امین نے کہا اور ساتھ ہی دروازہ کھول کر باہر نکلا!۔

"اے آمدنت باعث آبادی ما"! رضیہ نے فریال کے پیچھے چہرہ چھپا کر کہا۔

"یہی ہیں وہ سب۔ جن کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا!" فریال جلدی سے بول پڑی۔ دراصل وہ خود بھی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ کیا سوچیں گے یہ اپنے دل میں؟۔

امین خود متحیر تھا۔ آخر خواہ مخواہ کا تعارف۔ مگر لڑکیاں بالکل محجوب نہ تھیں۔ امین کے لئے اُن کے نت نئے لباس توجہ کا باعث بن گئے تھے۔ کوئی چست لباس میں تھی۔ جیسے بدن پہ کپڑے سی لیے ہوں۔ کسی نے تنگ تر ساڑی لپیٹ رکھی تھی۔ کوئی چوڑی دار پاجامہ اور سک میں تھی!۔ اس کی نگاہیں اُن کے لئے قابل اعتراض تھیں

یہ آپ۔ گگ۔ کیا دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح؟" شفاعت ہکلائی۔

"دیکھ رہے ہیں کہ تمھاری چپٹی ناک پر عمل جراحی کس حد تک کامیاب ہو سکتا ہے"؟ رخسانہ بول پڑی۔

"غالباً سب سے پہلے آپ ہی سے بے ضابطہ قسم کا تعارف ہوا تھا!" امین نے کہا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ یہ شرف پہلے مجھ ہی کو حاصل ہوا تھا"؟ شفاعت مرعوب ہوئے بغیر بولی۔

"بھئی آپ سے مل کر ہم سب کو بے حد خوشی ہوئی!" رضیہ نے کہا: دراصل ہم

سب آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے!۔

"کس بات کا شکریہ؟" امین نے پوچھا۔ وہ سب بڑی بے تکلفی سے اِدھر اُدھر جم گئے تھے!۔

"یہی کہ ٹرین میں آپ ہماری فریال کے ہم سفر رہے تھے!" شبنم نے کہا۔

"کیا صرف گاڑی کی حد تک؟" رضیہ نے بھولے پن سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی کی دنیا میں بھی۔ شاید!" رخسانہ نے پھٹ سے جواب دیا۔

"کیا بیہودگی ہے!" امین کی مسکراہٹ نے فریال کو شرما دیا۔

"خیر۔ مجھے بھی آپ سب سے مل کر بڑی مسرت ہوئی" امین نے کہا۔

"تو پھر ہماری دعوت کب ہے؟" نوشابہ نے پوچھا۔

"دعوت؟ ....." امین نے تعجب سے پوچھا "مجھ سے لیں گی آپ۔ بھلا کس خوشی میں؟"

"عرصہ دراز کے بعد یہاں آنے اور ہماری دوست کے مہمان بننے کی خوشی میں!" رضیہ بولی۔

"بڑی خوشی سے۔ مگر۔۔!" امین کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اب کیا اگر مگر۔۔؟" شفاعت نے کہا۔

"میرا مطلب تھا۔ اسی وقت؟" امین نے پوچھا۔

"آپ جس وقت کہیے!!" رضیہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

"میں محترمہ فریال کو وقت دے دوں گا!" امین نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم چلیں فریال؟!" شفاعت اٹھ کھڑی ہوئی

"آپ حیران نظر آرہے ہیں؟!" رضیہ بولی "ہم نے خواہ مخواہ آپ کا تعارف چاہا تھا۔ دراصل ہم میں اور فریال میں کوئی تکلف اور حجاب نہیں ہے نا اسی لئے

ہم نے سوچا کہ دوست کا دوست بے حد گہرا دوست ہوا۔ سچ مچ آپ سے مل کر بے پناہ مسرت ہوئی۔

ضرور۔ ضرور۔ مجھے تو آپ سب کا خلوص متاثر کرتا ہے:" امین بولا۔

بھائی اس لیے بنا لیا کہ غریال کے جملہ حقوق محفوظ رہیں!" شبنم بول پڑی تو بھونچکا رہ گیا۔ اور وہ سب ہنستی کھکھلاتی نیچے اتر گئیں! —

امین نے پھر کمرہ بند کر لیا اور از سرِ نو خط لکھنے بیٹھ گیا۔

دوسرے ہی لمحے دروازے پر پھر دستک ہوئی!۔ اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے شمعی چائے کی پیالی لیے کھڑی تھی! —

"او ہو" امین اچھل پڑا "اس کی کیا ضرورت تھی۔ شمعی؟"

امین نے اس کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔

"آئیے۔ بیٹھئے کچھ دیر" امین نے کہا "مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں!"

شمعی اندر آکر دروازے کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر ٹک گئی! اور امین اس کے قریب ہی کھڑا ہو کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا!

"ایک بات پوچھوں محترمہ شمعی؟" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"پوچھئے — مگر —!

کہیئے۔ کہیئے —" اس نے پیالی میز کے گوشے پر رکھ دی اور شمعی کے سامنے والے صوفہ پر بیٹھ گیا! — اب شمعی اس سے شرمانے لگی تھی۔

میں یہ کہہ رہی تھی کہ۔ آپ۔ اتنے ادب سے میرا نام کیوں لیتے ہیں" وہ گھبرائی گھبرائی آواز میں بولی۔

"تو پھر کیا کہنا چاہیئے مجھے؟" امین مسکرایا۔

"میں کوئی بڑی آدمی تو نہیں ہوں۔ سیدھی سادی شمی ہوں۔ بس مجھے آپ نام ہی سے مخاطب کیجئے!" شمی نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

"بڑی مشکل ہے" امین ہنسنے لگا "دراصل میں مشرقی آداب و رسوم سے بالکل ناواقف ہوں۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہتا کہ آپ کی دل شکنی ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ہم انگریزی گفتگو کریں۔ جس میں آپ اور جناب کا گزر ہی نہیں ہے!"

"مجھے کہاں آتی ہے آپ کی سی انگریزی!۔۔۔"

لیکن۔ شمی۔ میں یہ گوارہ نہیں کرسکتا کہ میری بے تکلفی آپ کی تکلفات میں اضافہ کا باعث بن جائے!۔ شمی!۔ سب کے خلوص و محبت نے مجھے یقین دلا دیا کہ واقعی یہ سب میرے اپنے ہیں خاص کر تمہاری محبت تمہاری توجہ نے مجھے مضبوط زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ اگر میں یہاں سے جانا بھی چاہوں تو نہیں جاسکتا!۔ لیکن مجھے یہ کہنے میں معاف کرنا کہ۔ مشرف صاحب کا سلوک میرے ساتھ نہایت نامناسب ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ تم ایسی اور وہ۔ کیا وہ شروع ہی سے ایسے سخت گیر ہیں ہیں"

شمی کے چہرے پر ابر سا چھا گیا "جی ہاں۔ بچپن سے وہ الگ تھلگ اور خاموش رہے ہیں۔ امی اور ابا کے بعد عزیزوں نے بھی اُن سے بڑا خراب برتاؤ کیا تھا!۔۔۔ دولہا بھائی تو کہتے ہیں کہ یہ کوئی نفسیاتی مرض ہے۔ وہ کسی سے بھی اچھی طرح نہیں ملتے۔۔۔!"

"مجھے اس ٹریجڈی کا علم نہیں تھا!" امین بھی سنجیدہ ہوگیا "واقعی تمہاری زندگی دکھوں سے معمور ہے۔ مگر شمی دکھ سے فرار ممکن نہیں بعض غم زندگی کو نکھار دیتے ہیں۔ میں ہمیشہ دعائیں مانگتا رہوں گا کہ خدا مسٹر باری کو تمہارا

صحیح معنوں میں شریکِ زندگی ۔ !"

"یہ دعا نہیں ۔ آپ کی بد دعا ہے !" شمعی بولی اور جب تک ایمن کچھ کہتا اس نے اس کی خالی پیالی اٹھائی اور جلدی جلدی زینے اتر گئی ۔

" ایمن سکتہ زدہ سا وہیں کھڑا رہا ۔ شمعی کی بھرائی ہوئی آواز اس کے دل میں گونج رہی تھی ۔

" یہ دعا نہیں بد دعا ہے ۔"

"کیا مطلب ؟ ۔ کیا وہ نہیں چاہتی ۔ باری اس کی زندگی میں آئے ۔ مگر بیگم حسن نے تو کہا تھا کہ نسبت قریب طے تھی اور عنقریب شادی بھی ہونے والی تھی !۔

شمعی پیالی ملازم لڑکی کو دے کر پلٹی اور دفعتہ اس کی نگاہیں مشرف پر پڑیں جو برآمدے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے اسے گھور رہا تھا ! شمعی کے قدم من من بھر کے ہو گئے ۔ وہ دل ہی دل میں گڑگڑانے لگی کہ کاش اِدھر بڑوں میں سے کوئی آجائے مگر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ۔ فریال اپنے کمرے میں تھی اس کی سہیلیاں ابھی گئی نہیں تھیں ! راہ داری اور برآمدہ سب سنسان تھا ! ۔ شمعی کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا !۔

" تم کہاں سے آرہی تھیں ؟ " اچانک مشرف کی سرد آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی ! ۔ وہ چپ رہی ۔

" ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ " مشرف پھر بولا " نہ میں یہ گوارہ کر سکتا تھا نہ کبھی یہ گوارہ کروں گا کہ میری بہن ملازموں کی طرح غیروں کی خدمت کرے اور آئے اپنی بے عزتی ۔ شمعی اگر میں نے آئندہ کبھی یہ دیکھا تو مجھ سے برا اور کوئی نہ ہوگا !۔

" بھیا ۔ میں نے کیا کیا " شمعی دھیرے سے بولی ۔

"اپنی خودداری، آن اور عزت تم نے دوسروں کے حوالے کر دی۔ اپنے احساسات پر بے حیائی کا لبادہ منڈھ دیا ہے۔ تم سوچتی ہو۔ اگر تم نے یہ سب کچھ نہ کیا تو پھر کیا کرو گی۔ تم تو یتیم دیسیر ہو۔ پھر کون تمہیں پوچھے گا۔ کیسے بھیک کے ٹکڑے تمہارے پیٹ میں پڑیں گے۔ پھر تم کیسے زندہ رہو گی ۔۔۔ اور میں کہتا ہوں۔ بے غیرتی کی اس زندگی سے موت بہتر ہے!" وہ دھیمے لہجے میں گرجتا چلا گیا۔

"میں تو یہ نہیں سوچتی۔ بھیا۔ میرے سر پہ آپ سلامت رہیں۔ میں سب کیوں سوچوں!" شمی نے کہا: "آخر یہ سب میرے بھائی بہن ہی تو ہیں۔ وہ مجھے بھی کب غیر سمجھتے ہیں!"

"میں کیا بتا سکتا ہوں جبکہ تمہارا احساس ہی فنا ہو چکا ہے" مشرف نے زہریلے لہجے میں کہا: "ماں باپ کی روحیں یہ دیکھ دیکھ کر کافی مسرور ہوتی ہوں گی کہ اُن کی لاڈلی بیٹی در بدر بھیک مانگتی نہیں پھر رہی ہے ایک معزز گھرانے میں ماماگیری کر رہی ہے!"

"بھیا!" شمی سسکنے لگی۔

"اپنی حرکتوں سے تم نے میری بھی اوقات دو کوڑی کی کر کے رکھ دی ہے غیروں کی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اور مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا" مشرف نے سرد اور بیگانگی سے معمور لہجے میں پھر کہا: "بہرحال تم اس ذلیل ماحول میں مگن ہو۔ مگر یاد رکھنا۔ جس طرح مکاری سے تمہاری اپنائیت چھینی گئی ہے۔ ایک دن تمہیں بیچ بھی ڈالیں گے!"

شمی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی رہ گئی کسی کے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ اور مشرف لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ دوسرے لمحے فرحانہ ادھر نکل آئی۔ اس نے حیرت سے دیکھا کہ سنسان برآمدے میں تنہا شمی بیخود دبی ہمبر

سی کھڑی ہے!۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

"شمعی!۔" اُس نے دھیرے سے پکارا۔

مگر شمعی اچانک وہاں سے بھاگ آئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آنسو بھری آنکھیں فرحانہ دیکھ لے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" پھر عزت بھی اُدھر آگئی!۔

"شمعی کیا کر رہی تھی یہاں۔ عزت آپا۔" فرحانہ نے پوچھا۔

"یہاں؟... نہیں تو۔ میں نے تھوڑی دیر قبل چائے دے کر امین بھائی کے پاس بھیجا تھا!۔" عزت نے کہا۔

"مبہوت سی بنی کھڑی تھی یہاں۔!" فرحانہ نے پھر کہا۔ پھر وہ چل دی اور عزت عطیہ بیگم کو سوپ دے کر شمعی کی طرف چلی گئی!۔

حقیقت میں شمعی کو بہت تکلیف پہونچی تھی!۔ وہ کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹیکے کھڑی آنسو بہا رہی تھی!۔ عزت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ چونک کر مڑی۔

"کیا بات ہے! شمعی؟" عزت نے پوچھا۔ "میں کئی دنوں سے تمہیں گم صم دیکھ رہی ہوں۔ مجھ سے بھی نہیں بتاؤ گی۔" اُس نے اس کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا۔

"کچھ نہیں۔ عزت آپا۔!" وہ آنسو پونچھ کر زبردستی مسکرائی۔ "میں بہت قنوطی ہوں نا۔ زیادہ خوشیاں بھی مجھے رلا دیتی ہیں!۔"

"یہ فلسفہ کسی اور کے سامنے بگھارنا۔" عزت نے کہا۔ "سچ بتاؤ!۔ مشرف نے تو تمہیں کچھ نہیں کہا ہے؟"

اور پھر شمعی کو وہ دل شکن باتیں یاد آئیں۔ آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔ عزت

اس کی بدخواہ نہیں تھی۔ اُس نے سب کچھ عزت سے کہہ دیا۔

"عزت آپا۔ کیا سچ مچ میرے حقیقی بھائی ہیں!" شمعی روتی روتی بولی۔

"دیکھنا میں اُن کی کیا گت بناتی ہوں۔!" عزت نے کہا۔ پھر شمعی روتی ہی رہ گئی مگر وہ کمرے سے نکل گئی۔ امین اسپتال جا چکا تھا! مرزا صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے تھے۔ عطیہ بیگم اب بالکل ٹھیک تھیں۔ وہ اور بیگم حسن بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ عزت آگ بگولہ بنی کمرے میں آئی!— اور کچھ سوچے سمجھے بغیر مشرف کی گفتگو دہرا دی۔

بیگم حسن اور عطیہ بیگم اپنی کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ یہ سنتے ہی یوں خاموش ہوئیں جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ بیگم حسن کو صدمہ پہونچا مظلوم لڑکی نے امین کی وجہ سے سخت سست سنی تھی۔

عطیہ بیگم شرمندہ تھیں۔ بھلا بیگم حسن کیا سوچیں گی!—

"آپ اُن سے کہہ دیجئے۔ ممانی جان۔ اپنا ٹھکانہ کہیں اور بنائیں!۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ ایک دو دن کی مصیبت ہو تو کوئی سہہ لے۔!" عزت نے کہا!۔ اور غصے میں بھری ہوئی کمرے سے نکل گئی!—

"امین کا خیال ٹھیک تھا!" بیگم حسن نے کہا "جب گھر کا ایک آدمی ہمارا رہنا پسند نہیں کرتا تو پھر—!"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھابی" عطیہ بیگم نے بات کاٹ دی۔ "بھلا کیا مشرف کیا اس کی حقیقت۔ امین سے کہنا بھی نہیں۔ خواہ مخواہ اچھے دل بُرے ہوں گے میں شمعی کو بھی سمجھا دوں۔ بات کا تبنگڑ نہ بنائے۔!" یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے چلی گئیں!

شمعی کچھ کر پچھتائی!— عطیہ بیگم نے اُسے بہت سمجھایا۔ مشرف کے خلاف اُن کے دل میں بھی زہر بھرا تھا!۔ اُسے بلا بھیجا مگر وہ جان بوجھ کر نہیں آیا۔ ملازم کو ڈانٹ کر

بھگا دیا اور کمرہ بند کر کے گھر سے نکل گیا!

شمعی فریال کے پاس چلی گئی! ۔ یہاں طوفانِ بے تمیزی برپا تھا! ۔ رضیہ ڈائلمن بجا رہی تھی ۔ شفاعت، نبا کو ٹیگ اسٹیپ سیکھ آئی تھی ۔ وہ تھرک رہی تھی اور دوسری ہنس رہی تھیں ۔

"آؤ ۔ آؤ ۔ شمعی! تمہیں سکھاؤں!" شفاعت نے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور چونک پڑی

"ہائیں ۔ یہ کیا ۔ تم رو رہی تھیں ۔"

قہقہوں میں بریک لگ گئے! ۔

"نہیں تو ۔" شمعی ہنسنے لگی! "دراصل تمہاری وجہ سے پورا ایک گھنٹہ کچن میں برباد کیا ہے۔"

"میری قسم ہ؟!" فریال نے اپنے ہاتھوں کے ہالے میں اُس کا چہرہ تھام لیا۔

"بھئی دھواں لگ رہا تھا تو رونا آ ہی گیا تھا ۔ تمہاری قسم کیسے کھالوں ۔؟!" شمعی نے کہا ۔

"میں سمجھی! ۔ باری بھائی اپنے والد صاحب سے ملنے گئے ہیں نا! ۔ اس لیے!" رضیہ ہنس کر بولی ۔

باری صاحب ؟ ۔ شمعی کا چہرہ سفید ہو گیا ۔ اُس کا رنگ یوں اڑا کہ کوئی یہ تبدیلی بھانپے بغیر نہ رہ سکا! ۔

"ارے تو چلی جاتیں تم بھی ساتھ ہیں ۔ بڑے شوق سے لے جاتے!" رخسانہ نے کہا "نہ جانے بیچارے خود بھی کیسے کانٹوں پر لوٹتے ہوں گے! ۔"

"انگاروں پر لوٹنا محاورہ ہے!" نوشابہ نے تصحیح کی "کوئی خدانخواستہ شمعی نے کسی سے کو انگاروں پر لوٹیں گے!"

"بڑا ہی حسین اور شریف نظر آتا ہے"! شبنم نے کہا۔

"بڑی بد نظر ہو" فریال نے للکارا "مردوں سے عورتیں پردہ کرتی ہیں کہ کبھی ندیدے پن سے گھورتے ہیں۔ تم ایسی چڑیلوں کو کیا کہا جائے جو بیچارے مردوں کو بری نظر سے دیکھتی ہیں!"

"یوں بھی۔ اس قسم کی روایتیں دل ہی دل میں رکھنی چاہئیں!" رضیہ بولی "کسی کو نہ معلوم ہو کہ تمھاری نیت ڈانواڈول ہے۔ چھی توبہ۔ بڑی بے شرم ہو!"

"کہہ دینا۔ باری بھیا سے۔ کلیجہ گز دوں بڑھ جائے گا!" شبنم نے شمی سے کہا "نہ مجھے اُن کا ڈر ہے۔ نہ تمھارا۔ سمجھیں"

"اچھا اب ختم کرو" شمی بور ہو گئی "تم گاؤ شفاعت۔ کیا گا رہی تھیں؟!"

"ارے بس۔ شفاعت ہی کا ترنم نہ سننا معلوم ہوتا ہے کہ بیمار بھینس آہیں بھر رہی ہو"

"اب تو میں ضرور گاؤں گی" شفاعت بولی اور گانے کے بجائے حلق پھاڑنے لگی۔ دیر تک ان میں ایسی ہی بے تکی باتیں ہوتی رہیں!

رات کا کھانا کھا کر وہ سب رخصت ہوئیں!۔ فریال تو جلدی سو گئی مگر شمی ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ سوچتے اور روتے ہوئے صبح کر دی۔!!

کرنل جبار، امین کے افسر رہ چکے تھے!۔ ابھی اُن کی سروس کی تھوڑی سی مدت باقی تھی۔ لیکن امین کو ایک ماہر معالج پا کر جلد ہی اپنے عہدے سے مستعفی

ہو گئے !۔ وہ امین کو بہت پسند کرتے تھے۔ کچھ اس کی ذاتی شرافت اور وجاہت اور کچھ اس کی طبی صلاحیتوں کی بنا پر۔ عمر میں وہ امین سے بہت بڑے تھے لیکن ہمیشہ دوستوں کا سا سلوک کرتے !۔ مستعفی ہونے کے بعد بھی انھوں نے دوستانہ ماحول قائم رکھا تھا۔ کبھی خود اس سے ملنے آجاتے اور کبھی کار بھیج کر اسے بلوا لیتے !۔ امین اُن کی محبت اور خلوص کا دم بھرتا تھا !۔ انھوں نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ بہت جلد اس کے لیے علیحدہ شفا خانہ کھول دیں گے !۔ گو کہ اب سرکاری اسپتال ہی میں امین اپنی من مانی کرتا تھا !۔ غریبوں کا مفت علاج کرتا بیشمار آپریشن کسی قسم کی بھی فیس لئے بغیر کر دیتے تھے !۔ اُسے سرجری لائن بہت پسند تھی اور روز بروز اس کی مہارت ترقی پر تھی !۔

کئی ایک کامیاب علاج کے بعد اس کی شہرت چمک اٹھی۔ کرنل جبار یوں خوش ہوئے جیسے وہ اُن کا اپنا بیٹا ہو۔ اُسے مفید مشورے دیتے۔ اُس کے مشورے غور سے سنتے !۔ اور ہر طرح سے اُسے سراہتے تھے !۔ امین نے انھیں اپنا ہم خیال پایا تھا !۔ اور اسپتال میں دوسرے ڈاکٹر برائے نام ہی ڈاکٹر تھے۔ اس کا دل زیادہ تر کرنل صاحب کے یہاں بہلنے لگا تھا !۔ کبھی کبھار اسپتال سے واپسی پر اُن کے گھر چلا جاتا !۔

کرنل جبار خوش مزاج انسان تھے !۔ بڑی بے تکلفی سے قہقہے لگانے بذلہ سنج تھے۔ شاعرانہ مزاج بھی رکھتے تھے ؟۔ گو کہ ڈاکٹری اور شاعری میں دور کا بھی علاقہ نہیں ہے لیکن وہ بہت اچھے سخندان تھے۔ اچھے شعر سناتے اور عمدہ اشعار سُن کر پھڑک اٹھتے !۔ بہر حال ریٹائرمنٹ کی زندگی بہت دل خوش کن اور خوشگوار گذر رہی تھی !۔

لیکن اکثر امین نے محسوس کیا تھا کہ وہ ہنستے ہنستے یکبارگی یوں خاموش ہو جاتے

جیسے دل میں کسی نے چٹکی بھر لی۔ کبھی باتیں کرتے کرتے کھو جاتے اور موضوع سے بہک نکلتے۔ یہ تو اُن کی قدیم عادت تھی۔ کبھی ایک بات شروع کر کے اُسے ختم نہ کرتے نہ جانے کن کن موضوعات کو بیچ میں لے آتے کہ اصل موضوع یاد ہی نہ رہتا۔ اور اب تو کثرت سے بات بھولنے لگے تھے!۔ حافظہ نے ساتھ چھوڑا اور یکبارگی خاموش ہو جانے کی عادت زور پکڑ گئی!۔

امین اُن کی نجی زندگی سے بالکل واقف نہ تھا!۔ نہ تو انھوں نے واقف کرایا نہ امین نے خیال کیا۔ اُس کی ضرورت ہی کیا تھی!۔

ان دنوں وہ بہت کھوئے کھوئے رہنے لگے تھے!۔ امین دو ایک بار اُن کی کوٹھی پر بھی گیا تھا۔ مگر وہ نہیں مل سکے!۔ بات خلاف اصول تھی۔ امین سے ایک دن استفسار پر ڈاکٹر لال نے کہا۔

"ہاں۔ وہ بیچارے۔ !عجیب بات ہے!۔"

"کہیئے کیا بات ہے؟" امین نے پھر پوچھا۔

"بھئی۔ اپنی بیٹی کے مرض سے پریشان رہتے ہیں۔" ڈاکٹر لال نے جواب دیا "یہ بھی ایک عبرت کی بات ہے کہ جس نے ہزاروں کو صحت دی۔ اپنی لڑکی کا علاج نہ کر سکا!۔"

"مگر مجھ سے تو آج تک کرنل صاحب نے تذکرہ نہیں کیا!۔" امین کو بڑی حیرت ہوئی۔

"کیا تذکرہ کرتے۔ تھک گئے ہیں!۔" ڈاکٹر لال بولے: "وہ خود بھی جانتے ہوں گے کہ جب مرض لاعلاج ہو چکا تو تذکرے سے کیا فائدہ!۔"

"کیا مرض ہے اسے" امین نے دریافت کیا: "لڑکی کی عمر کیا ہے؟"

"عمر!۔" ڈاکٹر لال نے لاپرواہی سے کہا: "لگ بھگ پچیس برس تو ضرور

ہو گی!۔ پہلے صحت مند تھی۔ اچانک پسلیوں کے درد نے اسے بیمار کر دیا۔ پھر نقل و حرکت سے معذور ہو گئی۔ ایکسرے سے پتہ چلا کہ خون کا بہت بڑا کینسر آنتوں کے درمیان بن گیا ہے۔ جس کا آپریشن ناممکن بھی ہے اور جان لیوا بھی۔ ہزاروں علاج تو خود کرنل صاحب ہی نے کئے مگر بے سود۔"

"کیا میں نہیں دیکھ سکتا۔؟۔ کرنل صاحب کی صاحبزادی کو۔؟" امین نے کہا

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ اُن سے تذکرہ کرنا" ڈاکٹر لال بولے "مگر خبردار۔ آپریشن کا رسک نہ لینا۔ وہ خود جانتے ہیں کہ آپریشن خطرناک ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ الٹی آنتیں گلے پڑیں!۔"

"لیکن اگر میں کچھ کر سکتا ہوں تو ضرور کروں گا مسٹر لال۔!" امین نے کہا۔ "آپ میری درخواست کرنل صاحب تک پہونچا دیجئے گا۔ ایک نظر میں اُن کی صاحبزادی کو دیکھنا چاہتا ہوں"

"بہت بہتر۔ شام ہی کو جاؤں گا تو کہہ دوں گا!۔"

پھر ڈاکٹر لال تو چلے گئے مگر امین دیر تک اپنے اسپتال کے ریسٹ روم میں بیٹھا کچھ سوچتا رہا!۔

دن کے دو تین بجے کا وقت تھا!۔ آس پاس سناٹا طاری تھا!۔ ڈاکٹر لنچ کر کے اپنی ڈیوٹیوں پر واپس جا چکے تھے!۔ اُس نے ایک چکر سارے وارڈ کا لگایا اور پھر اپنے چھوٹے سے کمرے میں آ بیٹھا۔ ملازم سے کافی اور اخبار منگوایا۔ اور ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گیا!۔

ابھی حال ہی میں اُس نے سب سے پوشیدہ رکھ کر ایک کوٹھی خریدی تھی!۔ بیگم حسن کو بھی اس کا علم نہیں تھا!۔ اب وہ اپنی نئی کوٹھی رنگ و روغن کو اپنی پسند کے مطابق ٹھیک کرا رہا تھا!۔ اور یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ

جب بیگم حسن کو پتہ چلے گا تو وہ خوش ہوں گی یا ناخوش!۔ اور دوسرے لوگ کیا سوچیں گے! اُسے زیادہ دیر تک جمشید منزل میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا تھا!۔ مگر اُس نے اپنی بد دلی کا اظہار بھی نہیں کیا۔ کسی انہونی سی بات کا منتظر تھا!۔ لیکن نہ تو انہونی ہوئی نہ وہ خود جا سکا!۔ دن گزرتے رہے!۔

جب وہ اٹھ رہا تھا!۔ ڈاکٹر لال کے اسسٹنٹ ڈاکٹر شہیر نے اطلاع دی۔!۔ کرنل جبار اُس کے منتظر تھے!۔

سہیل کو اُس نے فون پر اطلاع دی کہ وہ گھر دیر سے پہونچے گا!۔ اور خود کرنل جبار کی کوٹھی کا رُخ کیا!۔

حسبِ معمول وہاں سناٹا طاری تھا!۔ گاڑی پورچ میں لیتا چلا گیا! کرنل صاحب کا سکریٹری اس کا منتظر ہی تھا اُس نے کرنل جبار کے ریڈنگ روم تک اُس کی رہنمائی کی!۔

کرنل صاحب اپنی بھاری بھرکم کرسی میں سمائے سگار پی رہے تھے!۔ امین کے سلام کے جواب میں مسکرا کر سر خم کیا!۔ اور خاموشی سے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا!۔

"شکریہ!۔" امین بڑبڑایا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کرنل صاحب ہی نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات تھی!۔ کچھ کہلوایا تھا تم نے لال سے۔ چائے تو غالباً نہ پی ہو گی۔ در اصل تمہارے انتظار میں میں نے بھی نہیں پی۔ گھر سے آ رہے ہو کہ اسپتال سے؟"

ایک سانس میں انھوں نے دو تین سوالات کر دیئے تھے امین بڑے ادب سے مسکرایا "جی۔ گھر سے" وہ اپنا اشتیاق اُن پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا! معاملہ لڑکی

کا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ گھنٹی بجا کر انھوں نے ملازم کو بلایا اور چائے کا آرڈر دے کر پھر اُس سے مخاطب ہوئے۔

"معلوم ہوا تھا کہ تم دو ایک بار آئے تھے۔ مگر مجھے کچھ ایسی پریشانی در پیش تھی کہ تم سے مل نہ سکا! موسم بھی نہایت واہیات جا رہا ہے! اتنی سخت گرمی برسات کے موسم میں کبھی نہ پڑی ہو گی۔ تم گرما کا موسم کسی ہل اسٹیشن پر نہیں گزارتے۔ دراصل مغربی ہواؤں کے عادی ہو! پتہ نہیں کیسے برداشت کرتے ہو یہ گرمی ۔۔؟۔ لو چائے بھی آگئی!"

امین بالکل خاموش بیٹھا رہا!

"اب بیگم جمشید کا کیا حال ہے؟ ۔۔"

"الحمدللہ۔ بالکل ٹھیک ہیں! ۔۔" امین نے بڑے مولویانہ لہجے میں کہا کرنل صاحب نے چائے بنائی۔ اور امین کو دیتے ہوئے کہا "ہاں تو تم نے کہا نہیں کس لیے تم خاص کر مجھ سے ملنا چاہتے تھے! ۔۔"

"کرنل صاحب!" امین نے قدرے ہچکچا کر کہا "دراصل آپ کی صاحبزادی کی علالت کا تذکرہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے سنا تھا! ۔۔ میں چاہتا تھا کہ ۔۔!"

"اوہو۔ بہت خوب ۔۔۔" کرنل صاحب کی دھندلی نگاہیں چمکنے لگیں "بس یہی تو بات ہے کہ بعض وقت مجھے یقین ہونے لگتا ہے جیسے کہ تم میرے بیٹے ہو۔" یہ کہتے ہوئے اُن کے چہرے پر حزن سا طاری ہونے لگا۔ آنکھوں کی چمک پھر ماند پڑ گئی۔ اور وہ کہیں کھو گئے۔

"لیکن ۔۔۔" تھوڑی دیر بعد انھوں نے کہا۔ "لیکن۔ بچے! بڑے بڑے نامور اور ماہر معالجین نے اُسے دیکھا ہے۔ وہ بھی کچھ نہ کر سکے! بہت بڑا اثر اس کی آنتوں پر ہے جس کی جڑوں نے آنتوں کو بھی جکڑ لیا ہے۔ بیچاری شائستہ

نہ اُٹھ کر بیٹھ سکتی ہے۔ نہ اپنے سہارے کروٹ بدل سکتی ہے۔ نہ چل پھر سکتی ہے۔
کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔ پہلے پہل تو وہ بہت مضطرب اور بے قرار ہوتی تھی۔ مگر پھر
۔۔۔ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہ زندگی ہی سے بیزار و متنفر ہو گئی ہے۔"

امین نے اپنی خالی کپ میز پر رکھ دی اور مستفسرانہ انداز سے اُن کا چہرہ
دیکھنے لگا۔ "تم خود سوچو بائیس چوبیس سال کی عمر ہی کیا۔" کرنل صاحب نے
بھی چائے ختم کر دی اور رومال سے لب پاک کرتے ہوئے کہا۔ "ہیں جب
اُن عمروں میں تھا تب۔۔!"

آپ وہ واقعہ سنا رہے تھے۔ کرنل صاحب۔ جس نے مس جبار کو زندگی
سے بیزار کر دیا۔" امین نے یاد دلایا۔

"ہاں۔ وہ" کرنل صاحب بولے۔ "اسکی ماں کا انتقال تو عرصہ ہوا ہو چکا ہے دوسری شادی
میں نے صرف شام ہی کی خاطر نہیں کی۔ وہ بے حد حساس اور جذباتی ہے۔ تین سال قبل
میں نے اس کی منگنی یاسر سے کر دی تھی۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا! شام بھی اس
سے خوش تھی! دونوں کو میں نے مکمل آزادی دے رکھی تھی انھیں اکٹھا
دیکھ کر میں بھی بہت زیادہ مسرت محسوس کرتا تھا! میرا ارادہ تھا کہ جلد ہی شادی بھی کر دوں گا۔ لیکن
من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال۔ یاسر انجینیر تھا! ایک پراجکٹ کے سلسلے میں باہر گیا اور پھر۔ وہ خود
واپس نہیں آیا۔ اسے واپس لایا گیا۔ خون اور گوشت کے لوتھڑوں کی شکل میں۔ اُف خیال
کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں!"

"لیکن حادثہ کیا ہوا تھا؟" امین نے پوچھا۔

سنا ہے کہ کوئی چٹان بارود سے اڑائی جا رہی تھی!۔ اس کے ساتھیوں کو علم
نہیں تھا کہ وہ چٹان سے تھوڑی ہی دور پر تھا! فلیتہ میں آگ لگا دی گئی چٹان
ہولناک آواز کے ساتھ پھٹی۔ پہاڑی کے پرخچے اڑ گئے اور دوسری طرف کھڑے

ہوئے یا سر کے کبھی۔ نہ جانے کس نے اسے دیکھا اور کب دیکھا۔ بہر حال ہمارے یہاں تو وہ گوشت اور خون کے ڈھیر ہی کی صورت میں واپس آیا تھا۔!

"بہت دلدوز اور جانسوز حادثہ ہے!" امین نے کہا۔ "اس کا اثر تو تحریر پر ہونا ہی تھا لیکن کرنل صاحب۔ لوگ مرنے والوں کے ساتھ مر تو نہیں جاتے"

"لڑکیاں ہم سے مختلف انداز میں سوچتی ہیں!" کرنل صاحب نے کہا۔ پھر اٹھ گئے۔ "بہر حال آؤ۔ دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ ہی لو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ وہ ٹھیک نہیں ہو سکتی تو پھر تم:" وہ پرامید لہجے میں بولے "گیا جیسے اس کا مزاج وغیرہ کے لیے تمہارا ہی انتظار کر رہا ہو!"

آگے پیچھے متعدد کمروں اور راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک بہت بڑے ہال میں پہنچے جس کے سرے پر پالش لئے ہوئے دروازے سے شیشے کی نلکیاں جھوم رہی تھیں۔ ہال کے وسط میں چھت پر بہت بڑا جھاڑ آویزاں تھا!۔ برآمدہ سے ہوا آتی اور فانوس کی ننھی ننھی کانچ کی نلکیوں سے ٹکرا کر ایک لطیف نغمگی پیدا کر دیتیں!۔

کرنل صاحب کا بنگلہ بڑا شاندار تھا۔ جہاں جہاں سے امین گزرا تھا بیش قیمت آرائش کا سامان سجا ہوا دیکھا تھا! لیکن تمام چیزوں پر عجیب ساحزن طاری تھا! سارے گھر پر ویرانی اور یاس کا سایہ محیط تھا!۔

دروازے پر پہنچ کر کرنل صاحب نے جھکے سے دستک دی!۔ اور آنے کی اجازت چاہی اور کچھ کھسیائے ہوئے نظر آنے لگے۔

"وہ بہت موڈی ہو گئی ہے!" وہ امین کی طرف دیکھ کر بے بسی سے ہنسے۔

"ان حالات میں موڈی ہونا ناگزیر ہے!" امین نے کہا۔

"ڈیڈی۔ پلیز۔ آئیے۔!" اندر سے ایک سریلی مگر کمزور آواز آئی! ساتھ

ہی سفید اسکارف سر پر لگائے ہوئے ایک نرس نے دروازہ کھول دیا!۔

"بے بی کیسی ہے؟" کرنل صاحب نے چپکے سے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔ جناب!" نرس نے بھی آہستہ ہی جواب دیا اور ایک طرف ہٹ گئی!۔

امین کے سامنے ایک بڑا سجا سنورا روشن اور ہوادار کمرہ تھا!۔ ایک خوبصورت کھڑکی وسیع و سر سبز باغ میں کھلتی تھی!۔ راہداری کے نازک ستونوں پر مونگے کی خوشنما بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ جن میں اُودے اُودے پھول بہ کثرت کھلے ہوئے تھے!۔ ایک بڑی سی شفاف مسہری پر کرنل صاحب کی لڑکی لیٹی ہوئی تھی!۔ غالباً اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ اُس کے باپ کے ساتھ کوئی ڈاکٹر دیکھنے آئے۔ جیسے ہی کرنل صاحب نے اندر قدم رکھے اُس نے بڑی بیزاری سے آنکھیں بند کر لیں۔ نرس پردہ برابر کر کے چلی گئی۔

کرنل صاحب نے بے حد محبت سے اپنی بیٹی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور اس پر جھک کر نرم آواز میں بولے۔

"مشام!۔ بیٹی آنکھیں کھولو۔ آج ڈاکٹر آفندی تمہیں دیکھنے آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خدا نے انھیں تمھارے لئے بھیجا ہو!"

"نہیں۔ ڈیڈی۔ اب مجھے مر جانے دیجئے!" مشام نے آنکھیں کھولدیں اس کی نظریں امین پر پڑیں اور حیرت و انبساط کا ملا جلا تاثر اسکی آنکھوں سے جھلکنے لگا!۔ کرنل صاحب نے اوپری دل سے مسکراتے ہوئے تعارف کرایا۔ مشام آپ ہیں۔ ڈاکٹر امین آفندی۔ حال ہی میں سرجری کی ڈگری لیکر لندن سے آئے ہیں!۔ بیری جگہ کام کرتے ہیں!۔ انھوں نے آج تمہیں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی!۔ اگر ان کی رائے آپریشن کی ہوئی تو بیٹی تم تیار ہو جاؤ گی اس رسک پر؟—

مشام کیا جواب دیتی۔ وہ تو ایمن کی دید میں خود کو فراموش کر بیٹھی تھی! ایمن نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جسے تھامنے کی بجائے مشام نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا! اور ایک میٹھی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی!۔ لیکن آنکھوں سے بدستور سوگواری کا ہی اظہار ہوتا رہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ اس تکلیف دہ مرض سے آپ کو نجات دلوا سکوں!" ایمن نے کہا۔

"مرض سے نجات۔ زندگی میں تو ممکن نہیں۔ ڈاکٹر کوشش کیجئے کہ اس منحوس زندگی ہی سے مجھے چھٹکارا مل جائے" مشام بولی۔ اس کی آواز بھی درد و کرب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"ایسے کئی آپریشن میں نے لندن میں کئے ہیں۔ آپ کو نا امید ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ویسے کون سا مرض اذیت ناک نہیں ہوتا!" ایمن نے کہا ملازم چائے لے آیا۔

"تھینکس! کرنل!۔ اب اس کی مطلق خواہش نہیں!" ایمن نے کہا۔

"میرے کہنے سے بھی نہ پیجئے!" مشام نے التجائیہ انداز میں کہا۔ اور ایمن نے ہنس کر پیالی اٹھالی۔

وہ چاہتا تھا کہ خود مشام کا معائنہ کرے۔ در اصل اسے بڑا قلق ہو رہا تھا! ۔ ایمن نے ہزاروں مریض ہر طرح کے امراض میں دیکھے ہیں۔ لیکن اس نوجوان معذور لڑکی کے چہرے پر کچھ ایسا کرب اور نامرادی اسے نظر آئی تھی کہ وہ جلد سے جلد اسے اس بیماری سے نجات دلانا چاہتا تھا!۔ مشام درجنوں بار کے معائنے بیسیوں مرتبہ کے علاج معالجہ سے اس قدر دل برداشتہ ہو چکی تھی کہ اب اس میں کوئی امنگ کوئی دلچسپی اپنی زندگی سے باقی نہ رہ گئی تھی!۔ کرنل اور ایمن چائے پیتے

رہے۔ نرس نے فیڈنگ کپ مشام کے لبوں سے لگا دیا اور کمرے میں چند لمحوں کے لئے خاموشی چھاگئی!۔

پھر امین ہی نے کرنل سے پوچھا۔

"اگر آپ کے یہاں معائنہ کے آلات اور ایکسرے مشین ہو تو مجھے دیکھ بھال کی اجازت دیجئے یا پھر ایمبولنس کا آرڈر دوں!۔ میں چاہتا ہوں کہ بہت جلد محترمہ کا علاج شروع کر دیا جائے۔ بہت زیادہ تکلیف اٹھا چکی ہیں!"

مگر میں تو چل پھر نہیں سکتی!۔ ڈاکٹر۔ میں اسپتال کیسے چل سکوں گی؟" مشام نے پوچھا۔ ویسے اس کے چہرے پر امید و آس کی ایک ہلکی سی روشنی پھیل گئی تھی!۔

میرا خیال ہے کہ یہ کام کل پر اٹھا رکھو" کرنل صاحب نے کہا" اب رات ہو چکی ہے معائنہ تفصیل طلب اور علاج نازک ہے۔ خدانخواستہ نقل و حرکت سے اس کی تکلیف بڑھ نہ جائے!"

"خیر۔ کل ہی سہی" امین۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا" میں خود ایمبولنس لے کر آجاؤں گا" پھر وہ مشام کی طرف مڑا اور بڑی دلاویز مسکراہٹ سے بولا" آپ قطعی فکر نہ کیجئے کہ آپ کیسے اسپتال چلیں گی۔ بے حد احتیاط سے لے چلوں گا اسٹریچر پر آپ نہ جا سکیں تو میں آپ کو اپنے ہاتھوں پر لے جاؤں گا۔!"

"میں بہت گھبرا گئی ہوں ڈاکٹر!" مشام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دوسرے لمحے بڑے بڑے آنسو رخساروں پر سے لڑھک کر تکئے میں کھو گئے!۔

کرنل صاحب اسے سمجھانے لگے اور امین دور کھڑا یہ دردناک منظر دیکھنے لگا!۔۔۔۔ یکبارگی وہ خالی الذہن ہو گیا۔ کیسا بے پناہ حسن تھا اس کا۔ جیسے صبح کا نور اس کے چہرے پر بکھر گیا ہو۔ جیسے ظلمات کی سیاہی اس کے خوب صورت بالوں میں جذب ہو گئی۔۔۔۔ جیسے ابر نیساں کے قطرے موتی بن کر آنکھوں کے صدف میں سما گئے

ہوں۔ جیسے یاقوت کی سرخی اس کے لبوں پر رچ بس گئی ہو۔ وہ مسلسل مشام کو دیکھے جا رہا تھا۔ جس کا اداس حسن آنسوؤں میں گھل مل کر کچھ اور قیامت آفریں ہو گیا تھا!۔ اس نے چاہا کہ وہ بھی مشام کو سمجھائے اس کا دکھ بٹائے۔ مگر وہ چپ چاپ دیوار کے سہارے کھڑا

پھر جب کرنل صاحب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا۔

"میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ آفندی آج تو تم نے مجھے بڑی ڈھارس دی" کرنل کہہ رہے تھے!" میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری توجہ اور دلچسپی سے میری بچی اچھی ہو گئی تو میں اپنی تین چوتھائی دولت تمہیں بخش دوں گا۔ اور یہ کوٹھی جس میں میں رہتا ہوں وہ بھی ——!"

"شکریہ۔ کرنل!" امین نے ان کی بات کاٹ دی "میں آپ سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا آپ مجھے اپنا بیٹا کہہ چکے ہیں۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو کیا یہی کامیابی اور مسرت میرا معاوضہ اور آپ کا انعام نہیں ثابت ہو گی!!"

"سچ سچ۔ تم خدا کی رحمت اور خدا کا سایہ ہو۔ آفندی۔!" کرنل صاحب نے کہا۔

"محترمہ مشام!۔" امین نے اس سے کہا "صرف بارہ گھنٹے آپ کی تکلیف کے اور رہ گئے ہیں!۔ انتظار کیجئے۔ کل کی صبح آپ کی صحت و تندرستی کا مژدہ لے کر آئے گی!۔ تیار رہیئے گا۔ میں دس بجے کے قریب آؤں گا! —— کیوں کرنل صاحب؟ ——"

"ضرور۔ ضرور ——! ہم دونوں ہی تیار رہیں گے" کرنل نے کہا "مگر مشام سے پوچھو وہ خوفزدہ تو نہیں ہے!۔"

"نہیں۔ نہیں ڈیڈی۔ یہ زندگی کب موت سے کم ہے؟۔" مشام بولی۔ پھر اس کی نظریں امین پر پڑیں "شاید میں رات بھر سو نہ سکوں۔ ساری رات مجھے انتظار

رہے گا کب تبیح ہو اور کب آپ تشریف لائیں ! بھول تو نہ جائیے گا ؟ !"۔

" یہ بات بھی بھولنے کی ہے ؟ " امین نے ہنستے ہوئے کہا " لیکن آپ سے ایک شرط ہے۔ میں کرنل سے تو کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ لیکن آپ کو گرانقدر فیس دینی پڑے گی "

" آہ۔ ڈاکٹر۔ آپ مجھے ایک بار اٹھ کر بیٹھنے کی آزادی دیجیے۔ صرف ایک مرتبہ بستر سے اٹھ کر چلنے کی مسرت عطا کیجیے۔ صرف ایک چکر اپنے باغ کا لگانے کا موقعہ دیجیے۔ میں تو آپ کی کنیز بن جاؤں گی آپ کے اُن ہاتھوں پر، جو مجھے دوسری زندگی بخشیں گے "۔

امین دم بخود رہ گیا۔ کتنا اضطراب تھا اُس کے لہجے میں۔ کتنا کرب تھا اُس کے چہرے پر۔ وہ کتنی مایوس تھی !۔

" آپ مجھے اپنا دوست بنا لیجیے بس۔۔۔ " امین نے کہا۔ اور ایک آخری نظر اُس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔

لگ بھگ دس بجے رات کو وہ جمشید منزل پہونچا۔

بیگم حسن کو اطمینان تھا کہ وہ کرنل صاحب کے پاس ہے۔ وہ طعام خانے سے اٹھ کر عطیہ بیگم اور مرزا صاحب کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ مرزا صاحب جو واقعی ایک باپ کی سی محبت امین سے کرنے لگے تھے، متفکر تھے !۔ بار بار اُٹھ کر برآمدہ میں جھانک آتے !۔

اچانک عطیہ بیگم نے پوچھ لیا۔

" بھابی۔ ماشاء اللہ۔ امین کی عمر شادی بیاہ کی ہو گئی ہے۔ کہیں کوئی لڑکی نہیں دیکھی تم نے مجھے تو حیرت ہے کہ لندن ہی میں کوئی لڑکی تم کو پسند نہیں آئی

" لاحول ولا قوۃ " مرزا صاحب بول پڑے " وہ لڑکیاں بھی اس قابل ہوتی

ہیں کہ شریف لڑکے کے لیے پسند کی جائیں۔ بھابی۔ آپ تو یہیں کی کوئی لڑکی دیکھیے!

"وہ تو میں نے یہاں قدم رکھتے ہی دیکھ لی تھی۔ اللہ نے خود بخود ایسی لڑکی دکھیل کے میرے پاس بھیجی تھی جو میرے امین کے لئے ہر طرح موزوں ہے۔ صورت دیکھو تو ماشاء اللہ۔ سیرت دیکھو تو سبحان اللہ" بیگم حسن معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

دونوں بالکل نہیں سمجھے کہ اشارہ فریال کی طرف ہے۔ مرزا صاحب خوش ہو کر بولے۔ آپ کو واللہ۔ بھابی۔ تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ خدا کے فضل سے وہ روزگار سے بھی لگ گیا اب یہ فرض بھی ادا کر دیجیے!"

"کون سی لڑکی ہے" عطیہ بیگم نے پوچھا "مجھے بھی تو بتاؤ۔ تم تو یہاں والوں کو زیادہ جانتی نہ ہو گی۔ مجھ سے کہو کون ہے۔ شاید میں باپ کا نام جانتی ہوں!"

"باپ کا نام تم سے زیادہ کون جانے گا!" بیگم حسن بے ساختہ ہنس پڑیں۔ لڑکی تو تمھاری گود میں پل کر بڑی ہوئی ہے۔ بس۔ بیوی۔ اب تو تم فریال کو مجھے دے ہی دو!"

"فریال؟!" مرزا صاحب اور عطیہ بیگم حیرت و مسرت سے انھیں دیکھنے لگیں

"ہاں۔ فریال" بیگم حسن نے قطعیت سے کہا "وہ تو میری نظروں میں جبھی سے سما گئی تھی جب میرے ساتھ سفر کر رہی تھی اور میں جانتی بھی نہ تھی کہ یہ تمھاری لڑکی ہے۔ میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اس کے ماں باپ سے امین کے لئے کہوں گی۔ خدا کا کرنا کہ وہ میری ہی بچی نکلی! یہ کہنا سننا کیا۔ امین کا ظاہر باطن سب تمھارے سامنے ہے۔ کل منگنی کرو۔ پرسوں نکاح! میری خوشی بھی پوری ہو جائے! میں تو یہ سوچے بیٹھی تھی کہ شادی امین کی یہیں کروں گی۔ فریال سے اچھی لڑکی کہاں ملے گی؟"

"مگر بھابی ..." مرزا صاحب وفورِ مسرت سے ہکلائے: "آپ کا بیٹا ماشاء اللہ بہت بڑا آدمی بن گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فریال اس کے لئے ناموزوں ..!"

"خدا خدا کرو۔ بھائی!" بیگم حسن نے بات کاٹ دی۔ "اپنوں میں بڑائی چھوٹائی کیا۔ سب کچھ تمھاری ہی محبت کا اور توجہ کا نتیجہ ہے۔ بس اب آنا کانی نہ کرو مجھے ٹھیک جواب دو۔ میں امین سے بھی کہہ دوں۔ ویسے مجھے امید نہیں کہ امین میری پسند میں، میں میخ نکالے گا!"

عطیہ بیگم شوہر کا منہ تکنے لگیں۔ دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ کاش ایسا ہی ہو جائے کہ کل منگنی اور پرسوں نکاح۔ جب ضبط نہ ہوا تو بول ہی پڑیں۔

"بھابی۔ امین تمھارا اور فریال بھی تمھاری۔ جو چاہو سو کرو۔ میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ عضوِ معطل بن کر رہ گئی ہوں ... ! مہمانوں کی طرح شادی میں جاؤں گی!"

"واقعی پوچھا پاچھا گیا؟" مرزا صاحب نے کہا: "لڑکی آپ کی ہے۔ جب چاہئے نکاح پڑھوائیے اور ہمیں اطلاع دے دیجئے! ..."

"یہی تو میرا بھی ارادہ ہے۔" بیگم حسن نے کہا: "ابھی تاریخ کوئی تم بھیّا نکال دو۔ اور کسی سے کہو۔ رقعوں کا مضمون تیار کر دے! خریدنا جوڑنا مجھے کیا ہے تمھیں بھی اس کی اجازت نہ دوں گی۔ لڑکے ہی کا سب کچھ ہے۔ وہ بھی ان لوگوں میں نہیں جو بیوی کے پیسے پر دانت لگائے رہتے ہیں، ہرگز کچھ لینا منظور نہ کرے گا! بس دونوں خیر سے یہیں رہیں اور میں اللہ کا نام لے کر مزے میں بیت اللہ شریف جاؤں! سارے ملک نگوڑے کھنگال ڈالے۔ اور جہاں جانا چاہئے تھا وہیں نہ گئی!" یہ کہہ کر وہ پان لگانے لگیں اور مرزا صاحب نے مسکرا کر بیوی سے اشاروں میں کچھ کہا، جواباً وہ بھی مسکرائیں! اور بیگم حسن سے بولیں۔

"بھابی آپ کا کہا سر آنکھوں پر بے جا دھوم دھڑکا مجھے بھی پسند نہیں مگر یہ

کام یوں نہ ہو جیسے معلوم دے کہ چوری کی ہو۔ مہمان تو سب آئیں گے! فضولیات البتہ نہ ہوں گی۔ تیاری مجھے بھی کیا کرنی ہے۔ فریال کے نام اللہ رکھے پچاس ہزار رکھے ہیں وہ میں اُسے دے دوں گی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔۔!"

"ہاں۔ اس طرح ہم اُن خاندانوں کے لئے مثال قائم کریں گے۔ جہاں لڑکے نیلام پر چڑھے ہیں اور جوڑے گھوڑے کی لعنت میں شریف زادیاں کنواری بڑھی ہوئی جا رہی ہیں!" مرزا صاحب بولے۔

"بس تو طے ہو گئی یہ بات۔ اب کوئی شوشہ تو نہ چھوڑ دو گے؟" بیگم حسن نے پوچھا
"سو فی صدی پکی۔ بھابی۔ آج سے ہم فریال کو آپ کو دے چکے!" مرزا صاحب ہنسنے لگے!۔

"اچھا۔ میں اب چلوں!" بیگم حسن اٹھتی ہوئی بولیں: "سوا دس ہو رہے ہیں۔ امین ابھی تک نہیں آئے!" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئیں!۔

"اللہ جانتا ہے!۔ بات میرے دل کی تھی۔ مگر نکلی بھابی کے منہ سے!" عطیہ بیگم نے کہا۔ وہ بے حد خوش تھیں۔

"میں تو وہی چاہتا تھا!۔" مرزا صاحب نے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ اس طرف سے تو اطمینان ہو گیا کسی صورت سے غفار بھائی کو لکھ دیجئے۔

میرا جی چاہتا ہے۔ وہ دونوں دلہنیں ساتھ ساتھ گھر سے جائیں!" عطیہ بیگم نے بڑی خوشامد سے اور پُر حسرت لہجے میں کہا: "بارہ کی آنے والے ہوں گے۔ اپنے والد کو بھی ساتھ لے آئیں۔

"یہ اور اچھا ہے۔ میں صبح ہی ان کو خط لکھتا ہوں!۔" مرزا صاحب اٹھتے ہوئے بولے: "خیر اب تم آرام کرو۔ میں بھی چلتا ہوں!"

اتفاقات اور حادثات کا نام اصلی معنوں میں تقدیر ہے!۔ کون انسان ایسا ہے جو اپنے ہاتھوں آپ گرفتار بلا ہوگا!۔ لیکن بعض انجانے واقعات انسانی زندگی کو یکسر موڑ دینے کا ایسا کام کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے!۔
شمعی بہت خوش تھی!۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی بے پایاں مسرت کا راز کیا ہے۔ بے وجہ اس نے چند خوشیاں، کہیں سے سمیٹ کر دامن میں بھر لی تھیں اور دنیا کی سب سے مسرور ہستی کی طرح بہت اڑی اڑی پھرتی تھی!۔ ایک نئی امنگ، نئی زندگی اور نیا ولولہ اس میں ابھر گیا تھا۔ نجانے وہ کیوں سمجھنے لگی تھی کہ کوئی اسکا ہے اور وہ کسی کی!۔ اسے پوری توقع تھی کہ کوئی نہ کوئی واقعہ خود بخود ایسا ہو جائے گا کہ پرانی لگی بندھی نسبت کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جائے گی اور وہ ہر طرح آزاد ہو گی!۔ اس کے دل سے مشرف کا خوف بھی جاتا رہا!۔ پشت پناہ ایک طاقت تھی!۔
وہ یوں چپکے چپکے امین کو چاہنے لگی تھی کہ اسے خود بھی پتہ نہ چلا۔ اب تو وہ سوز محبت میں پھنکی جا رہی تھی۔ مگر اپنی بیٹش تھی اپنا ضبط وہ آگ جو اسکے دل میں بھڑک رہی تھی کبھی امین کے دامن تک نہ پہونچ سکی!۔ اس کے والہانہ پن میں امین نے صرف خلوص محسوس کیا تھا!۔ اور بس، وہ تو اول روز ہی سے شمعی سے ہمدردی کرنے لگا تھا!۔ یا پھر وہ محبت جو دوستوں میں ہوتی ہے اسے علم تھا!۔ شمعی کسی اور کی ہے۔ امین اس سے بڑی دور ہٹ گیا اتنی دور

کے چاہے مشرق و مغرب مل جائیں!۔ مگر ایمن و شمعی کا ملنا ناممکن تھا!۔ اس نے اپنی ماں کا رجحان دیکھا تھا وہ بری طرح فریال کی گرویدہ ہوگئی تھیں!۔ جانتی تھیں کہ وہ ایک دن بہو بنے گی!۔ شمعی سے بھی انکیں محبت تھی مگر ایسی ہی جیسے ایک ماں بیٹی سے کرتی ہے۔ بیٹی اور بہو کی حیثیتوں میں فرق بھی تو ہوتا ہے!۔ مگر شمعی جو محبت کو ترستی تھی وہ بیگم حسن کی محبت پر بھی بہل گئی!۔

بیگم حسن نے مرزا صاحب سے بات پکی کرلی اور اپنی جگہ مطمئن ہوگئیں!۔ مرزا صاحب اور عطیہ بیگم کو بھی ایک بڑی فکر سے نجات ملی!۔ ابھی کسی کے کانوں تک یہ بات پہونچی نہیں تھی!۔ کیونکہ گھر میں لوگ کم رہ گئے تھے!۔ غضنفر اپنی ملازمت پر بیوی بچوں کو لے کر چلے گئے۔ سہیل جویریہ اور ان کے بچے بھی ہفتہ بھر قبل اپنے گھر جا چکے تھے!۔ عزت البتہ موجود تھیں۔ مگر ان کا زیادہ وقت گرہستی میں گزر جاتا!۔ اور اگر ایمن سے باتیں بھی ہوتیں تو بالکل رسمی سی۔ ان کے بچے اس سے بہت مانوس ہوگئے تھے۔ لیکن وہ بہت ننھے ننھے تھے۔ اتنا درک و احساس ان میں نہ تھا کہ کسی کی محبت کا اندازہ لگا سکتے!۔ دن بھر اپنی بلی کے بچوں سے کھیلا کرتے!۔

مشرف کا وجود و عدم وجود برابر تھا۔

فریال نے ماں باپ کی گفتگو حرف بحرف سُنی تھی!۔ وہ تو وقت سے پہلے ہی دلہن بن گئی تھی۔ ہر وقت کھوئی کھوئی سی لجاتی شرماتی رہتی!۔ ماں نے اسے روک بھی دیا تھا کہ زیادہ ایمن کے سامنے نہ نکلے!۔ صرف شمعی رہ گئی تھی۔ ایمن کی واحد دوست اور غمگسار کسی کو گمان تک نہ ہو سکا کہ وہ بھی اپنے دل میں نازک نازک ارمانوں کا نازک سا شیش محل سجائے ہوئے ہے!۔ وہ تو ایمن کی بہن کی حیثیت رکھتی تھی!۔

شمعی اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ غفار صاحب کو طلبی کا خط لکھ دیا گیا ہے باری امتحانات کے بعد اپنے باپ کے پاس چلا گیا تھا!۔ لیکن اسے نہ تو جنگلات کی

تفریح سے دلچسپی تھی نہ سنسان گھر میں اس کا جی لگتا تھا!۔ اس نے مرزا صاحب کا خط پڑھا تھا جس میں یہ خواہش کی گئی تھی کہ وہ اور باری جلد تر واپس آئیں تاکہ شادی کی تاریخ طے کی جائے!۔ باری کے پیروں میں اگر پر لگ جاتے تو وہ اڑ کر پہونچتا مگر غفار صاحب نے روپیہ کے معقول انتظام اور مناسب سامان کی خریداری کے بندوبست میں باری کو بھی ٹھہرا لیا!۔

"ابا میاں۔ میں چلتا ہوں!۔ آپ بعد کو آجایئے گا!" باری بیقرار تھا!۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ غفار صاحب نے غرا کر کہا۔ "ہفتہ بھر کی تو بات ہے!۔ بھلا میں اکیلا اتنا سارا سامان لاد کر کیسے آسکوں گا!"

"مگر ابا میاں۔ مجھے رزلٹ کی بھی تو فکر ہے!" باری نے کمزور سا بہانہ گڑھا وہ فکر یہیں بیٹھے بیٹھے بھی کی جا سکتی ہے!۔ اور پھر فکر لایعنی ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا!" غفار صاحب نے کہا۔ اور بات ختم کر دی۔

باری پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا!۔ اسے جانے کی اجازت نہیں ملی۔

بیگم حسن نے ایمن سے کچھ نہیں کہا تھا!۔ انھیں کامل بھروسہ تھا۔ وہ ان کی پسند کو ٹھکرائے گا نہیں۔ زریاں میں کمی کس چیز کی تھی؟ پڑھی لکھی، سلیقہ مند اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے بڑے گہرے دوست کی بیٹی تھی!۔

بیگم حسن کو ایمن کے شب و روز کی خبر مطلق نہ تھی۔ وہ باہر کیا کیا کرتا تھا! اس کی مصروفیات کس قسم کی تھیں۔ انھیں ہر قسم کے معاملات میں اس پر مکمل اعتماد تھا! وہ اسے ابھی تک چند سال کا بچہ سمجھتی تھیں۔ لیکن ایمن اپنی عمر کی اس منزل میں تھا۔ جہاں اپنے معاملات میں کسی کا زیادہ دخل ناگوار ہوتا ہے! وہ ایک انوکھی فطرت کا مالک تھا!۔ حالانکہ اپنے پیشے کے لحاظ سے اسے سخت دل ہونا چاہیے تھا۔ مگر وہ بڑا حساس اور جذباتی تھا۔ اس نے اپنی سرجری لائف میں بہتیرے ہولناک

مرض دیکھے تھے۔ سینکڑوں مریض ایسے تھے جنھوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہی دم توڑا تھا اس کے ہم پیشہ موت حیات کی کوئی وقعت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ایمن بہت جلدی متاثر ہو جاتا تھا!۔ پہروں کوئی تکلیف دہ بات اسے یاد رہتی۔ اور عرصہ تک اس کا داغ اس کے دل پر لگا جاتا!۔

اور اب وہ شام کے پیچھے تن من دھن ایک کئے دے رہا تھا!۔

اسے یہ خیال نہ تھا کہ وہ اس کے آفیسر کی دختر تھی۔ جس کی خوشنودی مزید ہوتی تو کے دروازے اس پر کھول سکتی تھی بلکہ اپنی دھن میں تو یہی بھول چکا تھا کہ شام کرنل جبار کی لڑکی تھی!۔ وہ تو اسے اپنے مریض کی حیثیت دے رہا تھا!۔

جس صبح اسے شام کو اسپتال لے جانا تھا!۔ اسے ساری رات نیند نہیں آئی طرح طرح کی فکروں میں غلطاں پیچاں گھر پہونچا!۔

چپکے چپکے اپنے خیالوں میں غرق پورچ کے زینے طے کر کے اوپر آیا اور یکبارگی تھم گیا!۔

کرسٹل کے قد آدم پام کے گملے کے پاس کسی کا نازک سا بدن دکھائی دیا!۔ اندھیرے اجالے میں مدغم۔ سارا برآمدہ تاریک تھا! دور موڑ پر ننھا سا کم طاقت والا بلب اپنی زرد زرد روشنی بکھیرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا!۔ کمرے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے!۔ اور گھر کے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں بند تھے!۔

ایک قدم اس نے آگے بڑھایا اور پھر اسے شمی گملے کے پیچھے کھڑی دکھائی دی!۔

"آپ!...." اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "آپ یہاں کھڑی کیا کر رہی رہیں، شمی؟!"

"آپ کا انتظار —!" شمی نے یوں کہا کہ خود ہی کہا اور خود ہی سنا۔

ایمن نے پام کی شاخ تھام لی اور یکبارگی دور سے آنے والی مدھم روشنی شمعی کے چہرے پر آنکھ مچولی کھیلنے لگی۔
اس انتظار کا کوئی مقصد تھا۔ شمعی؟۔ کچھ کام تھا مجھ سے؟“
”جی ہاں!“
اب؟... آدھی رات کو؟۔
”جی!“۔ شمعی مسکرائی۔
تو پھر ضرور کہئے۔ آپ کا کام کر کے مجھے بیحد خوشی ہوگی!“۔ ایمن بھی مسکرایا
”انکار تو نہیں کر دیجئے گا؟“۔ شمعی نے والہانہ انداز میں پوچھا؟۔
”کم از کم یہی تو آپ کہیں گی کہ اپنے سینے سے چیر کر دل نکال دیجئے! تو یہ کوئی ایسا بڑا کام نہیں۔ کہہ کے تو دیکھئے!“
شمعی کی پلکیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ حیرت سے معمور نگاہیں!۔ ایمن مسکرا رہا تھا!۔ کیسی عجیب سی مسکراہٹ تھی وہ۔ یا شمعی کو عجیب لگی!۔ وہ پھر فرش کو تکنے لگی!۔
”کہئے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں!۔ اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
”خدمت؟....“ شمعی کے لب کانپنے لگے۔ کیا کہئے کیا نہ کہئے۔ ایمن نے تو کوئی اور بات کہنے کو باقی نہیں رکھی؟۔ کیا وہ سچ مچ ایسی ہی خوش نصیب ہے کیا سچ مچ۔ تقدیر کے پیچ و خم میں کوئی موڑ اتنا حسین بھی ہے!۔ وہ خود مسرت سے وہ گنگ ہو گئی!۔
”شاید آپ بھول گئیں۔ ایمن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔“ اچھا تو آپ یاد کر لیجئے۔ کیا کہنا چاہتی تھیں۔ میں انتظار کروں گا!۔

"آپ نے تو دل و جان کی بات چھیڑ دی۔ میرا مطلب یہ کہاں تھا؟" شمعی زبردستی بولی۔

"تو پھر اپنا مطلب ہی بتائیے!" وہ پھر ہنسنے لگا!۔

"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آپ نے آج بڑی دیر لگا دی۔ جلدی سے کپڑے بدل کر آئیے تو پھر آپ کا کھانا لے آؤں!"

بہت خوب!۔ بس اتنی سی بات۔ جس کے لئے آپ منتظر تھیں۔؟

"یہ اتنی سی بات ہے؟۔ بھلا مجھے کب نیند آئی جب خیال آتا کہ آپ بھوکے سو رہے ہیں!"

"اوہ۔ شمعی!۔ بہت بہت۔!"

"نہیں!۔" اچانک شمعی نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا۔ "شکریہ کس بات کا!۔ شاید آپ کو اندازہ بھی نہ ہو۔ آپ کی خدمت میری زندگی ہے!"

ایمن کو اس حد تک شمعی سے توقع نہ تھی!۔ وہ لہجہ وہ انداز اور وہ تاثر اس کا ازلی جانا بوجھا تھا۔ شمعی کے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی!۔ وہ وارفتہ ہونے لگا تھا اچانک اس نے شمعی کی ہتھیلی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے!!۔ ایمن کے نزدیک یہ عقیدت کی معراج تھی مگر شمعی پسینے پسینے ہوگئی۔

شمعی۔ بہت پیاری ہو تم۔ بہت پیاری۔!

"آپ.... جلدی آجائیے۔ میں جا رہی ہوں!۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اندھیرے ہی میں غائب ہوگئی!۔ ایمن دو لمحوں تک وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا!۔ کپڑے بدلے اور طعام خانے میں پہونچا۔ میز پر کھانا چنا ہوا تھا مگر شمعی کا پتہ نہ تھا!۔ دیو ٹریال البتہ بیٹھی تھی۔

"ہائیں؟" وہ دروازے پر ٹھٹکا!۔ "آپ!"

فریال نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا "کل سے آپ نے اتنی دیر لگا دی تو یقیناً پیٹ نہیں کھلے گا!"

"غالباً کھانا بھی نہیں ملے گا!"

"جی نہیں!"

"محترمہ فریال! اتنی سنگدل نہ بنیئے!" ایمن کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا "ایک میری شرافت اور معصومیت تھی کہ میں نے ساری رات آپکو اپنے بازو پر سلایا مگر بہ

اچھا اب عمر بھر یہی بات آپ یاد رکھیئے گا!" فریال پھر جھینپنے لگی۔

اور پھر حاصل حیات کون سے لمحے زندگی کے ایسے ہیں جو یاد رکھے جائیں!

ایمن نے کہا اور اپنی پلیٹ میں سوپ نکالنے لگا!

"کیا چیز پکائی ہے یہ!" اس نے ایک لقمہ لے کر گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "قیامت کی مرچ ہے!"

"قیمہ بھرے کریلے اور بیسنی روٹی!" فریال منھ پھلا کر بولی۔

"یہ کیا چیزیں ہیں؟" ایمن نے تعجب سے پوچھا۔

"اب ذرا ہندستانی کھانے بھی کھائیے۔ ڈاکٹر صاحب۔ لندن کی ابلی ہوئی ترکاریوں کا خیال چھوڑ دیجئے!"

"شاید آپ مجھے اتنی رات گئے آنے کی سزا دے رہی ہیں! ایک نوالہ نہ کھا سکوں گا"

"آگے کے لئے توبہ کیجئے تو کچھ اور کھلاؤں؟" فریال بولی۔

"فی الحال مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ میری طرف سے آپ توبہ کر لیجئے۔ ادھار اور کھانے کو لائیے!"

فریال نے دوسری پلیٹوں پر سے جالی دار ڈھکنے اٹھائے! اور خود ہی اسکی

پلیٹ میں ترکاری نکالی۔

"خیر آپ کو معاف کیا!" وہ بڑا سا منھ بنا کر بولی۔

"شکریہ!" ایمن نے لقمہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب آپ بھی شروع کیجئے!۔ ہم سب تو کب کے کھا چکے؟"۔

"واہ۔ واہ۔ اسی کا نام آپ کے یہاں محبت ہے میرا انتظار کئے بغیر کھا پی لیا۔ اگر میں آپکی جگہ ہوتا تو ہرگز نہ کھاتا!۔ جب تک کہ آپکو بھی نہ کھلاتا!۔"

"اچھا جی... اتنی محبت ہے؟"۔

"آزمائش شرط ہے!"

"ارے جائیے ڈاکٹر صاحب!" فریال ہنسنے لگی!" کیا میں سمجھتی نہیں یہ سب آپکی باتیں ہیں۔ آپ تو گھبراتے ہیں ہم سب سے۔"

"ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے گھبراتا ہوں۔ مگر یہ کون کہتا ہے کہ آپ سے گھبراتا ہوں!۔ محترمہ فریال۔ ساری زندگی میری آنکھوں میں سمٹ آئے، درحیات کا مختصر لمحہ طویل ہو جائے!۔ میں آپکو بیٹھا دیکھتا رہوں!۔ تب بھی نہ گھبراؤں گا یہی سوچتا رہوں گا۔ کیا چیز تھی آپ کے چہرے میں۔ جو دیکھنے سے رہ گئی؟"

"پھر آپ اتنی دیر تک کہاں گھوما کرتے ہیں!"

"نہیں کہہ سکتا!۔ فریال۔ باہر میں کتنا مصروف رہتا ہوں!۔ اگر میرا اپنا ہاسپٹل ہوتا تو اوقات میرے پابند ہوتے آپ۔ تو سرکاری ملازمت ہے جس میں اوقات کا پابند ہوں!۔ بہت چاہتا ہوں کہ کچھ ساعتیں تمھارے قرب میں بسر ہوں، مگر بعض حسرتیں پوری کہاں ہوتی ہیں؟"

"سچ مچ۔ آپ چاہتے ہیں ایسا؟"

"سچ مچ!" ایمن اس کی نقل میں مسکرایا۔ "یقین کیجئے!۔ میں کبھی جھوٹ

نہیں بولتا!۔

"اگر کبھی بولنا پڑے ؟" فریال نے اسے کھانا ختم کرتے دیکھ کر تھرماس سے کافی انڈیلی اور پیالی اسکی طرف بڑھادی!۔

"بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور نہیں کرسکتی!۔ ہر قسم کی تکلیف کو سچ پر قربان کرسکتا ہوں!۔"

"خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو؟"

"جی ہاں!۔ سچ بہرحال ثابت ہوجاتا ہے!" ایمن نے ایک گھونٹ لیکر کہا۔ "اور آپ؟"

"میں نہیں پیتی۔ نیند اُڑ جاتی ہے!"

"نیند کی بڑی کچی ہیں آپ!" ایمن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے!"

جی ہاں۔ ٹرین میں بھی آجاتی ہے۔ لیکن مجھے تو اپنے نرم وگرم بستر پر بھی نہیں آتی!۔ تقریباً ساری رات کروٹیں بدلتے صبح ہوجاتی ہے!۔

"پھر اوپر بکثرت ہیں!" فریال نے جان بوجھ کر بے نیازی اختیار کی۔

جی ہاں!۔ اور میرا سوتا پہلو اپنے ساتھی کو پکارتا ہے!" ایمن نے سر جھکا کر کہا۔

"ہٹیئے۔ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟" فریال کا چہرہ سرخ ہوگیا!۔ اور وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی! ساتھ ہی ایمن بھی کھڑا ہوگیا!۔ فریال اس کے پاس سے ہوکر گزری اور اس نے اس کے سامنے اپنا بازو دراز کردیا۔

"فریال۔!" اس نے مدھم لہجے میں پکارا۔

وہ بڑی سادگی سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

"سچ مچ۔ مجھے احساس ہے آپ میرا بے حد خیال کرتی ہیں۔ آپ نے مجھے کھانا کھلایا۔ کافی پلائی۔ میرا انتظار کیا۔ آپ کے خلوص کا میرے پاس کیا معاوضہ ہے۔ آپ نے میرے لئے اپنی نیند برباد کی۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ کی صحت پر اثر پڑے!"

"آپ کی بلا سے!"

فریال نے اس کا ہاتھ ہٹایا اور ہنستی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی!۔

"آپ کی بلا سے۔!"

اس کی مسکراہٹوں پر عجیب و غریب احساس نے اُداسی سی ڈال دی۔

فریال۔ شمعی۔ اور شام۔!

فریال سے اسے محبت تھی۔ شمعی کے خلوص کا وہ پرستار تھا اور شام سے گہری ہمدردی رکھتا تھا!۔ دیر تک وہ وہیں کھڑا سگریٹ پیتا رہا اور نہ جانے کیا کچھ سوچتا رہا!۔ رفتہ رفتہ اس کی فکریں شام پر مرکوز ہو گئیں۔ کیا کر سکتا ہے وہ اس کے لیئے۔ اپنی ذمہ داری پر اتنی بڑی بات کر بیٹھا ہے۔ جب کرنل جبار کچھ نہ کر سکے۔ تو پھر وہ۔

رات گئے تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ انیند بھی بہت بے چینی کی آئی اور صبح سویرے وہ حسب معمول اٹھ کر باغ میں اتر گیا!۔

بیگم حسن بھی فجر کی نماز کے بعد باغ میں نکل آئی تھیں۔ اس وقت بھی چنبیلی کے جھنڈ کے پاس بچھی ہوئی پتھر کی بنچ پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں!۔

ایمن نے پاس پہونچ کر صبح کا سلام کیا۔

بیگم حسن نے مسکرا کر سر کے اشارے سے جواب دیا۔ ایمن انکے پیچھے ٹک گیا اور ماں کے وظیفہ ختم کرنے کا انتظار کرنے لگا!۔ باغ کی فضا نہایت سہانی

ہو چلی تھی! ۔ اگست کا، شروع تھا! ۔ صبح کی خنکی بہت خوشگوار ہوتی تھی! آسمان پر ہلکا ہلکا ابر چھایا ہوا تھا۔ سرور انگیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ جوہی چنبیلی کی مہک ہواؤں کے دوش پر اڑتی پھر رہی تھی! ۔

بیگم حسن نے تسبیح ختم کی آنکھوں سے بوسہ دے کر مٹھی میں دبالی اور پیچھے مڑ کر ایمن کے چہرے پر دم کیا۔ اس کی پلکیں جھپک گئیں اور وہ بے اختیار ہنسنے لگا!

"اب میں کوئی ننھا سا بچہ تو نہیں رہا۔ امی!"

"بڈھے بھی تو نہیں ہو گئے۔ اور پھر میرے لئے تو بچہ ہی رہو گے" بیگم حسن نے کہا۔ پھر اس کی شکل غور سے دیکھتی ہوئی بولیں "معلوم ہوتا ہے۔ ساری رات پڑھتے رہے ہو۔ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں!"

"پڑھتا تو نہیں رہا۔ مگر نیند بالکل نہیں آئی۔ بس سوتا جاگتا رہا!"

"کوئی خاص بات ہے!"

"نہیں۔ امی۔ میری کامیابی کی دعا کیجئے! اپنی جلد بازی میں ایک بڑا کام اپنے ذمے لے بیٹھا ہوں" ایمن نے کہا اور فکر مند انداز میں دبے تنکے کے ریزے ریزے کر کے اچھالنے لگا! ۔

"بیٹا قدم قدم پر تمھاری ترقی کامیابی اور سلامتی کی دعائیں تو میں مانگتی رہتی ہوں" بیگم حسن نے پر تشویش لہجے میں کہا "مگر کون سا کام ہے۔ کوئی آپریشن تو نہیں ہے!"

"جی ہاں بس اسی کا قصہ ہے!" ایمن نے کہا اور تفصیل سے سب کچھ بیگم حسن کو سنا دیا۔

میاں۔ جب تمہیں معلوم تھا کہ بڑے بڑے ڈاکٹر ناکام رہ چکے ہیں۔ خود کرنل صاحب بھی اپنی لڑکی کا علاج نہ کر سکے تو پھر کس برتے پر تم نے اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر

لے لی۔" بیگم حسن پریشان ہوگئیں۔

"اللہ نہ کرے۔ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تب!..."

کامیاب تو میں ضرور ہو جاؤں گا امی۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ "

جب اپنی کامیابی کا یقین ہے تو پھر ڈر کاہے کا ہے!"

"خیال صرف اس بات کا ہے کہ وہ بیچاری لڑکی آپریشن کی کامیابی کے باوجود زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتی!۔ زیادہ سے زیادہ۔ بس چھ ماہ۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے قبل ہی ختم ہو جائے۔ یہ بات میں کس سے کہہ سکتا ہوں؟۔ کرنل صاحب سے بھی نہیں۔ وہ تو پاگل ہو جائیں گے۔ میں یہی سب کچھ سوچ رہا تھا امی۔ کیسے اسکی زندگی بڑھائی جائے۔ کیا خدا کو اس پر رحم نہیں آئے گا۔ اگر آپ وہ حسرت اور بیکسی دیکھیے جو اسکی آنکھوں میں بھری ہوئی ہے۔ آہ۔ امی۔ آج تک میں نے کیسی مایوس اور ناامید نگاہیں نہیں دیکھی تھیں!۔ کیا کچھ وہ بھی سوچتی رہتی ہوگی "

"اللہ اس پر اپنا رحم کرے۔ ڈاکٹر کا کام تکلیف سے نجات دلانا ہے۔ زندگی دینا نہیں ہے۔ غریب اتنی ہی زندگی لائی ہوگی۔!" بیگم حسن بولیں۔

"اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیجئے گا۔ امی.....!"

نہیں بیٹے۔ نہیں۔

"چلئے چلیں۔" ایمن اٹھ کھڑا ہوا۔

کب تک واپس آجاؤ گے۔ اسپتال سے؟" بیگم حسن بھی اسکے ساتھ ہی اٹھتی ہوئی بولیں "جلد ہی واپس آجاؤ تو اچھا ہے۔ ایک کام ہے تم سے!"

کوشش تو ضرور کروں گا کہ جلدی آسکوں۔ لیکن مجھے دیر ہو جائے تو پریشان نہ ہو جائیے گا۔ مجھے اپنا کام بتا دیجئے۔ ضروری ہے تو پہلے وہی کر دوں۔!"

"مجھے ایک بڑی قیمتی انگوٹھی چاہیئے!۔" بیگم حسن مسکرا کر بولیں۔ "وہ سمجھیں شاید

ایمن بھانپ جائے گا۔ انگوٹھی کس کے لئے چاہیئے۔ مگر وہ بھاکلی نہیں۔ بڑی سادگی سے سر ہلا کر اقرار کیا کہ واپسی پر ساتھ لیتا آئے گا!۔ پھر ملازم انھیں ناشتہ پر بلا لے گیا۔

شام بھی ساری رات سو نہ سکی! رہ رہ کر اس کی مضطرب و مشتاق نظریں دیوار گیر کلاک کیطرف اٹھ جاتیں۔ وقت تھم تھم کر گزر رہا تھا!۔ آج اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مرض جو اسے مسلسل تین چار سال سے لاحق تھا!۔ یکسر نیا ہو گیا ہو اس کے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پسلیاں زخمی تھیں۔ بیٹھ میں باوجود نرم بستر پر لیٹنے کے کئی زخم پڑ گئے تھے! نقل و حرکت سے قطعی محروم نہ مجبور وہ یکساں چار سال سے بستر کی شکن بنی پڑی تھی!۔ دو تین نرسیں اسکی خدمت پر متعین تھیں۔ اس کا سارا کام مشین کی طرح وقت پر ہو جاتا۔ ایک دولتمند باپ کی اکلوتی بیٹی تھی!۔ اسے رتی بھر تکلیف کسی بات کی نہ تھی۔ ہر طرح کا آرام اور آسائش دولت کے انبار لیکن وہ ایک حشرات الارض سے بھی زیادہ حقیر تھی!۔ ایک بھکاری سے بدتر۔ نہ دولت اسکے کام آسکی تھی نہ دنیا بھر کے ملازموں کی خدمت!۔ دکھوں نے اس سے سارے احساسات چھین لئے تھے۔ بس وہ رو سکتی تھی!۔ ہر وقت اپنی مجبوریوں پر آنسو بہایا کرتی۔ کیا کر سکی دولت اس کے ساتھ؟ کیا، کیا اس کے باپ نے اس کے ساتھ۔ جو بہت بڑا کرنل تھا!۔ اور وہ روتے روتے پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگتی!۔۔۔ زود رنج، بد مزاج اور بےحد غصہ ور بن گئی تھی!۔ کرنل صاحب تک مخاطب ہوتے ہوئے تم کو

گھبراتے !۔ وہ خود کو اس کا مجرم سمجھتے تھے !۔

لیکن اب ..... اس کے دکھ شبنم کے ان قطروں کی طرح بھاپ بن کر اڑ گئے۔ جنھوں نے آفتاب کا چہرہ دیکھ لیا ہو۔ نہ تکلیف نہ تکلیف کا احساس۔ برسوں بعد اس کے لبوں پر مسکراہٹ کی کرنیں جگمگائیں۔ دل میں آرزوؤں کا ہجوم برپا ہو گیا۔ نہ وہ خود سوئی اور نہ نرسوں کو سونے دیا !۔ ہر دس منٹ بعد نرسوں سے پوچھتی۔ !

"مس مونا۔ اب کیا وقت ہے ؟۔"

حالانکہ اس کی نظریں خود بھی گھڑی پر تھیں۔

"بارہ پچیس۔ مس جبار !۔"

مس روزا۔ آپ دیکھئے۔" مشام نے دوسری نرس سے کہا: "ان کی گھڑی ہمیشہ (SLOW) (سست) رہتی ہے !۔"

"جی ہاں !۔" مس روزا مونا کو اشارہ کر کے مسکرائی۔ "بارہ پچیس ہیں یعنی مطلب یہ کہ آدھی رات تو گزر رہی گئی !۔ جیسے تیسے یہ بھی گزر جائے گی۔ مس جبار۔ آپ سونے کی کوشش کیجئے۔

آہ۔ آج کی رات۔ مجھے نیند نہیں آتی !۔ کیا ہو گیا ہے مجھے: مشام کرب سے تکئے پر سر رگڑتی ہوئی بولی۔ "اگر مجھے کوئی نئی بیماری ہو گئی ہے تو بس اب خدا رحم کرے۔ روزا !۔ دنیا میں لاکھوں آدمی ہر روز مر جاتے ہیں۔ آخر میں کیوں نہیں مر جاتی۔ کس لئے مجھے خدا نے زندہ رکھا ہے !۔ اتنی بے چین سانسوں کا تحفہ مجھے عطا کیا ہے !۔ پروردگار۔ تیری مصلحت !۔" یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی !۔

"مس جبار۔ یہ بہت برا کرتی ہیں آپ !۔" روزا اور مونا اس کے آس پاس آ بیٹھیں۔ "خدا نے بہر حال آپ پر اپنا رحم کر دیا۔ کرنل آفندی آپکا آپریشن کر دیں گے آپ بالکل اچھی ہو جائیں گی !۔ چند دن کی اور مصیبت ہے۔

ہاں ۔ مس جبار ۔ جہاں آپ نے چار سال تک برداشت کیا ہے چند دنوں اور سہی "۔ مونا بولی ۔

"سچ مچ !..... میں اچھی ہو جاؤں گی !" شام کی آنسو بھری آنکھوں میں پھر امید دل کے کنول کھلنے لگے !۔

"بالکل !۔ آپ نہیں جانتیں ۔ مسٹر آفندی کرنل صاحب سے کہہ رہے تھے کہ آپ کا مرض بالکل معمولی ہے ۔ خوا مخواہ اسے اس قدر طول دے دیا گیا مونا نے کہا ۔

"نیند نہیں آتی ۔ مونا ۔ بالکل نہیں !" شام بولی ۔ "اچھا اب دیکھو کیا بجا ہے !" "ایک بجنے والا ہے "۔ مونا نے کہا " آنکھیں بند کیجیے ۔ نیند آجائے گی !"

شام نے آنکھیں بند کر لیں اور بند آنکھوں کے آگے پھر آفتاب چمکنے لگا بیخودی کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی ۔

آفندی ۔ میرے نجات دہندہ ۔ میرے ایمن آہ ۔ کوئی کیا جانے نہ میں اچھی ہونا چاہتی ہوں نہ مجھے زندہ رہنے کی تمنا ہے ۔ اللہ ۔ اللہ ۔ مجھے تو تمھاری آرزو ہے !۔ کتنے اچھے ہو تم ۔ ہائے ۔ مجھے یونہی مر جانے دیتے ۔ میری برباد زندگی میں تمھارے قدم کیوں آئے ؟ ۔ یہ بیماری مجھے کیسے آئی ؟ ... اس روگ کے آگے پچھلے تمام آزار کالعدم ہو گئے ۔ ایمن ۔ ایمن .... کاش تم میرے ہوتے لیکن ۔ میں ۔ میں ایک مجبور بیمار ہستی ۔ تم تو میرے قرب سے بھاگو گے خدا کرے کہ میں کبھی اچھی نہ ہوں ۔ اسی بہانے تم میرے پاس رہو !"

"مونا ۔ کیا وقت ہوا ہے !" گھبرا کر اس نے پھر آنکھیں کھول دیں ۔

"بی بی ۔ آج آپ اتنی بے چین کیوں ہیں ؟" مونا حیرت زدہ رہ گئی ۔

"کیا پھر کہیں درد شروع ہو گیا ہے!"

"ہاں۔ دل میں۔ جان لیوا۔ فیصلہ کن درد۔ مجھے کیا ہو گیا ہے؟" مونا۔ مجھے کیا ہو گیا ہے!" شام پر دورہ سا پڑ گیا تھا۔ روز دوڑ کر کرنل صاحب کو بلا لاتی۔ وہ نیند سے اٹھ کر بھاگے آئے۔ شام سسکیوں سے رو رہی تھی کرنل صاحب کے دل پر گھونسہ پڑا۔

"دا، بیٹی۔ ہار گئیں ہمت!" وہ اس پر جھکے!" رونے کے وقت پر صبر کیا اور ہنسنے کے وقت پر آنسو بہا رہی ہو۔ بھئی بڑی بیوقوف ہے ہماری بچی بھی ارے! اب کیوں پریشان ہوتی ہو۔ ہفتہ بھر زیادہ سے زیادہ۔ جو پلک جھپکاتے گذر جائے گا۔ پھر تم ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرنا!"

"ڈیڈی!" وہ بچوں کی طرح ٹھنکی!

"یقین کرو میری پیاری بیٹی!" کرنل صاحب نے اس کے رخساروں پر تھپکی دی۔ "اب سو جاؤ! اچھے اچھے خواب دیکھو صبح قریب ہے!"

"ڈیڈی۔ آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے!"

کرنل صاحب کی نگاہیں کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ "ٹائم بالکل ٹھیک ہے۔ پونے بارہ!"

"پونے بارہ؟" شام چیخ اٹھی "اور تم۔ جھوٹی۔ مکار۔ کہہ رہی تھیں کہ ایک بج رہا ہے۔ ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے۔ دفعان ہو جاؤ۔ یہاں سے اتار لے جاؤ یہ منحوس گھڑی۔

ڈاکٹر... پلیز۔ دیکھئے کلاک پونے بارہ پر بند ہو چکا ہے!" مونا نے کہا اور جیسے ہی اس کی نظریں ڈاکٹر کی نظروں سے ملیں۔ اس نے تادیبی اشارہ کیا۔ کرنل صاحب شرمسار نظر آنے لگے۔

"اوہ۔ بے بی.... ہاں!.... مجھے افسوس ہے۔ ڈیڑھ بج رہا ہے!"

وہ بولے۔

"اچھا۔ آپ لوگ سب جائیے!" ہشام نے سرد لہجے میں کہا "میں اب سو جاؤں گی۔!"

کرنل صاحب اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر چلے گئے! ہشام نے نرسوں کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ وہ کمرے میں ہی موجود رہیں!۔ رفتہ رفتہ رات گہری ہوتی گئی۔ پھر ڈھلنے لگی۔ صبح کاذب کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا۔ باغ میں تیز و تند ہوائیں چل رہی تھیں!۔ نرسیں الگ الگ اسٹولوں پر بیٹھی تھیں۔ ہشام نے ان سے پھر بات نہیں کی!۔ وہ اپنی دنیا میں سا چل پھر رہی تھی۔ دوڑ رہی تھی۔ کوئی اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا! خوبصورت اور خوش مزاج۔ جس نے نئی زندگی کا مژدہ سنایا تھا!۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی!۔

اور جیسے ہی آفتاب کی پہلی کرن پھوٹی۔ کمپاؤنڈ سے ایمبولنس کا لرزہ خیز ہارن بجا!۔ کرنل صاحب جلدی سے باہر نکلے!۔

"ایڈیٹ!..." وہ دانت پیس کر بڑبڑائے "میں ابھی اس مردود کی شکایت کرونگا!" وہ پورچ میں آئے!۔ ڈرائیور مڈگارڈ سے ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اسپتال سے آئی ہوئی دو نرسیں اسٹریچر تھامے اوپر آ رہی تھیں! کرنل صاحب کو دیکھ کر انھوں نے سلام کیا!۔

"ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں!" کرنل صاحب نے کچھ درشتی سے پوچھا۔

"اسپتال میں میم صاحب کا انتظار کر رہے ہیں!" نرس نے جواب دیا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آ کر تمہیں ہدایت دونگا!" یہ کہہ کر وہ اندر

چلے گئے!۔ٹیلی فون اٹھا کر ایمن کے نمبر ملائے۔ دوسری طرف وہی تھا۔

"کرنل۔ پلیز۔ جلدی روانہ کر دیجئے تو ٹھیک ہے!۔" ایمن نے کہا۔

"بڑی غلطی کی۔ بیٹے۔ خود نہیں آئے۔" کرنل صاحب نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ "صرف تمھارے اصرار اور حوصلہ افزائی پر وہ آمادہ ہوئی تھی۔ اب تو وہ ہرگز نہیں جائے گی!۔ میں تو اس سے کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا! ویسے سامان سب تیار ہے!۔ رات ہی کو کر لیا تھا!۔"

"یہاں میری موجودگی ضروری ہے۔ جناب..." ایمن کی آواز آئی۔ "چھ ڈاکٹروں کا سنڈیکیٹ بیٹھ رہا ہے!۔ ساری تفصیلات سے انھیں آگاہ کرنا اشد ضروری ہے!۔"

"کچھ بھی ہو۔!" کرنل صاحب نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور فکر مند انداز میں سگار سلگاتے ہوئے اندر پہونچے۔ ساری کوٹھی میں سوگوار سناٹا چھایا ہوا تھا!۔ نرس نے لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کی تاکید کی اور چپکے سے بولی۔

"وہ سو رہی ہیں۔ جناب۔ ساری رات کے بعد گہری نیند۔" اس نے شام کے کمرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں نہیں سمجھتی۔ کیسے انھیں بیدار کیا جائے گا!۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں!۔" کرنل صاحب وہیں کھڑے ہو گئے!۔ اور غیر ارادی طور پر ایمن کا انتظار کرنے لگے!۔ آج وہ بھی بہت پریشان تھے۔ ساری زندگی ان کے مرض اور مریض کے درمیان ہی گذاری تھی!۔ لیکن یہ معاملہ اپنا تھا!۔ پتہ نہیں ان کے دل پر کیا گذر رہی تھی!۔

سورج کی پھیکی پھیکی کرنیں اونچی اونچی دیواروں پر لرزنے لگی تھیں۔ سرد ہوائیں چلتے چلتے یکبارگی تھم جاتیں اور موسم بھیانک ہونے لگتا!۔

"سر... ناشتہ لگا دیا ہے!۔" ملازمہ نے اطلاع دی۔

"نہیں بھائی۔ کہاں کا ناشتہ!۔" کرنل صاحب نے کہا۔ پھر اپنے ملازم کو حکم دیا وہ فوراً سول اسپتال جائے اور ڈاکٹر آفندی کو بلا لائے۔ ملازم چلا گیا اور اسی وقت مس روزا نے کہا۔ "مشام جاگ گئی ہے!۔ کرنل صاحب سراسیمہ سے ہو گئے! مگر جلدی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے!۔

مشام انھیں دیکھ کر مسکرائی۔ اسے توقع تھی کہ ان کے پیچھے ایمن کھی ہوگا۔ لیکن انھیں تنہا دیکھ کر اس کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی!۔

"صبح بخیر۔ بے بی!..." وہ بڑی خوشدلی سے مسکرائے۔ "کیسی ہو؟..."

"مجھے چلنا چاہیئے۔ ڈیڈی؟۔" مشام نے پوچھا۔

"ہاں۔ بیٹی۔ آفندی صاحب نے ایمبولنس بھیج دی ہے!۔ اور ـــ!"

"وہ خود نہیں آئے۔ ڈیڈی ـــ!"

اسپتال میں انکی موجودگی ضروری ہے۔ میں ساتھ چلتا ہوں!۔ کچھ پیوگی؟!۔

"نہیں!۔" مشام نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی مر جانے دیجیئے مجھے!

اس نے اپنے آنسو چھپانے کو آنکھیں بند کر لیں۔

وہ بھی، عام ڈاکٹروں کے سے ڈاکٹر نکلے۔ رات کو تو بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے۔ ساتھ چلیں گے۔ اسٹریچر پسند نہیں تو ہاتھوں پر لے جائیں گے!۔ ہونہہ!۔

"بیٹی۔ وہ تمھارے ہی سلسلے میں مصروف ہیں۔ تم کچھ پی لو تو پھر چلیں اس معاملہ میں تاخیر مناسب نہیں ہے!۔" کرنل صاحب نے کہا۔ اور نرس کو اشارہ کیا۔ اس نے فیڈنگ کپ مشام کے لبوں سے لگا دی۔ دوسرے لمحے مشام کا ہاتھ پوری قوت سے کپ پر پڑا اور وہ نرس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی اور چور چور ہو گئی!۔

"بے بی۔ ضد نہ کرو۔ پلیز۔!" کرنل صاحب گھگھیانے لگے!۔

"نہیں۔ نہیں۔ ڈیڈی۔ نہیں!۔"

اسی وقت ملازم نے کسی کی آمد کی خبر سنائی!۔

"اوہ۔ خدا کا شکر ہے۔" کرنل صاحب نے چہک کر کہا۔ "بلاؤ۔ بلاؤ۔ یہیں لے آؤ!۔" پھر وہ ہنس کر مشام کی طرف مڑے۔ "تمھاری ضد پوری ہوئی وہ آ گئے!۔"

دوسرے لمحے ڈاکٹر ایمن نے کمرے میں قدم رکھے!۔ اور جلدی جلدی کرنل صاحب نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں ساری داستان کہہ سنائی!۔

محترمہ۔۔۔ مشام۔" ایمن کی آواز نے مشام کو موت سے زندگی کی طرف پھیر دیا۔ "آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ حالانکہ آپ نے مجھ سے پورے تعاون کا وعدہ کیا تھا!۔"

مشام کی آنکھیں ایمن کے چہرے پر گڑ گئیں!۔ وہ مسکرانے لگا تھا۔ مشام کے دل میں عجیب عجیب آرزوؤں کا صنم خانہ سجنے لگا!۔ ایمی۔ ایمن۔ اصلی زندگی تو میری یہی ہے۔ مجھے اور کیا چاہیئے۔ تمھاری دید کے سوا کسی چیز کی تمنا نہیں تمھارے قرب کے سوا۔

"آپ نے اتنی دیر لگا دی۔" وہ بڑی اپنائیت سے بولی۔ "رات ہی کو تو آپ نے کہا تھا۔ آپ خود آ کر مجھے لے جائیں گے۔"

"آپ ہی کو تو لینے آیا ہوں۔ جلدی کیجئے!۔ کچھ پیا ہے آپ نے!۔ ایمن اس کے پاس مسہری کی پٹی پر ٹک گیا!۔ نرس نے دوبارہ فیڈنگ کپ میں دودھ بھر کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا!۔

لے بی۔ تم تیار ہو لو۔ تب تک ہم بھی ناشتہ کر لیں۔" کرنل صاحب نے کہا اور ایمن کو اٹھنے کا حکم دیا!۔

"اجازت ہے ؟... پھر تو نہیں خفا ہوں گی آپ ؟" ایمن نے ہنس کر پوچھا۔
"نہیں۔ نہیں" وہ بڑے دلآویز طریقے پر ہنسی۔ دونوں کمرے سے نکل گئے!
"ایمن۔!" کرنل صاحب نے اسے شہ نشین کے پاس ہی ٹھہرا لیا۔ "میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں!"
"فرمایئے!" ایمن کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ یقیناً وہی کہیں گے جو پہلے ہی سے جانتا ہے۔
"ایمن۔!" وہ کچھ سوچ کر مضطربانہ انداز میں بولے اور پھر ایک طویل سانس لے کر پوچھا "میں پوچھنا چاہتا تھا کہ سنڈیکیٹ میں کون کون ہے ؟" ایمن تاڑ گیا کہ انھوں نے کوئی اور سوال کرتے کرتے اپنا ارادہ بدل دیا تھا!۔
چند ایک، ڈاکٹروں کے نام بتاتے ہوئے ایمن نے کہا "کرنل صاحب.... مجھے معلوم ہے جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایک خطرناک رسک لے رہا ہوں۔ لیکن میں مایوس نہیں ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنے مشن میں کامیابی ہو ویسے مردوں میں بھی خدا نے جان ڈالی ہے"
"ایمن... وہ میری اکلوتی بچی ہے!" کرنل صاحب نے گلوگرفتہ آواز میں کہا۔ "کیا میں نہیں چاہتا۔ اسے صحت اور زندگی نصیب ہو۔ اسکی زندگی مسکراہٹوں سے لبریز ہو جائے۔ اسکی آرزوئیں پوری ہوں!۔ مگر یہ سوچتے ہوئے میرا دل گھبراتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میں جانتا ہوں!۔ آپریشن اگر تمہارا کامیاب ہو بھی جائے تو بیکار ہے۔ اس کے خون میں زہر ہے!۔ وہ زیادہ جینے والی نہیں۔ ایمن.... پل بھر کی زندگی دے کر اسے موت کے حوالے کر دینا کتنی بڑی بیدردی ہے! بس یہ سمجھو کہ جب تک وہ بستر پر لیٹی ہے۔ زندہ ہے۔ جیسے ہی چلنے پھرنے لگے گی!۔ موت کا ہاتھ اس کی طرف بڑھنے لگے گا!۔"

"کرنل صاحب!..." ایمن نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی دردمندی سے سمجھایا! "آپ جانتے ہیں! پھانسی کے تختے پر مرنے... والے سے اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے! اس وقت کی خواہش پوچھنے سے کیا فائدہ۔ جبکہ وہ پوری ہی نہیں کی جا سکتی! کیا پھانسی پانے والے کی یہی آرزو نہیں ہوتی کہ اسے پھانسی کے تختے سے ہٹا دیا جائے؟ موت و حیات، سزا و جزا سب قدرت کے اختیار میں ہے۔ انسان کا انسان کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن انسان نے ہر قسم کے اختیارات اپنے قبضہ میں لے رکھے ہیں! پھر بھلا بتائیے! ہم اپنی سی کوشش کیوں نہ کریں۔ مریض کا چند ساعتوں کے لئے بھی پُر حیات ماحول میں سانس لینا ناخوشگوار نہیں۔ یہ اطمینان تو بہرحال رہتا ہے کہ مرنے والا اپنے ساتھ حسرتِ حرماں کا بوجھ لئے ہوئے نہیں گیا! سوچئے اس وقت کی مسرت جب محترمہ شام اپنے پیروں سے کسی سہارے کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گی۔!"

"ٹھیک کہتے ہو۔؟" کرنل جبار نے ایک آہ بھر کر کہا۔ "تو پھر لے چلو۔"

"سر۔ ناشتہ!" ملازم نے دخل دیا۔

"تشریف لے جائیے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ انسان تو حالات کے سمندر پر بہتا ہوا ایک حقیر تنکا ہے۔ پتہ نہیں۔ کون سی لہر اسے کہاں لے جائے۔ جب اپنے اختیار میں کچھ نہیں تو سب کچھ خدا پر چھوڑ دینا چاہئے! کیا آپ کسی کو زندگی دے سکتے ہیں۔ کیا میں کسی کو زندگی دے سکتا ہوں۔ ہرگز نہیں! ہم تو بڑھی ہوئی تکلیفیں دور کرتے ہیں۔ زندگی دینا کام خدا کا ہے!۔"

بہرحال کرنل صاحب جو خود بھی بڑے ماہر معالج تھے! کسی قدر سنبھل سکے! مگر طعام خانے میں جانے سے انھوں نے بالکل انکار کر دیا۔ نرس نے اطلاع دی کہ شام تیار تھی!۔ ایمن ادھر بڑھ گیا۔ نرس نے اس کا لباس تبدیل کر دیا تھا! بال سنوار

دیئے تھے!۔ ایک نیا نکھار اور آشفتگی اس کے چہرے پر تھی!۔ ایمن اسے دیکھتے ہی مسکرانے لگا!۔

"رات کا وعدہ مجھے یاد ہے!۔" وہ اس پر جھکا!۔ اور ہنستے ہوئے کہا۔
"اگر آپ کہیئے تو میں اپنے ہاتھوں پر آپ کو اٹھا کر لے چلوں؟"
اور اسی وقت مجھے موت آجائے۔ ڈاکٹر!۔" شام نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اتنی تکلیف پہنچانا چاہتی ہیں آپ؟" ایمن نے کہا۔
ڈاکٹر۔ اسٹریچر۔ اندر لایا جائے؟" ایمن کے ساتھ آئی ہوئی نرس نے پوچھا!۔ اس کے ساتھ کرنل صاحب بھی اندر آگئے؟۔
"اجازت دیجئے۔ میں انھیں لے چلوں؟" ایمن ان کی طرف مڑا۔
"ہاں ہاں۔ ضرور۔ انشاءاللہ بے بی اسپتال سے اپنے پیروں سے چل کر آئے گی!" کرنل صاحب بولے۔
ایمن نے جھک کر شام کو اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا۔ کرنل صاحب غالباً اس کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ وہ تو دم بخود رہ گئے!۔ ایمن باہر مڑ گیا!۔ شام کے رخسار آگ کی طرح دہک رہے تھے!۔ دل دھڑکنے لگا تھا!۔ بے ترتیب سانسوں کا اتنا ہجوم تھا کہ شام پریشان ہو گئی اسے محسوس ہو رہا تھا!۔ سانسوں کا تار اب ٹوٹا کہ جب ٹوٹا۔!

ایمن نے اسے ایمبولنس میں بآرام لٹا دیا! اور اس کے جلتے ہوئے رخسار پر تھپکی دے کر بولا "آپ چلیئے۔ میں بھی آرہا ہوں!۔" اور یہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا!۔ نرسیں اس کے پہلوؤں پر بیٹھ گئیں!۔ شام یوں ساکت تھی جیسے سچ مچ ختم ہو گئی ہو!۔ گاڑی کرنل صاحب کا حکم پا کر گیٹ سے نکل گئی!۔ پیچھے پیچھے ان کی

کار بھی چلی گئی۔ ایمن ساتھ تھا!۔

پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ سب سول اسپتال پہونچ گئے! شام کو بڑی حفاظت سے ایک کمرے میں پہونچا دیا گیا!۔ کرنل صاحب سنڈیکیٹ میں اپنی شرکت نہیں چاہتے تھے!۔ انھیں معلوم تھا!۔ انکی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر آزادی سے اپنی رائے کا اظہار نہیں کرے گا!۔ وہ شام کے پاس چلے گئے!۔ ایمن نے بھی یہی مناسب خیال کیا۔ وہ ان سب سے دور ہی رہیں!۔

"ڈیڈی۔!" دیر بعد شام نے کہا "یہاں کے ماحول سے وحشت ہو رہی ہے یہ اسکارف باندھے نرسیں۔ یہ بے آواز چلتے ہوئے اسٹریچر۔ اور یہ ناگوار سی بدبو۔ کیا یہاں سے سچ مچ کوئی زندہ بھی نکلتا ہے۔؟"

"بیٹی۔ اس قسم کی باتیں کروگی تو کبھی ڈھنگ سے صحت مند نہ رہ سکوگی" کرنل صاحب بولے۔

شام چپ ہوگئی!۔

ایمن اپنے روم میں پہونچا اور اسے دیکھ کر ڈاکٹر کھڑے ہو گئے!۔

"بڑی دیر ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر سید نے کہا۔ وہ ایمن کا اسسٹنٹ ڈاکٹر تھا!۔ "معائنہ کا وقت کب رکھیئے گا!۔"

"ابھی!۔" ایمن نے کہا۔ "جیسی بورڈ کی رائے ہو۔ یا تو مریضہ کو یہاں بلوائیں یا پھر آپ حضرات اس تک چلنے کی زحمت گوارہ کیجئے!۔"

"یہاں بلوا لیجئے۔ سہولت یہیں ہے!۔" ڈاکٹر شہیر نے کہا۔ اور نرسیں شام کو لینے چلی گئیں۔ ادھر ادھر دیکھ کر شہیر نے پھر کہا۔

"مسٹر ایمن۔ کیس مس جباد کا ہے!۔ جن کے متعلق سب کی رائے ایک ہی کہ وہ مرض سے مکمل طور پر ٹھیک ہونے والی نہیں۔ پھر آپ نے خواہ مخواہ!

"خواہ مخواہ نہیں۔" ایمن نے جواب دیا۔ "اگر ہم سب مل کر ایک آخری جائزہ اس کا اور کرلیں تو کیا حرج ہے؟"

مشام کو نرسیں لے آئیں۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا! وہ دیکھ رہی تھی کہ چھ چھ ڈاکٹر کمرے میں موجود ہیں! ان کے جسموں پر لمبے لمبے سفید کوٹ تھے گلوں میں آلہ سینہ بین جھول رہے تھے! یہی سب مل کر اسے چیر پھاڑ ڈالیں گے! یکبارگی جھن سے مشام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور چہرے پر پسینے کے قطرے چھلک اٹھے! نرسوں نے دروازہ بند کردیا اور اسٹریچر کے پاس آکھڑی ہوئیں!

"میز پر لٹا دو!" ڈاکٹر اشرف نے کہا۔ "لیکن احتیاط سے!" مشام کو پتہ ہی نہیں چلا! کب اسے اسٹریچر سے میز پر منتقل کیا گیا!

"نرس!" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ وہ پاس چلی آئی!

"مجھے آفندی صاحب سے کچھ کہنا ہے!" مشام نے کہا۔ قبل اس کے کہ نرس اس کا پیغام پہونچاتی ایمن خود اس کے پاس چلا آیا۔

"مس جبار۔ آپ خائف معلوم ہوتی ہیں!" اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی ہتھیلی ٹیک دی۔

"آپریشن کے وقت آپ تو موجود رہیں گے نا!" مشام نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا!

"آپریشن؟... وہ ابھی کہاں؟..." ایمن نے اسے تسلی دی۔ "پہلے ہم سب آپ کا معائنہ کریں گے۔ پھر ہفتہ بھر تک آپ کا علاج ہوگا۔ اس کے بعد کہیں جاکر آپریشن کی نوبت آئے گی۔"

"یا اللہ!" ایک طمانیت انگیز سانس مشام کے لبوں سے نکلی! "میں یونہی سمجھ کر دوڑی جا رہی تھی کہ ابھی اور اسی وقت آپریشن ہوگا۔

"جب بھی ہو۔ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ کا آپریشن میں کروں گا۔" امین نے کہا۔ پھر ہنس کر بولا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر ڈرتی ہیں حالانکہ کرنل جبار کی بیٹی کو کم از کم آدھا ڈاکٹر تو ہونا ہی چاہیئے تھا!۔ یس۔ کم آن!"

تمام ڈاکٹر۔ مشام کے اطراف اکٹھا ہو گئے!۔ اور وہ مردہ کی طرح بے حس و حرکت ہو گئی!۔ ویسے وہ محسوس کر رہی تھی کہ کئی ایک ہاتھ دیر کے دستانوں میں ملفوف اس کے جسم پر سرسرا رہے ہیں!۔ امین کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا!۔ ایک مرتبہ بھی اس نے مشام کی طرف نہیں دیکھا!۔ لیکن مشام کی نظریں اسی پر تھیں!۔ وہ اپنی خطرناک پوزیشن فراموش کر چکی تھی!۔ اور یہی سوچ رہی تھی۔ وہ کتنا خوب صورت ہے شفاف پیشانی۔ موٹی موٹی آنکھیں سخت اور خمیدہ پلکوں سے لدی پھندی عنابی ہونٹ بلند و بالا دلکش قد و قامت۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتی تو پھر کیا ہوتا!۔ نہیں نہیں.... اے خدا۔ مجھے کبھی صحت نہ عطا کر۔ میری بیماری اس کے قرب کا بہانہ ہے!۔ صحت و زندگی اسے مجھ سے دور کر دے گی!۔" اب تک وہ زندگی کی... دعائیں مانگتی رہی تھی!۔ اب موت کی دعائیں کرنے لگی!۔

وقت کا اسے پتہ بھی نہیں چلا!۔ کیا دیکھا تھا۔ ڈاکٹروں نے کیا فیصلہ کیا تھا! پھر وہ سب سیدھے کھڑے ہو گئے اور نرسوں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ تیز روشنی والے بلب آف کر دیئے گئے۔ ایک ایک کر کے وہ سب کمرے سے نکل گئے مشام طویل مدہوشی سے ہوش میں آ گئی!۔ نرسیں اس کے سر پر مسلط تھیں!۔ اور ڈاکٹر شہیر پاس کھڑا تھا!۔

مشام اسے پہچانتی تھی!۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا! شہیر نے اس کے پاس جھک کر کہا۔

"مسٹر آفندی کا فون آیا تھا۔ وہ چلے گئے!۔ میں آپ کا ٹریٹ منٹ کروں

گا!۔ ہفتہ بھر تک آپ پرائیوٹ وارڈ میں رہیں گی!۔ پھر۔ آپ کا آپریشن ہوگا!۔"

"آپ ٹریٹ کریں گے!۔ آفندی صاحب نہیں۔" مشام کا لہجہ مضمحل تھا!۔

"جی نہیں۔ مگر مشورے مجھے دیتے رہیں گے!۔" شہیر نے کہا اور نرسوں سے کہا کہ اسے اس کے وارڈ میں پہونچا دیا جائے!۔ مشام کو اب رتی بھر دلچسپی کسی بھی چیز سے نہ رہ گئی تھی۔ مردہ بدست زندہ ایک بستر سے دوسرے بستر پر پہونچا دی گئی!۔

تیسری منزل پر اس کا کمرہ تھا!۔ ہوادار، روشن اور بڑی اچھی سچویشن پر بنا تھا!۔ دور پر برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ نظر آرہے تھے۔ سرسبز میدان تھے کہیں نہر بہہ رہی تھی!۔ اور دیودار کے جھنڈ کے جھنڈ پہاڑوں پر ایستادہ تھے! مشام کو احساس نہ تھا!۔ کیا ہوا تھا اور کیا ہونے والا تھا!۔ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی!۔ سوچنے لگی!۔ نجانے کس کا فون تھا۔ جسے ایمن نے اس پر ترجیح دی تھی!۔ اسے پتہ بھی نہ چلا وہ کب گیا تھا؟۔ اس سے کہہ کر نہیں گیا!۔ نرسیں ہمیشہ کی طرح اب بھی منکر نکیر کی طرح سرہانے اور پائنتی کھڑی تھیں!۔ لیکن وہ گرد و پیش سے غافل اپنے خیالوں میں غلط پیچاں تھی!۔

کرنل صاحب دروازے سے جھانک گئے!۔ اور اسے سوتا سمجھ کر گھر چلے گئے! یوں بھی مشام کو تو اب یہیں رہنا تھا!۔ پھر شہیر ہاتھ میں سرنج لئے ہوئے آیا!۔ اور بازو میں انجکشن دے کر چلا گیا!۔ نرس آئی اور کوئی کڑوی کسیلی چیز اس کے حلق میں انڈیل گئی!۔ دوسری آئی اور کوئی پلاستر اس کے پیٹ پر چپکا گئی!۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ کیا فائدہ جب زندہ رہنا ہی نہیں ہے؟! سب بیکار۔ سب فضول۔ مگر وہ کچھ نہ بولی

ٹیلی فون بیگم حسن کا تھا۔

"فرصت ہو تو اب چلے آؤ!۔" وہ کہہ رہی تھیں "اور ہاں۔ انگوٹھی خرید لی تم نے؟"

"ابھی تک تو نہیں خریدی۔ امی۔" ایمن نے جواب دیا۔ "مگر اب جا رہا ہوں یہ تو بتائیے۔ کیا کیجئے گا آپ انگوٹھی کا۔ آپ کے پاس تو۔۔!"

"بڑی خوب صورت اور قیمتی خریدنا۔!" وہ بات کاٹ کر بولیں۔ "کسی کو پہنانا ہے۔ اور تم بھی جلدی آؤ۔ کچھ کھایا تھا دوپہر کو۔ ناشتہ بھی تم نے بہت کم کیا تھا۔!"

ایمن کو ان کی ماتا پر ہنسی بھی آئی پیار بھی آیا۔

"بہت کچھ کھا پی لیا تھا۔ میری امی!" وہ فون ہی پر ہنسنے لگا! "میں تھوڑی ہی دیر بعد گھر پہونچ رہا ہوں!۔"

"انگوٹھی سمیت!"

"جی ہاں!۔" وہ ریسیور تھامے کھڑا رہا۔ پھر جب ادھر سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تو اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہی کیا کہ اپنے ڈرائیور کو قیمت دے کر روانہ کیا کہ ایک بڑی خوب صورت انگشتری خرید لائے! اور خود جنرل وارڈ کی طرف بڑھ گیا۔

تیسرا پہر تھا! سائے طویل ہو گئے تھے۔ پانچوں منزلوں کا معائنہ کرتے کرتے شام ہو گئی۔ جگہ جگہ بلب جل گئے!۔ اسپتال میں شور ہو رہا تھا! واپسی پر ڈرائیور نے اسے ننھا سا کیس دیا۔ اس نے کھول کر دیکھا۔ سرخ مخمل میں ایک بڑی پیاری انگوٹھی رکھی ہوئی تھی! کیس اس نے مٹھی میں دبا لیا۔ اور تیز تیز قدموں سے شام کے کمرے کی طرف بڑھ گیا!۔

وہ دروازہ ہی کو دیکھ رہی تھی۔ ایمن دکھائی دیا اور شام کے تن بیجان میں جان آگئی۔

"سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے ناس جبار؟"۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا!۔

جی۔ ہاں" وہ مسکرائی" مگر۔ میں آپ کو کتنی تکلیف دے رہی ہوں!۔

"یہ تو میرا کام ہی ہے!۔ وہ بھی مسکرایا" آپ کہئے۔ یہاں گھبرا تو نہیں رہی ہیں"

اس وقت گھبراتی ہوں جب آپ بڑی دیر تک نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں!" شام کی آواز اور اس کے لب ولہجہ نے ایمن کو چونکا دیا۔

"ڈاکٹر۔!" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی" میں اسی شرط پر یہاں رہوں گی کہ آپ ہر وقت میرے سامنے رہیں۔ ورنہ میں کسی کو اطلاع دیئے بغیر یہاں سے نکل بھاگوں گی۔ چاہے میں راستے ہی میں مر جاؤں!۔ آپ کو دیکھے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی!"

"یہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ محترمہ!" ایمن کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے!" میں نے وعدہ تو کیا ہے کہ میں۔ جب بھی موقع ملے گا۔ آپ کے پاس موجود رہوں گا!۔ میرے دوسرے مریضوں کو بھی میری ضرورت ہوتی ہوگی!"

"نہیں۔ ڈاکٹر۔ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی!" شام نے ضدی لہجے میں کہا" آپ نے مجھ پر سحر کر دیا ہے۔ آپ کی دید میری زندگی ہے۔ آپ کا تغافل مجھے موت سے ہم کنار کر دے گا!۔ آپ نے مجھے زندگی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ خدارا! مجھے حیات کی جگمگاتی راہوں پر سے گھسیٹ کر موت کی سرد اور تاریک وادی میں نہ پھینک دیجئے گا!۔ ڈاکٹر۔ میں بہت مظلوم

ہوں۔ مجھ پر رحم کیجئے!۔ خدا کا واسطہ۔!"

پھر وہ سسکنے لگی۔" آپ نہیں جانتے!۔ کون کون سے احساسات آپ نے مجھے عطا کئے ہیں۔ آپ سے ملنے سے پہلے میں نے کبھی جینے کی خواہش نہیں کی تھی!۔ آپ مجھ سے ملے اور مجھ میں زندگی انگڑائیاں لینے لگی!۔ ڈاکٹر وہ موت بہت اچھی ہے جو آپکے ہاتھوں آپکے سامنے آئے۔ وہ زندگی کس کام کی جو آپ سے دور رہ کر گزرے۔ نہیں۔ ڈاکٹر۔ نہیں۔ آپ اتنے بیدرد تو نہیں ہوں گے!؟"

"آپ اتنی پریشان نہ ہوں۔ مس جبار۔ یقیناً اس طرح سوچنا آپ کے لئے بہت مضر ہے۔" ایمن سکتے میں رہ گیا تھا۔ یہ نیا گل کھلا۔ اسے ڈھنگ سے جواب دینا بھی نہیں آیا۔

"میں مجبور ہوں… ایمن….!" مشام نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "یہ سب کچھ میں خود سے نہیں سوچتی۔ زبردستی ایسے خیالات طغیانی کی طرح میرے ذہن میں اچھل مچادیں تو میں کیا کروں…. ایمن… آپکی محبت میں شرم و حجاب کے بندھن بھی میں نے توڑ ڈالے۔ میں آپ سے محبت کی بھیک مانگ رہی ہوں!۔ ایک مجبور، معذور اور مظلوم ہستی۔! اگر آپ کی محبت میں اپنے دکھ بھی میں بھول گئی!۔ مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہا۔ کاش میں نے آپ کو نہ دیکھا ہوتا یہ میری تقدیر کا کون سا ستم ہے!؟"

ایمن کا دل دہل گیا۔ وہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ مشام اسطرح پھوٹ پھوٹ کر روئے!۔ وہ سوچنے لگا اگر اس نے ہنگامی محبت کا جواب محبت ہی سے نہیں دیا تو پھر اس کا دل ٹوٹ جائے گا!۔ اس نے یہ بھی سوچا۔ کون جانے۔ یہ لڑکی اس بستر سے صحت مند ہی ہو کر اٹھے!۔ کون کہہ سکتا ہے کل کیا ہو جائے وہ تو موت کے دہانے پر کھڑی تھی!۔

"مس جبار۔!" اس نے کہا۔ "اگر آپ یہی چاہتی ہیں۔ تو یہی سہی۔ مجھے آپ اپنا ہی سمجھئے"۔ انگشتری کا ننھا سا کیس وہ ابھی تک ہاتھوں میں نچا رہا تھا! نہ جانے دل میں کیا آئی۔ یکبارگی ڈھکنا کھول کر انگوٹھی نکالی اور ہتھیلی پر رکھ کر شام کی طرف بڑھائی!۔

"اوہ۔ یہ کیا؟۔ آپ نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا!۔ شام کے چہرے پر شفق کا رنگ اترنے لگا!۔

"کیوں نہ سوچتا" وہ ہنس کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "جیسے خیالات آپکو ستا رہے ہیں کیا ویسے ہی خیالات مجھے نہیں ستا سکتے!۔"

ایمن۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ اپنے ہاتھ سے یہ انگوٹھی مجھے پہنا دیجئے اور ایمن نے اس کا ہاتھ تھام کر انگشتری اس کی انگلی میں پہنا دی۔ اور شام کے روکتے روکتے الوداع کہہ کر وارڈ سے نکل گیا۔

شام نے انگشتری پر لب رکھ دیئے!۔ اور بے اختیار کچھ گنگنانے لگی! پھر رات دھرتی پر اتر آئی۔

صبح ہی کو بیگم حسن نے پھر مرزا صاحب سے تذکرہ کیا!۔ وہ عموماً مرزا صاحب اور عطیہ بیگم کے ساتھ ناشتہ کرتی تھیں۔ چھوٹوں میں شامل ہونا انھیں پسند نہیں تھا!۔ ناشتے کے دوران انھوں نے اعادہ کیا اور پر مسرت لہجے میں مرزا صاحب سے بولیں۔

"بھیا۔ میں نے لڑکے کے کان میں بات ڈال دی ہے۔ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ابھی پر رسم کی انگوٹھی لیتا ہوا آئے!۔ اب میں کوئی بہانہ تمھارا نہ سنوں گی۔ اتنا کام کرو کہ سب کو ٹیلی فون کر کے بلا بھیجو۔ جویریہ اور فرحانہ آجائیں تو انتظام کر دیں۔ مجھ میں تو اب ہاتھ ہلانے کا بوتہ نہیں۔ رات کو چھوٹا سا عشائیہ ہو اور گھر ہی گھر میں منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔!"

"بھابی! واللہ آپ نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی ہے!" مرزا صاحب ہنسنے لگے۔! خیر آپ ہی کی خوشی سہی۔ میں سہیل اور غزنی کو فون کر دوں گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ شادی قدرے تاخیر سے ہو۔ باری بھی آجائیں! جیسا کہ انکا خیال ہے۔ دونوں لڑکیاں ساتھ ہی گھر سے رخصت ہوں!۔"

"ہاں ہاں تو باری کے آنے میں کیا دیر ہے!" بیگم حسن بولیں۔ "تمھارا خط تو مل چکا ہوگا!۔ ہفتہ بھر قبل ڈالا مل گیا ہوگا۔ مگر جو خط پرسوں لکھا ہے وہ تو شاید ابھی پہونچا بھی نہ ہوگا!۔"

"تو پھر ایک اور لکھ دو۔!" بیگم حسن نے ناشتہ ختم کر کے پاندان اپنی طرف کھینچا اور پان لگانے لگیں!۔ عزت اندر آئیں!۔

"خالہ اماں۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے!" انھوں نے بیگم حسن سے پوچھا "دو غنچیاں آپ کو اچھی لگیں۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کیلئے پکائی تھیں۔"

"بی بی وہ تو ایسی خستہ اور بھربھری تھیں کہ پوچھو نہیں۔" بیگم حسن نے کہا۔ "بس میرے لئے دو دانے ڈال دینا۔ اب ظہر کی نماز تک فرصت ہو گی!۔ تم نے بھی کھائیں کہ نہیں!۔ بچوں کو دی ہو تیں!۔"

عزت ان کے پاس ٹک گئیں۔ "خالہ اماں۔ ایک پان مجھے بھی لگا دیجئے!۔ ہے ممانی جان پڑی ہیں میں نے تو پان کھانا چھوڑ دیا۔ اب اپنے لئے کون

جھنجھٹ کرے!"

"بیٹی۔ مجھ سے کہتیں۔ میں لیٹے ہی لیٹے لگا دیتی"۔ بیگم عطیہ نے کہا۔ اور پر محبت نگاہوں سے عزت کو دیکھ کر بولیں "بھابی۔ سچ کہتی ہوں۔ عزت میرا خیال رکھتی ہیں۔ انھیں کے کرنے سے سب ہوتا ہے۔ کھانا، پینا، کپڑے لتے نہانا دھونا، غرضیکہ سب کچھ انہی کے لئے ہو۔ ورنہ میں تو یہ بھول گئی ہوں کہ نگوڑے کتنے گز میں میرا کرتا بنتا ہے!۔ ایسی سلیقہ مند، ہونہار اور نازوں کی پالی لڑکی کی تقدیر ایسی.... خدا کے کام خدا ہی جانے۔ ننھے ننھے لڑکوں کی صورت دیکھتی ہوں تو کلیجہ پھٹتا ہے۔ ابھی کل ہی۔ یزدانی پوچھ رہا تھا! نانی جان۔ ہمارے ابا کہاں ہیں!"

"اللہ کی مصلحت کون جانتا ہے!۔ شاید اسی میں کچھ بہتری پوشیدہ ہو!" بیگم حسن نے کہا۔ اور پان لگا کر عزت کی طرف بڑھایا جسے سلام کر کے عزت نے لے لیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عزت ہی نے پوچھا "اچھا خالہ اماں بتایئے دوپہر کو کیا کھایئے گا۔ ایمن بھائی سے بھی پوچھنے گئی تھی۔ مگر وہ آج اتنے سویرے ہی چلے گئے!"

"اب میرے لئے الگ زحمت نہ کرو۔ بیگم حسن نے کہا۔ "جو کچھ پکا دو گی کھا لوں گی۔ مگر لڑکی۔ رات کی دعوت کے لئے تم ہی کو سب انتظام کرنا پڑے گا!"

"کس کی دعوت ہے۔ خالہ اماں۔ آپ کے کوئی مہمان آ رہے ہیں؟"

عزت نے پوچھا۔

"بی۔ بی۔ اللہ رکھے۔ ایمن کی سنگنی ہے۔ آج رات!"۔ بیگم حسن مسکرائیں۔ عزت کا عجیب حال ہوا۔ اچھل پڑیں۔ "ایمن بھیا کی منگنی پر کیے

خالہ اماں۔ یہ راتوں رات کہاں منگنی طے ہو گئی کہ پتہ نہیں چلا کس کے ساتھ ہے!"

"کس کے ساتھ ہوتی۔ پہچانو بھلا!" بیگم حسن ہنس کر بولی۔ پھر خود ہی کہہ دیا۔ "فریال کے ہوتے اور کس کے ساتھ ہو گی؟"

"فریال کے ساتھ؟" عزت گلنار ہو گئیں! "مگر مشرف راضی ہو جائیں گے اس پر؟"

"مشرف۔ ان کا کیا تذکرہ ہے؟" بیگم حسن نے تعجب سے پوچھا۔

"میرا مطلب تھا کہ بچپن ہی سے فریال مشرف کو منگی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جھگڑا کریں۔" عزت نے کہا۔ "میں تو ان سے یوں بھی ڈرتی رہتی ہوں زبان کے بڑے خراب ہیں!"

بیگم حسن سناٹے میں رہ گئیں! اتنی بڑی بات اور مرزا صاحب نے تذکرہ نہیں کیا۔ مرزا صاحب الگ سہم گئے تھے۔ یہ کیا شوشہ چھوٹا۔ عطیہ بیگم کی طرف دیکھا۔ جنھوں نے بات سنبھال لی۔

"بھابی۔ تذکرہ ضرور تھا اور بات بھی ایک عرصہ پہلے مشرف کی والدہ سے ہوئی تھی۔ میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے اقرار کر لیا تھا۔ اگر مشرف کسی ڈھنگ کے ہوتے تو میں خود آپ سے نہ کہتی۔ مگر آپ ان کا مزاج دیکھتی ہیں۔ ایک پل تو بنے گی نہیں۔ فریال کی ان کے ساتھ! اس سے تو بہتر ہے۔ میں اسے بٹھائے رکھوں۔ مگر مرتے دم تک مشرف سے نہ بیاہوں گی۔ چاہے آپ کچھ بھی سمجھیے!"

"لیکن مرنے والی سے اقرار جو کیا تھا۔!" بیگم حسن نے تاویل پیش کی۔ "! کہا تو آپ نے۔ مرنے والی کا لحاظ کر کے میں اپنی لڑکی کو تو نہ مار ڈالوں

گا۔ عطیہ بیگم نے بیحد ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

خالہ اماں مجھے بہت شرمندگی ہے۔" عزت روہانسی ہو کر بولیں۔" میں نے ناحق یہ تذکرہ چھیڑ دیا۔ چونکہ مجھے مشرف کے مزاج سے خوف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہا تھا۔

بیٹی۔ شرمندگی کا ہے کی سچی بات تھی کہہ دی۔؟" عطیہ بیگم نے کہا پھر بولیں۔" ویسے مجھے تو خیال ہے کہ مشرف کو پتہ بھی نہ ہو گا!"

عطیہ۔ تمھیں ایمن سے نسبت پسند ہو یا نہ ہو۔ مگر میں تو خدا لگتی کہوں گی کہ تمھاری لڑکی مشرف کے قابل ہرگز نہیں ہے!۔ بیگم حسن نے کہا۔ ان کی خوشی کافور ہو گئی تھی!۔ مرزا صاحب نے بڑی دیر تک انھیں سمجھایا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی واضح کر دیا کہ چاہے نہ خود فریال سے رشتہ کرنے پر رضامند ہوں یا نہ ہوں لیکن قیامت تک فریال اور مشرف کی شادی نہیں ہو سکتی!۔

بھیا۔ تم جانو۔ مجھے کسی کے حق تلفی منظور نہیں۔ اللہ جانے کل کیا صورت پیش آئے۔" بھابی۔ گو مجھے کہنا نہیں چاہیئے۔ مگر میں آپ سے کہہ دوں کہ فریال کی شادی ہو گی تو صرف ایمن سے۔ ورنہ فریال عمر بھر یونہی بیٹھی رہے گی آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں جس بات کا ارادہ کرتا ہوں۔ پھر نہیں ٹلتا۔ چاہے آپ کی بددلی اور بدگمانی سے فریال کی آہوں کا بوجھ اور صبر کا پشتارہ مجھے اپنے ساتھ قبر میں لے جانا پڑے۔ مگر میں اس کی شادی مشرف سے تو قیامت تک نہیں کروں گی۔ اب آپ جانیں آپ کا کام۔ میں تو کہہ چکا کہ فریال میری نہیں آپکی لڑکی ہے!۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ مشرف کے ساتھ خوش رہے گی تو بسم اللہ میں منہ نہ کھولوں گا۔ بیاہ دیجیئے اسی کے ساتھ!۔"

"بھابی۔ بے سہارا بھانجے کا خیال ہے۔ ورنہ میں سچ کہتی ہوں کہ یہ اس

قابل بھی نہیں کہ یہاں رہے۔ اس کا سلوک آپ شمعی سے دیکھتی ہیں۔ بہن کی امکان بھر دل شکنی کرتا ہے۔ بیوی کو بھلا کیا خاطر میں لائے گا! عطیہ بیگم بولیں

"مگر وہ تمھارے عزیز تو ہیں!" بیگم حسن نے کہا۔

"بھابی۔ بس کیجئے۔ بے ادب شرط، منھ نہ کھلوائیں!" مرزا صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

بیگم حسن ہنسنے لگیں۔ دل پھر صاف ہو گیا! عزت کے سر سے الزام ٹلا دیسے مرزا صاحب اور عطیہ بیگم بھی خوش تھے کہ اچھا ہوا۔ بات پوشیدہ نہ رہی۔ اگر منگنی کے بعد کھلتی تو کیا ہوتا؟ عزت دعوت کے انتظام میں اٹھ گئیں! اور مرزا صاحب سہیل و غضنفر کو ٹیلی فون کرنے چلے گئے

شمعی چائے کے بعد ایمن کا کمرہ صاف کرنے چلی گئی تھی! ہمیشہ کی طرح تبسم اور مسرور۔ ایک ایک چیز صاف کرتی اور اپنی جگہ پر رکھ دیتی! مسہری کی چادر بدلی۔ تکیہ کے غلاف چڑھائے۔ ریک میں کتابیں قرینے سے لگائیں۔ آتشدان جھاڑ پونچھ کر صاف کیا اور پھر مسہری کے پائنتی ٹک گئی۔ اس کی نگاہیں سامنے کارنس پر آویزاں ایمن آفندی کے بڑے سے پورٹریٹ پر رکیں۔ اور رک ہی کر رہ گئیں! سیاہ سوٹ میں ملبوس۔ دلکش خدوخال۔ روشن پیشانی۔ بڑی بڑی آنکھیں مسکراتے ہوئے ہونٹ۔ تصویر شمعی کو گھورنے لگی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور بے ساختہ جھینپ کر شمعی نے پلکیں جھکا لیں!۔

جلدی جلدی سب کچھ سمیٹا اور زینے اتر گئی!۔

"آؤ۔ آؤ۔ ایک خوشخبری سناؤں!" عزت نے اسے دیکھ کر کہا۔ "ناچنے لگے گی!۔"

شرف برآمدے میں کین چیئر پر نیم دراز اخبار پڑھ رہا تھا!۔ اس کی توجہ ادھر

ہی ہو گئی۔ اچانک عزت کو بھی خیال آگیا اور وہ شمعی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے کچن میں مڑ گئیں۔ مشرف بھی اخبار میز پر ڈالتا ہوا اٹھ گیا اور ٹہلتا ٹہلتا کچن کے روشندان کے عین نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"بولیے۔ جلدی سے۔ عزت آپا... کون سی خوش خبری ہے؟" شمعی کی آواز آئی۔

"ارے کچھ نسبت کی بھی خبر ہے۔ گڑیا رانی!" عزت کی آواز جوشِ مسرت میں کپکپا رہی تھی!!۔

"مشرف!" دفعتہً مرزا صاحب نے برآمدے کے سرے سے آواز دی۔ "وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ بیٹا۔ مجھے ایک جگہ جانا ہے!۔ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکال دے!۔"

مشرف جھنجلا تو گیا تھا۔ مگر وہاں سے چلا گیا

"کچھ بولیے بھی عزت آپا۔!" شمعی نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

"فریال سے کہو۔ اپنی تقدیر پر ناز کرے۔ آج شام اس کی اور امین بھائی کی منگنی ہے" عزت نے کہا۔ اور ہنس کر بولیں۔ "راتوں رات خالہ اماں نے کلھیا میں گڑ پھوڑا۔ خبر بھی نہ کی مجھے تو ابھی ابھی پتہ چلا۔ میں تو جا رہی ہوں دعوت کا انتظام کرنے۔ تم فریال سے کہہ دینا۔"

یہ کہہ کر وہ تو چل دیں۔ مگر شمعی دم بخود ششدر اور مبہوت سی جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی!۔

منگنی؟۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

اس نے دیکھا تھا۔ بھرے پُرے کھلیان کو کس طرح بجلی آنِ واحد میں جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ یکبارگی اس کی راہوں میں جلتے ہوئے چراغ تیز و تند آندھیوں

میں بجھنے لگے!۔ اس کی روشنی راہوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ایسا گھور اندھیرا جس میں وہ ٹھوکریں کھانے لگیں! اس کے آنسو گھوٹ کر انگارے بن گئے اور ہستی کو نیستی کر دیا۔ اس کے قدم زمین میں گڑ گئے!۔ دل کی حرکت رکنے لگی!۔ جو کچھ اس کے ہاتھوں میں تھا وہ ایک ایک کر کے گر گیا!۔ اور وہ عمیق خلاؤں میں بے نور آنکھوں سے تکتی رہ گئی!۔

بہار آنے سے پہلے ہی گلستاں میں خزاں کے ڈیرے لگ گئے!۔ پروردگار! یہ کیا کیا؟۔ وہ رونا چاہتی تھی! مگر ایک آنسو تک اس کی پلکوں کو گیلا نہ کر سکا! بس وہ کھڑی رہی اور تقدیر اس کی شکست پر قہقہے لگاتی رہی!۔

فریال کو ابھی تک کسی بات کی خبر نہ تھی۔ اس کے پاس اس کی سہیلیاں آئی ہوئی تھیں ہو حق مچ رہی تھی!۔ وہ نئی دلہن بھی مدعو تھی۔ جس کی شادی میں فریال ماں کو بیمار چھوڑ کر گئی تھی اور واپسی پر ایمن کا ساتھ ہوا تھا۔ سب مل کر اسے بیوقوف بنا رہی تھیں!۔

"میں حیران ہوں" رخشندہ نے بڑی بوڑھیوں کی طرح ناک پر انگلی رکھ کر کہا: "دولھا میاں نے یہاں تک آنے کیسے دیا۔ اب تڑپتے ہوں گے بیچارے!"

"اور میں کہتی ہوں۔ تمہیں دولھا میاں کی فکر کیوں پڑ گئی!" رضیہ نے جھڑک کر جواب دیا: "یہ ایسی ہی کدگلی ہے۔ دوسرے کے دولھاؤں کی اسے بڑی پریشانی رہتی ہے!۔

"دور پار مری۔ مجھے کیا": رخشندہ بولی: "میں یہ کہہ رہی تھی کہ اکیلے نہیں چھوڑ دینا چاہیئے، اگر تو نہ بھی اپنی دلچسپیاں ڈھونڈ لیں تب!"

نئی دلہن ساحرہ نے بڑی لاپرواہی سے کہا: "بہت اچھا ہو یہ پیچھا چھوٹے کسی طرح بلا!"

"فریال تم بڑی جھوٹی ہو۔" دفعتاً شبنم نے اسے کھسوٹ کر کہا۔ "ٹی پارٹی کا وعدہ کیا اور کہہ کے کیسی پھر گئیں!۔"

"جس نے کیا ہو اس سے شکایت کرو۔ میں کون ہوتی ہوں!" فریال بولی۔

"کوئی نہ کوئی تو ہو گی ہی۔ اور پھر ایشیں اور تمھیں ہم الگ الگ کب سمجھتے ہیں!" رضیہ نے کہا۔

"میں خود بھی بھول گئی تھی!" فریال ہنس کر بولی۔ "یاددہانی بھی کرائی یا نہ رہی"

"اچھا تو اب تم سزا بھگتو!" شبنم نے کہا۔ "ان کی طرف سے جب تک پارٹی نہ دو گی ہم پیچھا چھوڑنے والے نہیں!۔"

"اچھا بھائی۔ یوں ندیدے پن کی باتیں نہ کرو۔ پلوا دیں گے چائے!" فریال بور ہو گئی!۔ عورت نے چاہا تھا کہ فریال کو بھی آگاہ کر دیں۔ لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گئیں کہ وقت پر پتہ چلے گا تو اور خوش ہو گی!۔ انھوں نے چائے اور لوازمات ملازم کے ہاتھ سے بھجوا دیے اور خود کھانوں کی فہرست لکھنے لگیں۔

شمعی نہ جانے کب تک وہاں کھڑی رہی تھی۔ ملازم اسے تحیرانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر کس کی مجال تھی کہ اس سے کچھ پوچھتے!۔ پھر ایک ملازم نے پاس آ کر چپکے سے کہا۔

"بی بی۔ آپ کو چھوٹے سرکار بلا رہے ہیں!۔"

چھوٹے سرکار وہ مشرف کو کہتا تھا!۔ شمعی خواب غفلت سے بیدار ہوئی!۔ کہاں کھڑی تھی۔ کیا سوچ رہی تھی اب سوچنے کو باقی کیا رہا ہے؟۔ اُسے مشرف کے قرب سے ہمیشہ دحشت ہوتی تھی مگر اب چلی ہی گئی!۔

مشرف کمرے کے اندر ٹہل رہا تھا!۔ اس کے انداز سے بے چینی ہویدا تھی!۔ ایک نظر شمعی پر ڈالی اور سرد لہجے میں کہا۔ "اندر آؤ شمعی!۔"

شمعی اندر آئی اور میز کے سہارے ٹک گئی! - اس نے مشرف کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی! -

"مجھے بتاؤ - کون سی خوشخبری تھی - جو عورت نے تمھیں سنائی ہے!"

شمعی کو معلوم تھا! - ثریال کے سلسلے میں اکثر مشرف کا نام لیا گیا تھا - پھر اب یہ نئی بات سُن کر وہ کیا کہے گی! - مدھم لہجے میں بولی "پتہ نہیں بھیا! وہ کچھ کہنے چلی تھیں کہ انھیں خالو ابا نے آواز دے لی!"

"میری طرف دیکھو!" مشرف نے کہا اور شمعی نے ڈرتے ڈرتے اپنی پلکیں اٹھائیں مشرف کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شدید غصے کو بمشکل تمام ضبط کر رہا ہو! - شمعی کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن اس نے وجہ معلوم کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی! -

"تمھیں یقین ہے کہ تم سچ بول رہی ہو؟"

"ہاں - بھیا! -

تم جھوٹ بولتی ہو - شمعی! - کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ آج دھو کے باز بڈھے نے ثریال کی منگنی کا اعلان کیا ہے!" مشرف نے دانت پیستے ہوئے کہا -

"نہیں بھیا! -"

"ہاں بھیا - نہیں بھیا! - اس کے سوا تمھیں کچھ اور بولنا نہیں آتا!" مشرف نے زہریلے لہجے میں کہا "میں نہیں جانتا کہ تم یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپا رہی تھیں اس کا کبھی احساس نہیں رہ گیا کہ اس خبر سے مجھ پر کیا گذری ہوگی - تمھاری غیرت نے ذرا بھی جنبش نہیں کی - اپنی تو ہمن پر میرا خون کھول رہا ہے - مرزا صاحب نے ذرا بھی نہیں سوچا - ثریال بچپن ہی سے میری منگیتر رہی ہے - وہ اس گنوار ڈاکٹر پر فدا ہو گئے! - خیر - میں بھی دیکھوں گا - آج کیسے اور کیونکر یہ رسم

ادا ہوتی ہے!۔"

"بھیا آپ کیا کیجیے گا!۔" شمعی ڈاکٹر اسے دیکھنے لگی!۔

"یہ تم دیکھ ہی لوگی!۔" مشرف نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم بھی یہی چاہتی ہو۔ فریال اس مغرور ڈاکٹر کے حوالے کر دی جائے!۔ مجھ سے کسی قسم کی ہمدردی اور محبت تمھیں نہیں ہے۔ ایک گھر میں ہم غیروں کی طرح رہتے رہیں۔ تم میں یہ احساس بھی نہیں کہ تم اوروں کی روٹیوں پر پل رہی ہو۔ لیکن یہاں کے ایک لقمے کے عوض ہزار شرمندگیاں بھی مجھے حلق سے اتارنی پڑتی ہیں۔ میں اس گھر سے اس ماحول سے دور بھاگنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے کہ اب کی میرا تقرر کالج میں ہو جائے!۔ میں یہاں سے جاؤں گا اور تمھیں بھی لے جاؤں گا۔ اوروں کے ساتھ ساتھ۔ تمھارا طرز عمل بھی میرے لیے ناقابل برداشت ہے!۔"

"بھیا۔ یہ آپ غلط سوچتے ہیں!۔ میں تو آپ ہی کی محبت کو ترستی ہوں

"تمھیں محبت ہے مجھ سے!۔"

"ہاں بھیا!۔"

"کسی قسم کی قربانی کر سکتی ہو میرے لئے؟۔"

"جان تک دے سکتی ہوں آپ کے لئے!۔" وہ حسرت سے بولی۔

"تو پھر میری خاطر اتنا کرو کہ ایمن کو کسی نہ کسی طرح اپنی طرف راغب کر لو فریال خود بخود میری ہو جائے گی!۔" وہ بڑے سفاک انداز میں مسکرایا۔ اور اس وقت شمعی کو وہ بردہ فروش لگا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ جو اپنی چھوٹی بہن کا سودا کر رہا تھا!۔ "یہ دسٹی ٹیوشن؟" (فحاشی) شمعی کے رونگٹے جھن سے کھڑے ہو گئے!۔

"آپ کی ناپاک آرزو پر میری زندگی بھینٹ نہیں چڑھے گی!" شمعی دفعتہً دلیر بن گئی۔ "مجھے ایمن بالکل پسند نہیں!۔ آپ کی شادی فریال سے ہو یا نہ ہو۔ میں مرتی مر جاؤں مگر یہ نہیں کر سکتی جو آپ چاہتے ہیں!۔ اگر آپ نے فریال کا بال بھی بیکا کیا تو میں آپ کا شرمناک فیصلہ سب سے کہہ دوں گی!"

مشرف جو پہلے ہی سے پیچ و تاب کھا رہا تھا!۔ شمعی کے اس جواب سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کا بے رحم ہاتھ اٹھا۔ اور شمعی کے نرم و نازک گال پر پانچوں انگلیوں کا سرخ نشان چھوڑ گیا!۔ شمعی لڑکھڑا گئی!۔ اس کے لبوں سے ایک درد آلود چیخ نکلی اور وہ سنبھلتے سنبھلتے فرش پر گر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے!۔ اور وہ فرش پر پیشانی ٹیک کر سسکیاں لینے لگی۔

مشرف پردہ ہٹا کر باہر نکل گیا!۔ پھر وہ گھر پر نہیں رکا۔ گھر پر کیسے ٹھہرتا۔ اس کے دل میں تو بھٹی دہک رہی تھی!۔

شمعی فرش پر ہی پڑی روتی رہی۔ اس کا دل خون ہو کر آنکھوں سے بہہ رہا تھا!۔ جس بات سے وہ آج تک ڈرتی رہی تھی۔ وہی بات ہو گئی!۔

فریال اپنی دوستوں میں بیٹھی ہنس بول رہی تھی!۔ مرزا صاحب اور عطیہ بیگم دعوت کا سامان کر رہے تھے!۔ بیگم حسن کو اپنے بیٹے کا انتظار تھا!۔

بارہ بجتے بجتے سہیل و جویریہ غضنفر اور فرحانہ بھی آ گئے!۔ ان کے ساتھ بچے بھی تھے۔ گھر منہ سے بولنے لگا۔ ان سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے!۔ کتنی بڑی خوشی تھی!۔ جویریہ نے آتے ہی فریال کو پوچھا۔ ادھر فریال اپنی بہن بھاوج کی آمد کی خبر سُن کر خود بھی باہر نکل آئی اور دفعتہً جویریہ نے اسے لپٹا لیا!۔

"مبارک ہو!" فرحانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کاہے کی مبارکباد۔ بھابی؟!" فریال نے حیرت سے پوچھا!۔

"اللہ رے تغافل ؟.....!" فرحانہ نے بڑے ناز سے کہا: "اب ہم سے بھی پردہ ـ!"

"کسی نے اسے خبر ہی کہاں کی!" عزت کھلکھلا کر ہنس دی: "میں نے چھپایا تھا اس سے یکبارگی پتہ چلتا تو اور متحیر ہوتی!"

"ارے۔ بولیے نا۔ عزت آپا۔ آخر کیا بات ہے؟" فریال ٹھنکی!

"بڑی شاندار بات!" اچانک قہقہہ لگایا: "مٹھائی کھلاؤ تو کہہ دیں کہ محترمہ شام تک نصف بیگم آفندی بن جائیں گی!"

"اوں! ہٹیے!" فریال ان سب کے سامنے غیر معمولی طور پر شرما گئی!۔

"ہٹیے دہٹیے کیا۔ دعوت کا انتظام دیکھ ہی رہی ہو" سہیل بولے: "واقعی چچی اماں نے جھٹ منگنی پٹ بیاہ کا محاورہ سچ کر دکھایا۔ بھئی۔ میرے بھائی کی شادی ہے۔ میں ابھی جا کر چچی اماں سے نیگ لیتا ہوں!"

"بھئی واہ" غضنفر ہنس پڑے "عجیب احمق ہو۔ وہ تمہارے بھائی ہوئے کہ ہمزلف آدھی ساس تو چچی اماں ہوئیں۔ ان سے شرماؤ گے کہ نیگ لوگے!"

اب نیگ ہی کی ٹھہری تو تھوڑی دیر کے لئے شرم کو طاق پر رکھ دونگا!" سہیل نے کہا۔

"تو پھر چلو۔ میں بھی چلوں۔ شاید چچی اماں کو مجھ پر بھی ترس آجائے!" غضنفر بولے اور دونوں بچوں کی طرح ہنستے ہوئے وہاں سے چلے گئے!۔

فریال حیرت اور تعجب سے ان کی باتیں سن رہی تھی!۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ سب کیا تھا؟۔

"اے عزت۔ میں کہتی ہوں۔ تم یہی سب کچھ کرتی رہو گی کہ کچھ اپنی خبر لوگی!"۔

دفعتہً جویریہ کی پرمسرت آواز فریال کے کان میں پڑی: "آخر ہم سب بھی چلیں نا!"

کچھ نہ کچھ تو خریدنا ہی ہے!۔ چھوٹی موٹی شادی تو ہو ہی جائے گی!"

"اللہ۔ یہ بھی اماں ۔" فرحانہ نے اٹھلا کر کہا "بھئی پہلے سے نہ کہلوادیا۔ اب اتنی ذرا سی دیر میں کیا کرو گی! میرا تو گلے کا ہار بھی ٹوٹا پڑا ہے!"

"اب ہار وار پھر دیکھنا" عزت نے کہا۔ "ذرا میرا ہاتھ تو بٹاؤ۔ خانساماں اکیلے کیا کیا کرے۔ تم شاہی ٹکڑے دیکھ لو۔!

"ایمن بھیا ہیں کہاں؟" فرحانہ نے پوچھا۔

"کچھ خریداری ہی کرنے گئے ہوں گے" عزت ہنس کر بولیں "آج تو وہ سویرے ہی گھر سے نکل گیا!"

ہاں بھئی۔ سسرال کے نام سے تھوڑی بہت شرم تو آئی ہی ہو گی!۔ فرحانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

فریال وہاں سے بھاگ آئی!۔ دل کی بے پناہ دھک دھک سے پریشان کان جل رہے تھے۔ چہرہ سرخ۔ جیسے آگ لگ گئی ہو۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور آنکھیں بند کر کے لمبی سانسیں لینے لگی!۔

"کیا ہوا گیا۔ بات ہے؟۔ اُو۔ فریال کی بچی!۔" شبنم نے اسے جھنجھوڑا مگر وہ خاموش ہانپتی ہی رہی!

"شفاعت والا حادثہ تو تم پر نہیں گذرا" رضیہ نے ہنس کر پوچھا۔

فریال کیا کہتی۔ کیونکر کہتی وہ تو اپنے آپے ہی میں نہ رہ گئی تھی!۔ چپ چاپ وہاں سے ہٹی اور پلنگ پر آ بیٹھی۔ رضیہ بیزار ہو رہی تھی۔ اٹھی اور باہر جا کر عزت سے فریال کی بد حواسی کی وجہ پوچھ آئی!۔ لڑکیوں کو پتہ چلا شام کو فریال کی منگنی ایمن سے ہو رہی ہے!۔ وہ سب تو مارے مسرت کے پاگلوں سے بدتر ہو گئیں! کسی نے ناچنا شروع کیا۔ کوئی حلق پھاڑتے بیٹھ گئی! اور دو تین نے فریال کو

گھونگھٹ اڑھا کر بٹھال دیا۔ خود اس کے ارد گرد بیٹھ کر سہاگ گانے لگیں!۔ تھوڑی ہی دیر میں گھر واقعی شادی کا گھر معلوم ہونے لگا!۔ شبنم نے اپنے بھائی کو فون کر کے روشن چوکی منگوائی اور گھنٹہ بھر کے اندر مرزا صاحب کے دروازے پر شہنائی بجنے لگی!۔

بیگم حسن کو شدت سے ایمن کا انتظار تھا! رہ رہ کر ان کا دل دھڑک اٹھتا۔ بار بار وہ آنچل آسمان کی طرف پھیلا دیتیں اور خود بخود زبان سے دعا پھسل جاتی۔

پروردگار میری لاج رکھ لے۔ اے اللہ۔ یہ خوشی مجھے سزا وار ہو۔

نہ جانے وہ اس قدر کیوں گھبرا رہی تھیں۔ جب ضبط نہ کر سکیں تو جانماز پر تسبیح لے کر بیٹھ گئیں۔

گھر میں ہنگامہ شباب پر تھا!۔ روشن چوکی پیا ملن کے گیت گا رہی تھی!۔ لڑکیاں فریال کے کمرے میں گا بجا رہی تھیں!۔

شام ہوتے ہوتے ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ہار پھول مٹھائی اور انگشتری آگئی!۔ مگر ایمن کا کہیں پتہ نہ تھا!۔

پھر چراغ جلتے ہی تمام میں اس کی پکار پڑ گئی!۔

بیگم حسن نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا اور پھر سول اسپتال کے نمبر ملائے!۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر شہیر نے جواب دیا۔

"جناب وہ گھنٹہ بھر پہلے ہی اسپتال سے جا چکے ہیں!"

سر دو ساکت ہو کر بیگم حسن نے ریسیور رکھ دیا!۔ اور مبہوت و دم بخود میز ہی کے پاس کھڑی ہو گئیں!۔ گھنٹہ بھر پہلے ہی نکل گیا تو کہاں گیا۔ جبکہ انھوں نے بار بار تاکید کر دی تھی کہ وقت سے قبل گھر پر موجود رہے!۔

"کیا میں نے غلطی کی۔ ایمن سے تذکرہ نہیں کیا!" وہ اپنے آپ بڑبڑائیں!۔

"چچی اماں۔ میں اندر آؤں۔ آپ کیا کر رہی ہیں؟" جویریہ نے باہر سے آواز دی۔

بیگم حسن کا جواب سُن کر جویریہ اندر آئیں!۔ اور انھیں مضطرب دیکھکر جویریہ کا ماتھا ٹھنکا!۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ چچی اماں۔ وہ نہیں آئے ابھی تک؟"

"آتے ہوں گے بیٹی" بیگم حسن نے جواب دیا "میں خود تمھارے ڈرائیور سے پوچھوں!"

بیگم حسن باہر نکلیں۔ شوفران کی طلبی پر دوڑ آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس سے کچھ گفتگو کرتی رہیں۔ کبھی ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے کبھی غصے کے؟ پھر کسی کو اطلاع دیے بغیر بیگم حسن بھی کہیں چلی گئیں!۔

جمشید منزل چہ میگوئیوں اور سرگوشیوں کی آماجگاہ بن گئی!۔

زرنگار۔ ایمن کی نئی کوٹھی اس کی پسند کے مطابق سنوار دی گئی تھی!۔ کوٹھی کا جائے وقوع بہت اچھا تھا۔ پشت پر کسی راجہ کے قدیم قلعہ کے عظیم الشان آثار تھے! اور سامنے خوب صورت عمارتیں۔! اس کی کوٹھی خود بھی بڑی خوبصورت تھی! طویل لان، جالی دار شہ نشین، آراستہ پورچ اور نفیس و معطر دو طرفہ باغ!۔ کوٹھی کے عقب میں بہت سی افتادہ زمین تھی۔ جسے خرید کر ایمن اپنا ذاتی اسپتال بنانے

کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ روز یہاں تھوڑی دیر کے لئے آتا اور اپنے پُرسکون... ریڈنگ روم میں بیٹھ کر مستقبل کے خوشگوار پلان بناتا! زمین کی خریداری کا مسئلہ زیرِ غور تھا اور تقریباً روز ہی، وہ ایک انجینئر سے اسپتال کی تعمیر کے سلسلے میں گفتگو کرتا! اسکے ملازم بھی بڑے دو تین مستقل طور پر یہیں رہتے تھے!۔

شام ہو چکی تھی!۔ جب اس نے زرنگار پہنچ کر مرزا صاحب کی کار رخصت کی اور فکر مند انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا!۔ ملازم کچن میں چلے گئے اور وہ باغ کے سامنے برآمدہ میں آ بیٹھا!۔

ایک عجیب سا اضمحلال اور تھکن اس پر محیط تھی!۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا!۔ اسے کیا سوچنا چاہیئے۔ دماغ پراگندہ تھا! وقت و ماحول سے غافل وہ کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹیکے صرف یہی سوچ رہا تھا۔ جب اس کے متعلقین کو اس کی جذباتی حرکت کا پتہ چلے گا تو کیا ہوگا؟ بیگم حسن کیا اقدام کریں گی۔ نریال پر کون سا اثر مرتب ہوگا؟ اور کرنل جبار۔ وہ تو بالکل لاعلم ہیں۔ کہیں وہ یہ نہ سوچیں اپنی ہنگامی غرض کے تحت اس نے ان کی لڑکی کو جذباتی بندھن میں باندھ دیا ہے... شام کی غلطی اور ناسمجھی کا انھیں کبھی یقین نہیں آئے گا!۔

کسی کے علم و اطلاع کے بغیر اسے یہ قدم اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔

ایک سر و رے کے انگوٹھی پہنا دی۔ کیا وہ سچ مچ اس سے شادی کرے گا؟!۔

ملازم نے چھوٹی ٹی پائی پر چائے اور لوازمات سے بھری ہوئی ٹرے رکھ دی اور ایمن کا پاؤں چھو کر اسے متوجہ کیا!۔ ایمن نے آنکھیں کھول دیں اور آہ بھر کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے چہرے پر اپنی غلطی کا صدمہ منجمد ہو چکا تھا!۔ اس نے گھبرا کر کنپٹیاں جکڑ لیں!۔

"سعادت سے ضبط نہ ہوا۔ ڈرتے ڈرتے پوچھا "حضور!۔ آپ بہت پریشان

ہیں آج!" ایمن اپنے ملازموں پر بھی بہت مہربان تھا۔ تبھی انھیں اس قسم کے سوالات کی جرات ہوئی تھی۔

"ہاں بھئی" اس نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "کچھ ایسی ہی پریشانی ہے سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا کرنا چاہیے!۔

"سرکار۔ چائے تو پی لیجئے۔ شاید طبیعت سنبھل جائے!" سعادت نے کہا اور نمک پاروں کی پلیٹ اسے پیش کی!۔ ایمن نے اس کی خاطر دو ایک نمک پارے اٹھا کر لبوں میں داب لئے! سعادت نے جھپٹ کر چائے بنائی اور پیالی اسے تھما دی!۔

"سرکار کوئی بری بات ہے!۔ آپ تو بہت فکر مند معلوم ہوتے ہیں!"

"ہاں۔ ایک کیس بگڑ گیا۔ مجھ سے!" ایمن نے کہا اور کپ ہونٹوں سے لگا لی۔

اتنے میں دوسرا ملازم اندر آیا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"حضور۔ باہر نکلئے۔ بیگم صاحب تشریف لائی ہیں!"

"بیگم صاحب..." ایمن کے ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹ گئی! کانپتے ہوئے لبوں سے کہا "امی آئی ہیں!" اور اپنے بے داغ قمیص پر گری ہوئی چائے کو ہاتھ سے جھاڑتا ہوا باہر دوڑا۔

بیگم حسن کار سے اتر رہی تھیں! ماں بیٹے کی نظریں چار ہوئیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہ گئے!۔ ڈرائیور نے کار بیک کی اور لان کے آخری سرے پر کھڑی کر دی! ملازم نے پہلی بار اپنی مالکن کو نئے گھر میں دیکھا تھا وہ انکی ضیافت کے انتظام میں بھاگے۔!

بیگم حسن زینہ طے کر کے پورچ میں آئیں اور ایمن نے کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس کر ان کی پذیرائی کی "اوہو۔ امی۔ آخر آپ نے اپنا گھر تلاش ہی کر لیا۔ آپ کو ضرور پسند آئے گا!۔ آپ کی تھکان رفع ہو جائے تو پھر میں آپ کو۔!"

بیگم حسن نے اس کی بے ربط باتوں پر دھیان بھی نہیں دیا۔ اوپر آئیں اور چوکیدار کی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔ "مجھے آج بڑی تکلیف پہونچی، ایمن۔ تم سے میں نے بار بار جلد تر واپس آنے کی تاکید کی تھی۔ اس کا تم نے یہ خیال کیا کہ یہاں آکر بیٹھ گئے۔"

یہ کسی غیر کا گھر تو نہیں ہے!۔ امی آپ کا ہی گھر ہے۔ ابھی پچھلے دنوں میں نے صرف آپکے آرام کی خاطر پچھتر ہزار میں خریدا ہے۔ اس کی درستگی اور آرائش پر مزید دس ہزار لگے اور اب۔!"

"میں تم سے گھر بار کی تفصیل نہیں پوچھ رہی ہوں!۔ بیگم حسن نے ناخوشگوار آواز میں کہا: مجھے یہ بتاؤ۔ کیا وجہ تھی تم نے میرا حکم نہیں مانا۔!

"آپ اندر تو چلئے۔ امی!" ایمن گھگھیایا: "میں سب کچھ کہہ دونگا آپ سے"!

بیگم حسن طوعاً و کرہاً اندر آئیں!۔ سچ سچ انھیں غصہ آرہا تھا۔ جمشید منزل کا ہنگامہ ذہن میں کھلبلی مچا رہا تھا! کیا سوچتے ہوں گے وہ سب لوگ۔ انھیں واپسی کی بھی جلدی تھی!۔ رات زیادہ ہورہی تھی۔ وہ بہت زیادہ بیقرار اور مضطرب تھیں! اپنے اضطراب میں انھیں ایمن کی پریشانی اور گھبراہٹ کا بھی اندازہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس کے چہرے پر تو فکروں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔!

امی۔ کچھ ایسی ذہنی پریشانی مجھے تھی کہ میں آپ کے حکم کے مطابق گھر نہ جاسکا!۔ ایمن نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اور بیگم حسن کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بیگم حسن سراپا جمال ہیں تو سراپا جلال بھی بن سکتی ہیں۔ جتنی محبت اسے اپنی ماں سے تھی۔ اسی قدر وہ ان سے ڈرتا بھی تھا!۔ خود انھیں بھی ایمن سے غیر معمولی محبت تھی۔ وہ ان کا ایک ہی بیٹا تو تھا!۔ لیکن اپنی تادیب و تربیت میں وہ سنگ خارا بھی تھیں!۔ ذہن سے فراموش کر دیتی تھیں کہ وہ تیس بتیس سال

کے لگ بھگ جوان ڈاکٹر تھا! ذمہ دار پوزیشن رکھتا تھا!۔ اور اپنا اچھا برا سوچنے کی صلاحیت بھی اس میں تھی!۔

مجھے بھی تو معلوم ہو۔ کون سی ایسی پریشانی تھی کہ تم گھر نہیں آئے!۔ یہاں ویرانے میں منھ چھپائے بیٹھے رہے!" بیگم حسن کی سرد آواز نے امین کو خوفزدہ کردیا بھلا کیسے اس کے منھ سے نکلے گا کہ وہ کیا کر بیٹھا تھا!۔

"لیکن امی۔ میں تو بارہا۔ راتوں کو گھر پہونچا ہوں" امین نے کہا۔ "آج خاص کر کون سی ایسی بات تھی کہ آپ گھبرا کر یہاں چلی آئیں۔ پتہ آپ کو کس نے بتا دیا!"

"نہیں آنا چاہیئے تھا مجھے۔؟" بیگم حسن نے زہریلے لب و لہجے میں کہا۔ "کہو تو واپس چلی جاؤں۔ اپنا جھینپا منھ دنیا والوں سے چھپا لوں۔ آج تو تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا۔ سب کے سب اس خوشی کے موقعہ پر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ دعوت کا انتظام ہو چکا۔ مہمان آگئے!۔ مگر تمھارا پتہ نہیں۔ بالآخر مجھ ہی کو آنا پڑا۔ اب بھی وقت ہے۔ چلو اٹھو۔ بہانہ کر دینا کہ کہیں مصروف ہو گئے تھے!"

"کیسی دعوت!۔۔۔ کس کے یہاں۔ امی!" امین نے حیرت سے پوچھا!۔ "میں کچھ بھی نہیں سمجھا!۔ صبح کو آپ نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا!"

"یہی تو مجھ سے غلطی ہوئی!" بیگم حسن بولیں۔ "میں نے تم سے کہا نہیں۔ مگر سن لو۔ میں نے فریال سے تمھارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ آج منگنی تھی!۔ سب لوگ تمھارا انتظار کرتے رہ گئے۔ مگر تم آج آتے ہو نہ کل!"

بیگم حسن کو توقع تھی کہ یہ سن کر اس کی باچھیں کھل جائیں گی۔ مگر انھیں یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ اُن واحد میں امین کا چہرہ زرد ہو گیا تھا!۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے۔ اور پیشانی پر پسینہ چھلکنے لگا!۔ بیگم حسن کا دل دھڑکنے لگا!۔

"انگوٹھی تو تم نے خرید لی ہوگی۔ اب دیر کس بات کی ہے!۔ اٹھو اور

میرے ساتھ چلو!۔"

"امی..." اس نے کھانس کر گلا صاف کیا اور بمشکل آواز نکالی: "انگوٹھی ... وہ تو... وہ تو۔ میں نے ۔۔!"

"نہیں خریدی تو اب خرید لیں گے!" بیگم حسن نے کہا: "اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"خرید لی تھی۔ امی۔ مگر۔۔ !وہ تو میں نے ۔! وہ ہکلایا۔

"کیا بات ہے۔ امین۔ مجھ سے کہو... تمھاری حالت تو بیماروں سے بدتر ہو رہی ہے!" وہ حیران تھیں۔ امین کو انھوں نے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں بھی بالکل انڈے کی زردی بنا رکھا تھا۔ وہ اسے ایک آئیڈیل انسان کی صورت میں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آزاد خیال لڑکیوں، اور آوارہ قسم کے لڑکوں کی سوسائٹی سے بہت دور تھا!۔ شادی بیاہ کے معاملات میں اکثر لڑکے والدین کی پرواہ نہیں کرتے!۔ باقاعدہ جنگ زرگری پر آمادہ ہو جاتے ہیں!۔ اور وہی کر کے رہتے ہیں جو ان کا دل چاہتا ہے۔ مگر لندن کا تعلیم یافتہ ڈاکٹر بیگم حسن کے نزدیک صرف ان کا شریف اور سعادت مند بیٹا تھا اور بس۔

جس قدر دیر ہوتی جا رہی تھی! بیگم حسن کا اضطراب ترقی پر تھا! بالآخر انھوں نے امین سے وہ سب کچھ کہلوا لیا۔ جو وہ کہتے ہوئے ہچکچا رہا تھا!۔

جیسے ہی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ وہ شعلہ جوالہ نظر آنے لگیں!۔

"میرے سفید بالوں پر کالک لگانے سے پہلے تم نے مجھ سے کہہ کیوں نہیں دیا کہ بدنصیب بدبخت بڑھیا مجھ پر تیرا کوئی حق نہیں۔ میں تو اپنی من مانی کروں گا۔ ہائے!۔ چار لوگوں میں میری آن اور لاج تو نہ جاتی۔ کیا منھ دکھاؤں گی مرزا بھائی کو کیا جواب دوں گی لڑکی کی ماں کو۔ میں تو اس ارادہ سے آئی تھی کہ تم کو لے کر

جاؤں گی! ہائے میری تقدیر۔ یہ کیا دن میں نے دیکھا!"

"امی... انسان مجبور بھی تو ہو جاتا ہے!" ایمن نے دبی زبان سے کہا۔

"تمہاری مجبوری نے مجھے کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رکھا!" بیگم حسن نے تلخ لہجے میں کہا؛ "میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا۔ تمہاری سعادت مندی سے مجھے توقع تھی کہ تم میری مرضی کو اپنی مرضی سمجھو گے۔ کاش! میں یہ نہ سوچتی۔ مجھے کیا پڑی تھی۔ میں نے مرزا صاحب سے تمہاری شادی کی بات چیت کی۔ چھوڑ دیتی تمہیں تمہاری مرضی پر۔ ایمن.... افسوس۔ تم نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ میری ساری تمنائیں خاک میں ملا دیں۔ کیا کچھ سوچے بیٹھی تھی۔ تقدیر نے مجھے کیا دکھایا؟۔ یہ دن دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی!"

"امی۔ آپ۔!" ایمن گھبرا کر کچھ کہنے چلا تھا۔ انھوں نے اسکی بات کاٹ دی میں نہیں جانتی تھی۔ تم اتنے خود سر اور گستاخ ثابت ہوگئے!۔ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ تو کیا ہوتا۔ میں ہی مرزا صاحب کے آگے منہ نہ کھولتی اب میں کیا کروں!۔ کیسے کہونگی کہ لائق و سعادت مند برخوردار نے بڈھی ماں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا اور ہنسی خوشی اپنی مرضی پوری کی!۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ امی... دراصل میں خود بھی اس قدر گھبرا گیا تھا کہ۔!"

"مجھے امی کہہ کر نہ پکارو۔ کون سی بات تم نے میری رکھی ہے!۔ آج ساری آرزوئیں پامال کر دیں... میرا دل ڈوبا جا رہا ہے!۔ وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔ دعوت کا سارا سامان میرے سامنے ہو چکا تھا!۔ لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ اب وہ سب کیا کہیں گے!۔ ایمن نے اور اس کی ماں نے اپنے عزیزوں کے عزیز کو ایسا دھوکا دیا۔ میں مرزا بھائی سے شرمندہ ہوئی!۔ پرائی لڑکی بیگانی

چڑھائی۔ سہیل اور غضنفر کو معلوم ہوگا بے وجہ منگنی ملتوی ہوگئی! وہ کیا سوچیں گے میرے متعلق؟!"

"آپ نے اتنا اثر لیا۔ امی" ایمن بیقرار ہو کر کھڑا ہوگیا "حالانکہ۔!"

"مرجانا چاہیئے مجھے۔ شماتت ہمسایہ کا داغ مجھ سے سہا نہیں جائے گا!۔"
بیگم حسن گرج رہی تھیں "خاندانی لڑکی کو چھوڑ کر تم نے ایک غیر لڑکی کو میری منگوائی ہوئی انگوٹھی پہنادی۔ تمھیں ذرا بھی لاج نہ لگی۔ تم اس قدر خودمختار ہوگئے! مجھ سے صبح ہی کو کہہ دیا ہوتا!۔ میں کیوں سب میں شرمندہ ہوتی!۔ ایمن ہزار وہ تمھاری پسندیدہ لڑکی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ وہ میری بہو نہیں کہلا سکتی!۔ میں اس کی صورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی!۔ ایمن۔ اگر میری خاطر منظور ہو تو جاؤ!۔ اور کہہ دو اس لڑکی سے۔ تمھیں یہ منگنی پسند نہیں ہے۔ ورنہ۔"

اور وہ غم و غصہ کی تصویر بنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ورنہ" انھوں نے سخت غیظ و غضب کے عالم میں کہا۔ "مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں بھول جاؤں گی کہ کوئی میرا بیٹا بھی تھا!۔ جہاں اپنے مرے ہوؤں کو رو دیا ہے۔ وہاں ایک زندہ پر بھی رو پیٹ کر بیٹھ رہوں گی!۔ جب تم پر میرا کوئی اختیار نہیں۔ کوئی حق نہیں تو پھر تم میرے بیٹے نہ میں تمھاری ماں۔!"

"امی۔ خدارا۔ ایسا ظلم نہ کیجئے!۔" ایمن ہاتھ جوڑ کر بولا "آپ نہیں جانتیں جتنی محبت آپ کو مجھ سے ہے۔ اتنی ہی اسے بھی ہے۔ آپکو میری جدائی گوارا نہیں۔ اسے بھی نہیں ہے۔ اور یہ ایک سوانگ ہے امی۔ کچھ دنوں بعد۔!"

بیگم حسن قہر و غضب کا پیکر بن گئیں!۔

"خدا کی شان ہے!۔ میری محبت سے اسکی محبت کا مقابلہ کرنے چلے ہو۔

ارے میری مامتا کی کیا حقیقت ہے۔ اسی نے تو تم کو اپنی آنکھوں سے پیدا کیا ہے۔ اسی نے چھاتی پر لٹا کر پالا ہے۔ اسی نے تمھارا پیٹ بھرا ہے۔ وہی تمھارے دکھ سکھ پر روئی ہنسی ہے۔ اسی کی آنکھ کے تم تارے ہو۔ میں تو تمھارے باپ کی بیوی ہوں۔ تمھاری کون ؟۔ جاؤ۔ ایمن جاؤ۔ اسی کے پاس جاؤ۔ آج سے میرا اور تمھارا ناطہ ٹوٹ گیا!"

یہ کہہ کر بیگم حسن پھر کرسی پر بیٹھ گئیں اور آنچل سے چہرہ چھپا کر زار و قطار رونے لگیں۔ ایمن کے لئے یہ منظر بالکل نیا تھا۔ آج تک اس نے اپنی کوہ وقار ماں کو روتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑی صابر و شاکر اور قانع و متوکل خاتون تھیں۔ انکے آنسو ایمن کے احساسات کو بہالے گئے۔ اس نے گھٹنوں کے بل گر کر ماں کی آغوش میں اپنا سر رکھ دیا۔ اور خود بھی رونے لگا!۔

"امی خدا کے لئے اتنی بڑی سزا مجھے نہ دیجئے۔ آپ کے سوا اور کون ہے میرا آپ اپنے بدنصیب بیٹے سے ناطہ توڑ لیں گی تو پھر کون ہے جو مجھے سہارا دیگا!۔ امی مجھے برا بھلا کہئے۔ مجھے ماریئے پیٹئے۔ مگر آپ کو خدا کا واسطہ ایسے ہولناک الفاظ اپنی زبان سے نہ نکالئے۔ میری امی۔ کہہ دیجئے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔!"

"نہیں۔ ایمن میرا دل ٹوٹ گیا۔ اب کوئی امنگ کوئی آرزو میرے ٹوٹے ہوئے دل میں باقی نہیں رہی۔ آج تم ایسے اجنبی روپ میں۔ مجھے نظر آئے کہ میرا سارا بھرم جاتا رہا۔ ایمن... اٹھو۔ مجھے جانے دو۔ اب کبھی میرے پاس نہ آنا۔ تمھارے چاہنے والے تو اور پیدا ہو گئے!۔" وہ بدستور روتی ہوئی بولیں۔ مگر ایمن کا سر اپنی گود سے نہیں اٹھایا۔

ایمن کو گمان تک نہ تھا۔ اس کے جذباتی اقدام کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا

تھا! ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بیگم حسن جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ کر کے بھی دکھا سکتی تھیں ۔ ایسے کئی واقعات اسے معلوم تھے جب وہ اپنے قول میں ثابت قدم مستقل مزاج رہی تھیں ! ۔

ایمن نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا ۔ بیگم حسن نے اپنا چہرہ پھیر لیا ۔ اور اسے ہٹاتی ہوئی کھڑی ہو گئیں ! ۔ پھر کمرے سے نکلتی ہوئی بولیں ۔

"خدا کرے کہ ہمیشہ شاد و آباد رہو ۔ تم پر اللہ اپنی رحمتوں کا سایہ کرے ۔ یہ تو میری ہی قسمت میں نہیں تھا ! ۔ میرے گھر میں تمہاری دلہن چلتی پھرتی ۔ میں اپنے بچے کے جگر گوشوں کو اپنی گود میں کھلاتی ! ۔ بس اب میں جاتی ہوں ۔ اور تم سے کہے جاتی ہوں کہ جب میں مر جاؤں تو تم میری لاش پر اپنا سایہ نہ ڈالنا میری صورت نہ دیکھنا اور میرے جنازے کو کندھا نہ دینا ۔ ورنہ تمہارے مرحوم باپ کی قسم حشر کے دن میں دودھ نہ بخشوں گی ! "

ایمن نے دروازہ بند کر دیا اور بند دروازے سے پیٹھ ٹیک کر اور بازو پھیلا کر کھڑا ہو گیا ۔ اس کے رخساروں پر موٹے موٹے آنسو بہہ رہے تھے ۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا ! ۔ کہنی آنکھوں پر رکھ کر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور بھاری گلوگرفتہ آواز میں کہا ۔

"نہیں امی ۔ نہیں ۔ اس طرح خفا ہو کر آپ نہیں جا سکتیں ! ۔ آہ اگر آپ خفا ہو جائیں گی تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گا ؟ ۔ میں دنیا سے خفا ہو کر چلا جاؤں گا ؟ آپ جو کچھ چاہتی ہیں ۔ میں وہی کروں گا ! ۔ آپ کی ناراضی میری موت ہے ! ۔ امی للہ اپنا دل صاف کر لیجئے آپ کو خدا کا واسطہ مجھ سے ناتا نہ توڑیے ۔ امی ۔ میری امی میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں ۔ پاؤں پڑتا ہوں ! کہہ دیجئے کہ آپ مجھ سے ناخوش و بیزار نہیں ہیں ! "

اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے اور پھر فوراً ہی جھک کر ان کے قدموں پر

اپنا سر رکھ دیا!۔ بیگم حسن کا دل دہل گیا۔ انھوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ اور وہیں صوفہ پر ٹک گئیں!۔ ایمن نے پھر ان کی گود میں سر چھپا لیا اور بچوں کی طرح رو پڑا۔

"ایمن۔ مجھے زیادہ دکھ نہ دو۔ !کیا تم چاہتے ہو۔ میں زندہ نہ رہوں!"

ایمن نے ماں کے سینے پر سر رکھ دیا۔ اس کی آنسو بھری آنکھوں کو دیکھ کر بیگم حسن کے دل کی طنابیں کھنچ گئیں۔ انھوں نے اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے!۔ اور دفعتہً اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔!

ایمن نے اپنی ماں کا بالکل نیا انداز دیکھا تھا!۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا!۔ اس کی شفیق اور مہربان ماں اس قدر سخت گیر اور نامہربان بھی ہو سکتی ہے!۔ اس نے اپنا دل ٹٹولا۔ !اگر وہ سچ مچ خفا ہو جائیں تو کیا وہ سکون سے جی سکتا تھا؟! اس خیال ہی سے ایمن کا قلب الٹ گیا۔ انھوں نے اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھے۔ اور فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

"میں تو اب اس گھر میں نہیں جا سکتی!۔ تم ڈرائیور سے کہہ دو۔ وہ گاڑی واپس لے جائے!۔ یوں بھی ساڑھے آٹھ تو ہو ہی گئے!"

"نہیں امی۔ آپ کا چلنا ہی مناسب ہے!۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا!"

ایمن نے کہا اور ملازم سے کہا کہ کار کمپاؤنڈ میں لے آئے!۔ بیگم حسن کشمکش میں تھیں۔ کوئی بہانہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا!۔ لوگ پوچھیں گے!۔ وہ آخر کہاں گئی تھیں۔ کہاں سے اسے پکڑ لائیں۔

ایمن نے کہا۔ "آپ کا خیال ٹھیک تھا!۔ بچا میاں سے میں معذرت کر لوں گا کہ کسی مریض کو دیکھنے چلا گیا تھا!۔ ایسی رسمیں تو رات گئے تک ہو سکتی ہیں!۔ آپ نے دیکھی تھی۔ مس ولیم اور مسٹر آرتھر کی منگنی۔ دس بجے رات کو ہوئی تھی!۔"

بیگم حسن اب ملول و پشیمان تھیں۔ اس قدر سخت اور بیدردانھیں نہ ہونا چاہیے تھا!۔ ایمن کی فطرت سے وہ واقف تھیں۔ اگر وہ نرمی سے کبھی سمجھاتیں تو مان جاتا!۔ خواہ مخواہ اپنے غم و غصے کے جوش میں اس کا دل دکھایا تھا!۔ وہ تو ننھے بچے کی طرح رونے لگا تھا!۔ ایمن جلدی جلدی چہرے پر پانی کے چھپاکے مار رہا تھا اور وہ خاموش مگر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں! ملازم نے خبر کی۔ کار تیار تھی!۔ دونوں چلے گئے!۔

ملازم جنھوں نے اپنے آقا کی امی کا یہ آمرانہ انداز دیکھا تھا! دم بخود ایک دوسرے کو تکتے رہ گئے!!۔

جمشید منزل میں بڑی افراتفری مچی تھی!۔ ہر ایک اپنی اپنی بولی بول رہا تھا! کسی کا خیال تھا کہ ایمن جان بچاکر بھاگ گئے!۔ غضنفر کی بہن کا معاملہ تھا وہ فکرمند نظر آرہے تھے!۔

اور شمی سوچ رہی تھی کہ کہیں مشرف نے تو کوئی جسمانی زک ایمن کو نہیں پہونچائی تھی۔ وہ دیر تک مشرف کے کمرے میں پڑی کراہتی رہی تھی!۔ پھر دیر بعد عطیہ بیگم کو اس کی عدم موجودگی کا احساس ہوا۔ انھوں نے ایک ایک جگہ اسے دیکھا مشرف کے کمرے میں وہ پھولوں کے ڈھیر کی طرح بکھری ملی۔ اٹھالائیں۔ ہزار ہزار پوچھا کہ کیا بات تھی مگر شمی کچھ نہ بولی۔ یہی بہانہ کیا کہ اسے چکر آگیا تھا!۔ پھر وہ کبھی فریال کی سہیلیوں میں مل کر گیت گانے لگی تھی! دل اڑا جا رہا تھا! مگر زبان سے سہاگ

کے راگ پھوٹ رہے تھے!۔

پونے نو بجے رات کو کھلبلی مچ گئی! پتہ چلا کہ منگنی کے دولھا تشریف لے آئے!۔

"اماں کہاں رہ گئے تھے!۔" سہیل نے برا سا منھ بنا کر ایمن سے کہا "یہ وقت بھی شرفا کی منگنیوں کا ہے؟۔ مارے بھوک کے آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں!"

"اباجان سے پوچھو۔ پہلے کھانا ہو جائے کہ پہلے رسم ادا ہو!" غضنفر نے کہا۔ مرزا صاحب وہیں کھڑے فرحانہ سے کچھ کہہ رہے تھے۔ غضنفر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔

"میں بھلا کیا بتا سکتا ہوں۔ بھابی سے پوچھو۔ ان کی جیسی رائے ہو!"

بیگم حسن اور ایمن کی نظریں چار ہوئیں۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا "پہلے کھانا ہو جائے!۔ مجھے بھی بڑی بھوک لگی ہے!۔ اور آج تو کھانے کے تصور ہی سے سہیل صاحب کی رال ٹپک رہی ہے!"

"میری رال تو بہت عرصہ پہلے ہی ٹپک چکی!۔" سہیل نے ہنس کر کہا "مگر تم ہو نہایت بد ذوق! پہلے کھانے کو ترجیح دی۔ تعجب ہے کہ تمھاری بھوک پیاس باقی ہے!"

"فی الحال تو باقی ہے!" ایمن نے کہا اور سہیل ہنسنے لگے!۔ لڑکیوں نے طعام خانے ہی میں کھانا لگا دیا تھا۔ سب گھر ہی کے لوگ تھے۔ فریال کی سہیلیاں یہاں نہیں آئیں!۔ شمعی بھی نہیں تھی۔ فرحانہ اور جویریہ نے سارا انتظام کیا تھا!۔ چھوٹی موٹی دعوت ہی تھی!۔ کھانے بہت سے تھے اور بڑے لذیذ سب نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھایا!۔ ایمن برابر کا شریک رہا تھا! مگر بار بار بیگم حسن کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس کی مجبوری اور بے بسی کا انھیں بخوبی اندازہ تھا!۔ اس کے دل میں لاوا پک رہا ہوگا۔ مگر وہ ہنسنے پر مجبور ہے!

ان کا دل دکھ گیا!۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے منگنی کی رسم ادا کی گئی! فرحانہ نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ نریال یہاں آسکے! مگر وہ رضامند نہیں ہوئی!

"تم حیران ہو گئے!۔" سہیل نے کہا "مگر معاف کرنا۔ یہ لندن نہیں ہے۔ یہاں دلہن کا دولہا کے شانہ بشانہ کھڑا ہونا نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے!۔ لیکن مطمئن رہو۔ اس کا تم سے پردہ نہیں کرایا جائے گا!"

"آپ کا اپنے متعلق کیا خیال ہے!۔؟" امین نے ہنستے ہوئے جویریہ کیطرف اشارہ کیا جو اتفاق سے سہیل کے بالکل پاس کھڑی گجرے کھول رہی تھیں!۔ ایک دم سے جو قہقہہ پڑا تو جویریہ الگ سمٹ گئیں اور سہیل بھی جھینپ کر دور ہٹ گئے!۔

بڑے ہال میں وہ سب اکٹھا تھے!۔ ہال تیز روشنی میں دن کو شرما رہا تھا!۔ بڑا دلچسپ اجتماع تھا۔ رضیہ، شبنم اور رخشندہ بھی موجود تھیں! ان کی سریلی ہنسی۔ مردوں کے گونجیلے قہقہے۔ یوں لگتا جیسے رہ رہ کر آرکسٹرا سات سروں میں بج اٹھا ہو۔

امین کو منگنی کی انگوٹھی پہنا دی گئی!۔ فرحانہ نے مٹھائی کی ننھی سی ڈالی اس کے لبوں میں پکڑا دی اور جویریہ نے دونوں ہاتھوں میں مہکتے ہوئے پھولوں کی گھنی گھنی بدھی اٹھائی۔ امین نے سر خم کر دیا اور پھر انھوں نے اس کے گلے میں ہار پہنا دیئے!۔ تقریباً ان سب لوگوں نے اسے پھولوں سے لاد دیا۔ جو وہاں موجود تھے!۔ بیگم حسن نے ایک بڑا قیمتی اور خوبصورت گلوبند فریال کو پہنایا تھا۔ وہ تو دلہن ہی بنی بیٹھی تھی۔ گلابی ریشمی لباس میں ملبوس ہاتھ پاؤں مہندی سے سرخ۔ عطر و سہاگ میں بسی ہوئی۔ بیگم حسن نے اسے

اپنے گلے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ دل ان کا بھر آرہا تھا! کیا پتہ۔ اسے ان کے گھر میں رہنا بسنا بھی نصیب ہو سکے کہ نہیں!۔

تالیوں اور مبارکباد کی گونج میں منگنی کی رسم ادا ہوئی!۔ ایمن نے سر جھکا کر مرزا صاحب کو سلام کیا۔ عطیہ بیگم کے قدموں کی طرف جھکا! وہ تو نہال تھیں خدا نے انکی بیٹی کے نصیب جگا دیے! ایمن ان کی آنکھوں سے گزر کر دل میں سمایا جا رہا تھا!۔ اس پر نیا حُسن برس رہا تھا!۔ قلب مضطر کا اثر چہرے سے ہویدا تھا اور مسکراتی ہوئی اداسی نے اسے عجیب نکھار عطا کیا تھا!۔ وہ اب خود بھی پشیمان اور پریشان تھا۔ کاش وہ واقعی اسی طرح خوش ہو سکتا جیسا خود کو ظاہر کر رہا تھا! کتنی بڑی ریاکاری وہ ایک معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کے ساتھ برت رہا تھا!۔ ثریال سے جذباتی وابستگی نے اسے اس سے ملنے کے لیے بےچین کر رکھا تھا!۔ اگر مشرقی آداب و رسوم کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ ضرور استدعا کرتا!۔ ثریال کو اس سے ملا دیا جائے! لیکن وہ چپ تھے۔ اگرچہ دل میں جوار بھاٹا مچلتا رہا!۔

بیگم حُسن نے رسم کے اختتام پر کہا کہ شادی بھی جلد تر کر دی جائے!۔ مرزا صاحب نے ان کی یہ خواہش بھی مان لی اور ایک ماہ بعد ہی قریبی تاریخوں میں شادی مقرر کر دی گئی!۔

رات کے دو بج رہے تھے!۔ تب محفل درہم برہم ہوئی!۔ نیند اور تھکن سے چُور چُور وہ سب کمرے سے نکلے! غضنفر کو صبح ہی دورے پر جانا تھا! وہ مجسٹریٹ تھے!۔ رات ہی کو وہ بیوی بچوں سمیت چل دیے!۔ سُہیل کے والد بیمار تھے! ان کا مع بیوی کے جانا بھی ضروری تھا!۔ وہ ایمن سے ملنے آئے۔

" اچھا۔ بھئی۔ اب اجازت دو۔!" انھوں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے

کہا "انشاءاللہ شادی پر ملیں گے! کبھی آؤ۔ ہمارے یہاں!۔ بابا سے تمھارا تذکرہ کیا تھا۔ وہ تم سے ملنے کے بہت مشتاق تھے!!۔

"ضرور آؤں گا!" ایمن نے گرمجوشی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں!" پھر وہ کچھ رک کر بولا۔ "سہیل!۔ ایک التجا کرنا چاہتا ہوں! مگر مجھے توقع نہیں کہ تم مان لو گے!"

"کہہ کے تو دیکھو۔ میرے پیارے۔ صرف جان ہی نہیں دے سکتا! کیونکہ وہ کسی اور کی ہے۔ باقی سب کچھ دے سکتا ہوں!"

"میں فریال سے ملنا چاہتا ہوں!" ایمن نے کہا۔ "مجھے ان سے ملوا دو!"

"سہیل بے اختیار ہنسنے لگے! "میرے دوست!۔ میں ضرور ملوا دیتا۔ لیکن فریال خود ہی راضی نہیں ہوگی۔ اور یہ تم بھی نہیں چاہو گے کہ اس سے زبردستی کی جائے!"

"نہیں نہیں!۔ زبردستی کی ہرگز کوئی بات نہیں!"

"تو پھر۔ صبر کرو۔ فقط تیس دن!۔ اگرچہ تیس سال معلوم ہوں گے۔ مگر واللہ تو صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ ہے نا؟!"

"ہاں!۔" ایمن ہنسنے لگا!۔ ایک مجبور اور جاں سوز ہنسی۔ سہیل اس سے رخصت ہو گئے۔

وہ وہیں کھڑا سوچ رہا۔ کتنا ہنگامہ خیز اور حیرت آفریں دن تھا! ایک ہی روز میں ایک ہی شخص کی دو دو منگنیاں؟۔ یہ خبر تو پر لگا کر اڑے گی۔ اور کسی نہ کسی طرح کبھی نہ کبھی کرنل صاحب اور شام کو معلوم ہو ہی جائے گا کہ وہ شام کے احساسات سے کھیلا تھا!۔ ریاکاری برتی تھی۔ مکاری کی تھی! آج تک اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ فریال سے اگنے بڑے فخر و غرور سے کہا

تھا کہ وہ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ کتنی جلدی وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اسے پتہ چلا۔ بعض جھوٹ ناگزیر ہوتے ہیں جنھیں لامحالہ بولنا ہی پڑتا ہے!۔

اندر غالباً فریال کی سہیلیاں رک گئی تھیں۔ منگور نے ریڈیوگرام پوری آواز سے چلا دیا تھا اور سہیلیاں ڈھولک پیٹ کر گا رہی تھیں سہ

گا ڈگا وری سکھی آئی خوشی کی گھڑی

دیکھو ڈولا سجا۔ دیکھو دلھن چلی

مہندی اور عطر سہاگ کی مہک ہواؤں کے دوش پر ابھی تک اڑتی پھر رہی تھی!۔ موسم سہانا ہو گیا تھا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا! بارش کی خوشبو دور سے آ رہی تھی!۔ موگرے اور گل چاندنی کی حسین مہک سے برآمدہ معمور تھا! اور امین سوچنے لگا! فریال حسین سے لباس میں لپٹی اور پھولوں میں ڈھکی کتنی پیاری معلوم ہو رہی ہو گی!۔ اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھری ہو گی۔ آنکھوں میں شباب کا نشہ ڈول رہا ہو گا!۔ شاید وہ بھی انتظار کر رہی ہو! آنیوالا اس کے پاس جلدی آئے!۔ اسے فریال کا وہ چہرہ یاد آیا۔ اس کے بازو پر ٹکا ہوا خوابیدہ سا چہرہ۔ جس پر حورونکا تقدس اور شبنم کی سی پاکیزگی تھی!۔ وہ مضطرب ہونے لگا فریال کو دیکھنے کی آرزو نے اسے ماحول سے بھی غافل کر دیا اور وہ تاریکی میں ڈوبے ہوئے برآمدے سے گزرتا ہوا فریال کے کمرے کے سامنے جا کھڑا ہوا اندر ابھی تک شور مچا ہوا تھا۔ مگر مندا سا شور۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا دی اور خود بخود مسکرایا صرف ایک ماہ۔ فقط تیس دن۔۔ پھر فریال اس کی ہو جائے گی!۔ لڑکیوں نے ایک گیت ختم کر کے دوسرا شروع کر دیا! سہ

بابل کی دعائیں لیتی جا۔ جا تجھ کو سکھی سنسار ملے
میکے کی کبھی نہ یاد آئے سسرال میں اتنا پیار ملے

ابھی گیت ختم نہ ہوا تھا کہ لے سسکیوں میں ڈوب گئی!۔

ہائیں... شمی... یہ کیا کر رہی ہو؟... " رخشندہ کی آواز آئی " ارے پاگل لڑکی تم نے تو ابھی سے رونا شروع کر دیا۔ خدا کے لئے یہ نہ کرو ہم سب رونے لگیں گے!۔"

" بس کرو اب یہ بابل وابل کے فضول گیت!" رضیہ نے کہا " ابھی وہ کہاں سسرال جا رہی ہے!۔ بڑے خراب ہوتے ہیں یہ گیت۔ خوامخواہ دل بھر آئے!"

فریال شمی سے لپٹ پڑی۔ اور جہاں چند گھنٹوں پہلے قہقہے لگ رہے تھے۔ وہاں آنسوؤں کی بارش شروع ہو گئی!۔ تقریباً سب ہی کسی نامعلوم جذبے سے متاثر ہو کر رو پڑی تھیں!۔

" خدا کے لئے چپ رہو" رخسانہ نے فریال کو شمی سے الگ کیا اور شمی کے آنسو پونچھنے لگی... اس کا جی چاہتا تھا وہ روتے ہی روتے ختم ہو جائے!۔ آج اسے اپنی حیات بے ثبات میں ایک ہولناک خلا نظر آ رہا تھا!۔ کیا سوچا تھا کیا ہو گیا!۔ کیا یونہی بے تعبیر خواب دیکھتی رہی تھی۔ تقدیر نے یہ کیسا دلکش مذاق اسکے ساتھ کیا تھا؟... اب وہ کیوں جیئے۔ کس امید پر زندہ رہے!... اتنے آنسو بہا کر بھی وہ مطمئن نہیں تھی۔ جیسے اپنی بدقسمتی پر بہت کم روئی ہو!۔

ایمن کا دل تو گرفتار طائر کی طرح سینے کے قفس میں پھڑپھڑا تا رہا!۔ اس نے سسکیوں اور ہچکیوں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ اور اپنا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا!۔ اس کی نظروں میں شمی کا چہرہ گھوم گیا جس پر آنسو گر رہے تھے!۔ اس نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ اندر اب سناٹا چھا گیا تھا! پھر کچھ ہی لمحوں بعد دروازہ

کھلا اور نیم روشن برآمدے میں کسی کا نازک سا ہیولیٰ نظر آیا۔ ایمن دیوار کی آڑ میں ہو گیا اور اس کے پاس ہی سے شمعی نکلی چلی گئی اپنے پیچھے خوشبوؤں کا ایک ہیجان انگیز سیلاب چھوڑ کر۔!" پھر اس نے بھی قدم بڑھائے اور وہ شہ نشین میں مڑ ہی رہی تھی کہ اسے جا لیا!۔ شمعی مڑی اور اپنے پیچھے ایمن کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی!۔ ایک گہری سانس بھر کر اس نے چہرہ جھکا لیا اور آگے بڑھ گئی!۔ ایمن نے دفعتہً اسکی کلائی تھام لی!۔ شمعی یوں کانپ گئی جیسے پیچ پیچ شمع کی خوبصورت لو تند ہوا کے جھونکے کی زد میں آ گئی ہو!۔

"شمعی!۔ سنو!۔" ایمن نے مدھم آواز میں کہا۔ اور ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکا۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنسو ڈھونڈ رہا تھا! مگر شمعی نہ جانے کیا سمجھی۔ ایک ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور اس نے اپنا ہاتھ ایمن کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔

"چھوڑ دیجئے۔ مجھے!۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

ایمن نے ہنس کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ لئے!۔

"شمعی۔ میں تم سے تمھارے رونے کا سبب پوچھنا چاہتا تھا!۔" وہ ابھی تک اس احساس سے ناواقف تھا کہ شمعی کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے!۔

"میرے ہاتھ چھوڑ دیجئے!۔" اس نے گلوگیر آواز میں التجا کی۔ اور ایمن نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

"تم نے مجھے مبارکباد بھی نہیں دی۔ تم مجھ سے ملیں بھی نہیں!۔ کیا تمھیں اس واقعہ سے ذرا سی بھی مسرت نہیں ہوئی!۔" ایمن نے پوچھا۔ بے درد۔ بے حس۔ سنگدل۔ شمعی کا دل جلنے لگا!۔ مگر لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ بکھر گئی!۔

میری رنگین تمنا کے سہارے مٹ کر
میرے احساس کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

اور تم، اندھے۔ بہرے۔ ظالم آدمی پوچھ رہے ہو؟ ذرا سی بھی مسرت نہیں ہوئی!۔ باہر طوفانی بارش شروع ہو چکی تھی!۔ ہوائیں چیخ رہی تھیں! اور درختوں کی چوٹیوں میں بادل گرج رہے تھے!۔

"تم مجھ سے خفا ہو۔ شمی!۔ تم نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ آخر کیا سوچ رہی ہو"

"میں سوچ رہی تھی کہ آپ کتنے نا انصاف ہیں۔ ایک دیا جلایا دوسرا بجھا دیا!"

"شمی؟" ایمن کے لب خشک ہو گئے!۔ مگر وہ اندھیرے کے پردوں میں غائب ہو گئی تھی وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟۔ لیکن شمی کے جذبات کی اسے خبر ہوتی تو مطلب بھی معلوم ہوتا!۔

پاگل لڑکیاں۔ اور پھر اس کے ذہن میں مشام ابھری۔ یا خدا۔ اسکی یاد تو عذاب جان ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے!۔ اور اندھیرے میں ڈوبے ہوئے صحن میں نگاہیں گاڑ دیں جہاں بارش کا دیوتا اپنی مہربانی کا مظاہرہ کر رہا تھا!۔ ایمن تھکا ہارا سا وہیں بیٹھ گیا اور دیوار سے پیٹھ ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں! تھکن کا گہرا احساس اس پر مسلط ہو گیا! پھر اسے بھوت بن کر دن بھر کے ناگہانی واقعات ڈرانے لگے!۔

اگر مشام کو پتہ چل جائے!۔ اس نے فریال سے منگنی کر لی ہے!۔

اگر فریال کو معلوم ہو جائے۔ اس نے مشام سے عہد کر رکھا ہے؟۔

تو پھر۔ کیا کریں گے کرنل جبار۔ اور مرزا صاحب۔ اس کی دوغلی پر ساری دنیا لعنت بھیجے گی۔ لوگ کن نظروں سے اسے دیکھیں گے؟ کیسی فضول حرکت اس نے کی ہے؟ بیگم حسن اس کی اس غلطی پر شرمسار ہوں گی!۔ پھر اسے ان کا آتش بداماں غصہ یاد آیا۔ خدا کی پناہ۔ وہ غیظ و غضب کہ الامان والحفیظ۔ اگر

ایمن نے مشام سے کہہ سُن کر اپنی غلطی کا ازالہ نہ کیا تو پھر بیگم حسن وہی کریں گی جو وہ کہہ چکی ہیں!۔ اس کی شکل پر نظر نہ ڈالیں گی۔ اور وہ اس کو اپنے قریب برداشت کبھی نہ کریں گی!۔

اس کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں۔

مگر۔ فریال۔ میری ہے اور میری ہی رہے گی!۔ وہ تعلیم یافتہ ہے سمجھ بوجھ رکھتی ہے! اگر اسے پتہ چل جائے کہ ایک ذرا سا سوانگ کے بعد ایمن کا پارٹ ختم ہو جائے گا تو وہ اپنی شادی کو تھوڑے دنوں تک ملتوی کر سکتی ہے؟ کیا وہ اس کا ساتھ نہیں دے گی؟

لیکن وہ تو پردہ نشین ہو گئی!۔ کیسے ملے گی!! کیسے کہوں گا؟!۔

یا اللہ۔ میرے حال پر رحم کر۔ امی زبردستی مجھے یہاں لائیں اور عجیب و غریب الجھنوں میں مبتلا کر دیا!۔

نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی!۔ وہ شہ نشین کی دیوار سے پیٹھ ٹیکے ہوئے بے خبر سو گیا۔ بارش ہوتی رہی۔ گھر کے اور سب لوگ اپنے آرام دہ بستروں میں میٹھی نیند کا مزہ لے رہے تھے۔ اور ایمن پتھر کے ٹھنڈے فرش پر نیم دراز سو رہا تھا!۔ سرد ہوائیں اس کے بدن سے ٹکرا رہی تھیں۔ صحن سے کبھی کبھی ہلکی سی بوچھار اس کی طرف بھی آتی اور قدموں پر پانی کے موتی نچھاور کر کے چلی جاتی۔

رات ڈھلتی رہی۔ وہ ایک ہی پہلو لیٹا سوتا رہا!۔

حتیٰ کی صبح ہو گئی!۔ اور حسب معمول عزت اپنے کمرے سے کچن کی نگرانی کرنے باہر نکلی۔ ٹھیک اسی وقت فجر کی نماز کے بعد بیگم حسن بھی اپنے کمرے سے باہر آئیں! دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور عزت نے جھک کر انھیں سلام کیا!۔ انھوں نے اسے دعائیں دیں!۔ پھر وہ دونوں ساتھ ہی آگے بڑھیں دفعتہً عزت ایک

جھٹکے سے رک گئی! بیگم حسن کو بھی شاک سا لگا!۔ انھوں نے بڑے غور سے دیکھا کیا اس طرح کسمپرسی کے عالم میں سونے والا سچ مچ سرجن ایمن آفندی ہی تھا؟! جسے ننگے پاؤں بھی چلنے کی عادت نہ تھی۔ جو بڑا نفاست پسند اور نازک مزاج تھا وہ معمولی نوکروں کی طرح ننگے فرش پر سو رہا تھا؟!۔ اس کے جسم پر رات والا لباس تھا!۔ سیاہ شیروانی، سفید پاجامہ۔ حتیٰ کہ اس نے موزے اور جوتے بھی نہیں اتارے تھے!!۔

خالہ اماں.... ایمن بھیا۔ یہاں کیسے سو رہے ہیں؟..." عزت نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ بیگم حسن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے بہت دل دکھایا اپنے بچے کا!۔ نہ جانے کیا سوچتا رہا ہے۔ اسے اپنے بستر پر نیند نہیں آئی!۔ اور میں آرام سے سوتی رہی!۔ وہ دم بخود کھڑی ہی رہ گئیں!۔

"میں ایمن بھائی کو جگاؤں۔ خالہ اماں؟" عزت نے پوچھا۔ اور بیگم حسن کو روتے دیکھ کر وہ متحیر و مبہوت رہ گئی!۔

آپ رو رہی ہیں خالہ اماں۔ کیا بات ہے۔ مجھ سے بھی کہئیے۔

"بیٹی۔ آج تک میں نے اپنے بچے کو ایسی بے بسی کی حالت میں نہیں دیکھا تھا!۔ عزت چپکے سے ایمن کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور جوتے اتارنے لگی!۔ اس کی آغوش میں ابھی تک پھولوں کے باسی ہار پڑے تھے۔ وہ بیگم حسن نے ایک ایک کر کے اٹھا لئے!۔ عزت نے آہستہ آہستہ موزے اتار لئے!۔ اور پھر ایمن نے اپنی مخمور آنکھیں کھول دیں!۔ اس کی نظریں اپنی ماں پر پڑیں اور وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا۔ عزت نے بڑے غور سے اسکی شکل دیکھی۔

"بھیا۔ ساری رات یہیں لیٹے رہے تھے آپ؟" عزت نے پوچھا۔

"اوہو۔ میں یہیں سو گیا...." ایمن نے متحیر و شرمسار لہجے میں کہا اور فرش پر

ہاتھ ٹیک کر اٹھ گیا۔ پھر اس نے کسی کو کچھ سوچنے کا موقعہ نہ دیتے ہوئے عزت سے کہا۔
"عزت بہن..... سردی بہت بڑھ گئی ہے۔ مجھے ایک پیالی گرم پانی دیجئے!" اور زور زور سے اپنے ہاتھ رگڑتے ہوئے ہنسنے لگا! نہ بیگم حسن اس سے مخاطب ہوئیں نہ اس نے ان سے کچھ کہا۔

"آپ اپنے کمرے میں جائیے۔ کافی میں ابھی بھجواتی ہوں!" عزت نے کہا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا! عزت بھی کچن میں چلی گئی۔ بیگم حسن اپنے کندھوں پر شال برابر کرتی سوچ میں ڈوبی ہوئی عطیہ بیگم کے پاس چل دیں۔

نئے دن کے آغاز کے ساتھ ہی پھر ایمن کی فکروں نے سر اٹھانا شروع کیا! وہ اپنے کمرے میں آیا اور کرسی پر گر کر پھر اندھا دھند سوچنے لگا! مجھے کیا کرنا چاہیئے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اس کا ذہن چیخ رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ہی عزت خود کافی لے کر اس کے پاس پہونچی! اور حیرت بھرے لہجے میں بولی: "ایمن بھائی۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ اتنے پریشان اور متفکر تو آپ کبھی نہیں تھے۔ کیا کوئی ایسی ہی بات ہے کہ آپ مجھ سے بھی نہ کہہ سکیں! آپ نے مجھے اپنی بہن کہا ہے۔ بہنیں بھائیوں کی رازدار و غمگسار ہوتی ہیں!"

ایک مرتبہ تو ایمن کے جی میں آئی۔ سب کچھ اس سے کہہ دے مگر سوچ کر رہ گیا کہ اگر وہ ثریاں کی محبت میں، بیگم حسن ہی کی طرح پھٹ پڑی تو کیا ہوگا!

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ عزت۔ جو خاص طور پر کہنے کی ہو!" اس نے اٹھ کر شیروانی اتارتے ہوئے کہا۔ اور جلدی جلدی دانتوں پر برش کر کے میز کے پاس آ بیٹھا: "کل ایک مریض آپریشن کے سلسلے میں آیا تھا! میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا!"

"آپ بتانا نہیں چاہتے! نہ جانے کتنے آپریشن آپ نے اب تک کر ڈالے

ہوں گے!" عزت نے کہا۔ "اس کی اتنی فکر نہیں ہو سکتی!"۔

"نہیں نہیں۔ یہی بات ہے!" ایمن نے کہا۔ اور کافی کی پیالی ہونٹوں سے لگا لی۔ عزت نے بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر یہ سوچ کر اسے قدرے دکھ ضرور ہوا کہ ایمن نے واقعی اسے اپنی بہن نہیں سمجھا! صبح ہو چکی تھی۔ تقریباً گھر بھر بیدار ہو چکا تھا!۔ عزت کے دونوں بچے ماں کو پکارتے ہوئے اوپر چلے آئے! اور وہ اٹھنے لگی!۔ ایمن نے بڑی خوشامدانہ نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے اسے اپنی زیادتی کا احساس ہو رہا ہو۔

"میں تم سے سب کچھ کہہ دوں گا!۔" اس نے کہا۔ "مگر ابھی نہیں۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ مجھے تم سے کیا کہنا چاہیئے اور کس پیرایہ میں کہنا چاہیئے! عزت! میں سچ مچ پریشان ہوں!"

"ایمن بھائی۔ جو کچھ میں آپ کے لئے کر سکتی ہوں۔ وہ ضرور کروں گی!۔ بتایئے کیا بات ہے؟" "ضرور بتا دوں گا۔ مگر اسپتال سے واپسی پر۔ مل سکتی ہو مجھ سے؟"

"کیوں نہیں۔ میں کہیں آتی جاتی تو نہیں ہوں!" عزت نے کہا اور کافی کی ٹرے سنبھال کر کھڑی ہو گئی!۔ بچے چپ چاپ کھڑے ان کی شکلیں دیکھ رہے تھے!۔ ایمن نے ان کے ہاتھ تھام کر اپنے پاس کھینچ لیا۔ بچے خوش ہو گئے!۔ ایک ساتھ اپنی ننھی منی باہیں اس کے گلے میں حمائل کر کے بولے۔

"ماموں جان۔ ہمارے پاس بہت اچھے اچھے کھلونے ہیں۔ وہ آپ نے نہیں دیکھے۔ آپ نے ہمارے ہاتھ سے چاکلیٹ بھی نہیں کھائے۔ نیچے چلیئے تو ہم سب مل کر کھیلیں گے!"

"ضرور۔ ضرور۔!" ایمن نے دونوں پہلوؤں پر انہیں اٹھا لیا۔ اور سب ساتھ ہی نیچے اترے۔ عزت تو اپنے کاموں میں لگ گئی اور ننھے یزدانی اور عرفانی کے ساتھ

ایمن صحن میں گیند کھیلنے لگا!۔ بچوں کی مسرتوں کا ٹھکانہ نہیں رہا تھا! دونوں ابھی بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ انھیں اپنی خوشی کا اظہار بھی کرنا نہیں آتا تھا۔ رہ رہ کر گیند کسی اور طرف اچھال دیتے اور ایمن کے آ لپٹتے! پھر دوڑے دوڑے گئے اور بہت سے بسکٹ اور چاکلیٹ اپنی اپنی جیبوں میں بھر لائے۔ ایمن فرش پر بیٹھ گیا اور دونوں بار بار چاکلیٹ اس کے لبوں میں ٹھونسنے لگے!۔

"پہلے میں کھلاؤں گا۔ میرے ماموں جان ہیں!" یزدانی نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ جھٹک دیا

"نہیں۔ پہلے میں کھلاؤں گا۔ تمھارے نہیں۔ میرے ماموں جان ہیں" عرفانی نے کہا۔ اور ایمن کے گلے سے چمٹ گیا۔ یزدانی نے ایک چنگھاڑ لگائی۔

"بھئی ایسے نہیں کرتے۔ ہم تو آپ دونوں کے ماموں جان ہیں" ایمن نے ہنستے ہوئے کہا "مگر دیکھئے۔ ماموں جان اپنے ننھے منے بچوں کی چیزیں نہیں لیتے۔ انھیں دیتے ہیں!۔ چاکلیٹ آپ رکھئے اور آئیے بال کھیلیں۔!" اور انھیں چمکار کر پیار کر کے نیچے اتار دیا۔ بچے پھر کھیلنے لگے۔ ایمن نے ان کا اچھالا ہوا گیند ایک مرتبہ بھی نہیں پکڑا۔ دونوں ہنستے ہنستے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

"ماموں جان ہار گئے... ماموں جان ہار گئے!"۔ ایمن ان کے کھیل میں دل سے شریک تھا اس کی نکروں کے ننھے منے قہقہے بھلے لگے!۔ ہنستے ہنستے وہ بھی سرخ ہو رہا تھا!۔ اور جب بچے تھک گئے تو اس کی آغوش میں آگرے خاصا دن نکل آیا تھا!۔ ملازمہ بچوں کو منہ ہاتھ دھلانے لے گئی۔ اور ایمن برآمدے میں جا کھڑا ہوا۔

وہ منتظر تھا کہ شاید اس طرف سے شمعی گزرے گی!۔ شاید دھوکے سے فریال ادھر آجائے۔ مگر دیر ہو گیا۔ نہ شمعی آئی نہ فریال۔ بڑے بجھے دل سے ناشتہ کر کے وہ اپنے کمرے میں آگیا!۔ لباس تبدیل کیا۔ اور بیگم حسن سے رخصتی

الفاظ کہے بغیر باغ ہی کی راہ اتر کر پیدل ہی اسپتال چلا گیا!۔ وہ اسکی راہ دیکھتی رہ گئیں!۔ مشکور نے پوچھنے پر بتایا کہ وہ تو جا چکے۔ بیگم حسن اب بھی پچھتا رہی تھیں۔ یقیناً وہ ان سے آزردہ خاطر تھا تبھی تو خلاف معمول ملے بغیر چلا گیا!۔ کچھ چپ چپ سی بے چین سی وہ عطیہ بیگم کے پاس جا کر بیٹھ گئیں! مرزا صاحب صبح کے ناشتے کے بعد تھوڑی دیر یہیں بیٹھا کرتے تھے!۔ انھوں نے اپنی بھاوج کو خاموش دیکھ کر وجہ دریافت کی۔

بیگم حسن نے پان بناتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا "بھیا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اللہ رکھے تمہارے گھر سے سمدھیانہ ٹوٹنے کے بعد میرا اور لڑکے کا یہاں رہنا مناسب ہوگا کہ نہیں۔ خاندان میں چار اچھے چار برے۔ کون جانے کل کو کوئی کچھ کہہ دے تو برا لگے!۔ میں نے تم سے کہا نہیں۔ مجھے خود بھی معلوم نہ تھا یہ تو کل ہی پتہ چلا کہ امین نے الگ ایک مکان خرید لیا ہے۔ اچھا کیا اس نے۔ رہنے کو ایک ٹھکانہ تو ہوا۔ اگر تم اور عطیہ کچھ نہ سوچو تو تھوڑے دنوں میں وہاں رہ آؤں!"

"نہیں بھابی۔" مرزا صاحب نے کہا۔ "یہ تو قطعی نہیں ہو سکتا۔ برسہا برس بعد آپ یہاں آئی ہیں۔ آپ نے نہ صرف ایک دوسرے کے دل ملائے بلکہ اب تو ماشاء اللہ ہمارا گھر بھی ایک ہی ہوگیا۔ امین میاں نے گھر لے لیا۔ بہت اچھا کیا۔ خدا مبارک کرے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ آپ وہیں جا کر رہیئے۔ بہو بیٹے کو رہنے دیجئے گا، آپ تو پھر بھی یہیں رہیں گی!"

"تھوڑے دن کے لئے میرا کہا مان لو۔ بھیا۔ میں پھر آجاؤں گی!" بیگم حسن نے کہا۔ "اب دیکھو کہ میری وجہ سے بیچاری بچی کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ کل دوپہر سے اب تک وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی امین تو یہیں چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا سامنا بھی اس کا ہو ہی جائے گا۔ اور وہ شرمندہ ہو گی۔ تہمینہ بھر کی تو

بات یہی ہے۔ پھر وہی ہوگا جو تمہاری مرضی ہوگی! میں یہاں آجاؤں گی ایمن اور فریال جم جم اپنے گھر میں رہیں بسیں گے!"

"اوہو۔ بھابی...... یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں!" مرزا صاحب نے بضد ہو کر کہا۔ "ہمیں نے تو پہلے ہی اعلان کر دیا کہ فریال کا ایمن سے پردہ نہیں ہوگا رہیں آپ تو۔ آپ بجائے ماں کے ہیں! میں ابھی اسے بلواتا ہوں۔ بیکار اس کی طرف سے آپ وہم کرتی ہیں۔ سب سے زیادہ وہ آپ کے قریب رہی ہے ہرگز آپ سے چھپنے کی کوشش نہ کرے گی!"

"ہاں بھائی...." عطیہ بیگم بولیں۔ "میں نے تو آپ کہہ دیا۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ زندہ مردہ مجھے سمجھئے۔ ہاتھ پیر ہلانے کی طاقت نہیں۔ دو قدم چلتی ہوں اور سانس پھولنے لگتی ہے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ آپ ہی کو کرنا ہو جویریہ اور فرحانہ ایسی نہیں کہ وقت سے پہلے آکر کچھ انتظام کریں۔ کل ہی آپ نے دیکھا کہ کھڑے کھڑے مہمانوں کی طرح آئی تھیں۔ اور پھر رات ہی کو چلی بھی گئیں۔ عزت اکیلی کیا کیا کرے گی۔ میں ابھی آپ کو نہیں جانے دوں گی!۔ اور یہ ایمن میاں نے گھر کب خرید لیا۔ پتہ ہی نہیں چلا کچھ!"

مجھ سے بھی نہیں کہا تھا!۔ وہ تو میں اچانک ہی کل پہونچ گئی۔ ڈرائیور کو معلوم تھا اسی نے تو مجھے پہونچایا!۔" بیگم حسن نے کہا۔ "خیر تم دونوں کی مرضی نہیں ہے نہ سہی۔ مگر میرا خیال ہے کہ شگنی کے بعد ایمن بھی ایکھی سوچنے لگے ہیں!۔" وہ کچھ دیر چپ رہیں جیسے اچانک کوئی خیال خاموشی کا سبب بنا ہو۔ پھر پرتشویش لہجے میں بولیں۔ "معلوم نہیں... کیا سوچتے ہیں آج وہ مجھ سے ملے بغیر ہی چلے گئے!۔"

"بھابی۔ آپ کی خوشی یہی ہے تو یہی سہی۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے آپ کے

چلے جانے سے بہت صدمہ پہونچے گا۔ اتنے طویل عرصہ بعد آپ آئیں مجھے محسوس ہوا
جیسے میری بہن آئی ہو۔ میری ماں آگئی ہوں۔ ایک عجیب سی طاقت میری آپ سے
وابستہ ہے۔ مرزا صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔" میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں کوئی
روایتی غیریت اور بیگانگی بھی ہے۔ اگر کوئی ردار کھے تو خیال نہ کیجئے! بس اس
سے زیادہ میں آپ سے اور کچھ کہنا نہیں چاہتا! ۔ بیگم حسن لاجواب اور مجبور ہو
کر خاموش ہو گئیں ؟! ۔

صبح کی ہلکی ہلکی روشنی شام کے سیاہ بالوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ پورچ
میں گلابی پھولوں والی بیلیں جھوم رہی تھیں۔ سحر انگیز ہوائیں آرگن بجانے
لگی تھیں۔! نرس نے اس کا جسم شال سے ڈھک دیا۔ اور پھر چپکے سے باہر نکل گئی
تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شہیر اندر آیا۔ اس نے جھک کر شام کو دیکھا اور طنزیہ انداز
میں مسکرا کر شام کی پرانی نرس مس مونا کو دیکھنے لگا! ۔

"کوئی خاص بات۔ ڈاکٹر!..." اس نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

نہ جانے سر جن آفندی کو ان ہڈیوں میں زندگی کہاں چھپی نظر آتی ہے۔" وہ
بولا۔" اے ہوپ لیس کیس!" (مایوس کن)

"سرمائے اور وقت کی بربادی۔!" مس مونا نے کہا اور خاموش ہو گئی! ۔

جب بھی جاگیں مجھے اطلاع دے دینا۔ بہر کیف علاج میں غفلت نہیں..
ہونی چاہیئے!" شہیر یہ کہہ کر چلا گیا۔

بڑی دیر بعد نرس نے اسے اطلاع دی۔ اسے سرجن آفندی کا انتظار تھا! سرنج ہاتھ میں لئے سوچ میں ڈوبا وہ وارڈ کی طرف بڑھ گیا!۔ مشام دروازے کو دیکھ رہی تھی! امین کے بجائے اسے شہیر دکھائی دیا۔ وہ کبیدہ خاطر ہو گئی!۔

"ہیلو۔ مس جبار۔۔!" شہیر نے مسکرا کر کہا۔

"ہیلو۔ ڈاکٹر۔!" مشام بھی اس کی خاطر مسکرائی ... "کل سے اب تک یہ آپ کا بارہواں انجکشن ہے۔ تھکتے نہیں آپ؟"

"ساری رات آپ نے مجھے جگایا ہے!۔" شہیر نے ہنس کر جواب دیا اور اسکی پٹی پر بیٹھ کر انجکشن دینے کی تیاری کرنے لگا!۔ "آپ جلدی ٹھیک ہو جائیے میرا کام ختم ہو جائے!۔" اور یہ کہہ کر سرنج اس کے بازو میں پیوست کر دی۔

مشام نے ہولے سے کراہ کر آنکھیں بند کر لیں۔

ڈاکٹر شہیر اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ کے چیف ابھی تک نہیں آئے۔ ڈاکٹر؟" مشام نے پوچھا۔

ابھی ان کے آنے کا وقت نہیں ہوا۔ دس ساڑھے دس تک آئیں گے!۔ اور اب میں بھی نہیں آؤں گا۔ ڈیوٹی بدل گئی ہے۔ اشرف کو ٹریٹ کریں گے!۔ بائی۔ بائی!۔" اس نے سر خم کر کے رخصتی سلام کیا اور کمرے سے نکل گئے۔

اب خاصا دن نکل آیا تھا۔ زندگی سے معمور چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے لوگ آ رہے تھے۔ مشام اپنی ہر تکلیف بھولے ہوئے دروازے سے نگاہیں لگائے تھی!۔ دروازہ کھلا رہا۔ سفید پردہ آہستہ آہستہ ہلتا رہا۔ گھڑی کی سوئیاں جن کی سست رفتاری سے مشام کو بیر تھا۔ آہستہ آہستہ اپنی گردش پوری کرتی رہیں۔ مگر کسی کے قدم دروازے تک نہیں آئے!۔

بہت عرصہ بعد نرس نے کرنل جبار کے آنے کی اطلاع دی!۔ مشام نے چہرہ

ہتبسم بنا لیا۔ کہیں وہ اس کی اذیت کا اندازہ نہ لگا لیں۔ وہ انگشتری چھپانے کو مٹھی بند کر لی!۔

کرنل صاحب ہنستے ہوئے اندر آئے!۔

کیا کنڈیشن ہے۔ بے بی!"۔ وہ ہنستے ہوئے بولے "بھئی رات کو تمہاری۔۔ عدم موجودگی میں گھر ایسا بھائیں بھائیں کرتا رہا کہ مجھے تو نیند ہی نہ آسکی!۔ خدا کرے کہ جلد تم اچھی ہو کر چل سکو!۔"

"اگر میں اچھی ہو کر نہ چل سکوں۔ تو ڈیڈی؟"

اوہ نانسنس، ایسی فضول بات نہیں سوچتے!۔" کرنل صاحب نے کہا ان کے آتے ہی مونا نے چائے وغیرہ لگا دی۔ پندرہ منٹ تک کرنل صاحب بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے!۔ شام بالکل خالی الذہن ہو رہی تھی!۔ ابھی ڈیڈی کو پتہ نہیں ہے!۔ بستر مرگ پر اس نے پیمان وفا باندھا ہے اور اپنے معالج کے ساتھ؟ کیا کہیں گے کرنل جبار۔! ہزاروں طرح کے خیالات آئے اور گئے مگر وہ ان سے کچھ نہ بول سکی۔ وہ ان سے خائف یا شرمندہ نہیں تھی!۔ اپنی حالت پر ہنسی آ رہی تھی! کوئی کیا سوچے گا!۔ چاہے وہ باپ ہی کیوں نہ ہو!۔

پھر اسپتال میں رخصتی گھنٹی بجی اور کرنل صاحب بھی کھڑے ہو گئے!۔

"بیکار کے وہم مت کرنا۔ اچھا!"... کرنل صاحب نے جھک کر اسکی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر مریض اپنے معالج سے تعاون کرے تو بہت جلد صحت مند ہو جاتا ہے اور پھر۔ اپنا آنندی۔ وہ تو جان لڑا رہا ہے۔ تمہارے لئے۔ ابھی آتے وقت مجھ سے گھنٹہ بھر تک تمہاری باتیں کرتا رہا تھا!۔ بڑا شریف اور ایثار پسند نوجوان ہے۔ میں نے تمہارے لئے کچھ رقم دینی چاہی تھی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ معلوم ہے تمہیں سارے تمہارے بل اس کے کھاتے میں لکھے جا رہے ہیں!

یہ کہہ کر وہ یوں فخریہ انداز میں ہنسے جیسے اپنے بیٹے کا کوئی کارنامہ بیان کر رہے ہوں!۔

"وہ ابھی آپ سے ملے تھے۔ ڈیڈی مگر یہاں نہیں آئے؟!" شام کے دل پر دھکا لگا۔ ایمن کو سب سے پہلے اسی کے پاس آنا چاہیئے تھا!۔

"آتے ہوں گے۔ وہ تو بہت سا وقت تمھارے ساتھ گزارتے ہیں!۔ ورنہ میں جب اسی عہدے پر تھا۔ تب تو بات تک کسی سے کرنے کی فرصت۔!"

ڈاکٹر اشرف وارڈ میں داخل ہوا اور کرنل کی بات جہاں تہاں رہ گئی!۔ اشرف نے کرنل جھک کر انھیں سر سے سلام کیا!۔ کرنل صاحب اس سے باتیں کرتے ہوئے باہر نکلے اور شام احساس بیچارگی سے سوچتی ہی رہ گئی!۔ ایثار پسند نوجوان۔ اس نے مجھ سے بھی تو ایثار کیا ہے اور ایثار و محبت میں دور کا بھی واسطہ نہیں ہے!۔ لوگ غیروں کے لئے بھی قربانی کرتے ہیں یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ان سے بھی محبت رہی ہو!۔ اگر ایمن کو محبت ہوتی تو وہ سب سے پہلے میرے پاس آتے!۔ وہ بیمار مجھ سے اچھے ہیں۔ جن کے پاس وہ پہلے چلے گئے! شام جذباتی اور حساس حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔ بڑی متاثر و مغموم نظر آنے لگی!۔ پھر دنیا اسے بے کیف معلوم ہونے لگی۔ پھر زندگی بوجھ معلوم ہوتی۔ پھر اس کے خیالوں میں چھائی ہوئی بہار خزاں سے بدلنے لگی!۔ نرس انجکشن دینے آئی۔ اس نے اسے سخت سست سنا کر بھگا دیا۔ اشرف آیا اور وہ بھی کھری سن کر چلا گیا!۔ اس نے تکیے میں منھ چھپا لیا اور سسک سسک کر رونے لگی!۔

ایمن کو اسپتال پہونچے کئی گھنٹے ہو چکے تھے!۔ ایک چکر اس نے فرسٹ فلور کا لگایا اور جا کر اپنے ریسٹ روم میں بیٹھ گیا!۔ سناٹے اور تنہائی میں بیگم حسن کی دھمکی کی بازگشت سنائی دے رہی تھی!۔

"ایمن۔ ہزار وہ تمھاری پسندیدہ لڑکی ہو۔ مگر یاد رکھنا وہ میری بہو نہیں کہلا سکتی۔"

"میں تم سے کہے جاتی ہوں۔ جب میں مر جاؤں تو تم میری میت پر اپنا سایہ نہ ڈالنا۔"

"میری صورت نہ دیکھنا۔"

"میرے جنازے کو کندھا نہ دینا۔ تمھارے مرحوم باپ کی قسم، روز حشر دودھ نہ بخشوں گی۔"

ایمن زود رنج اور حساس بھی اتنا ہی تھا جتنا پرمحبت اور مخلص تھا۔ وہ غم و رنج کے بڑے بڑے پہاڑ اپنے قہقہوں میں فنا کر سکتا تھا۔ لیکن اپنی ماں کی عدول حکمی، سرتابی اور دل شکنی... دانستہ تو کیا۔ نادانستہ بھی ہمت نہیں تھی کہ ان کی کوئی بات ٹال سکتا!۔ اسے معلوم تھا کہ باپ کی موت کے بعد کتنی مصیبتیں اور پریشانیاں اٹھا کر انھوں نے اس کی تعلیم و تربیت کی تھی!۔ بے پناہ محبت اس سے کرتی تھیں۔ کیا وہ اپنی بے یار و مددگار اور دکھی ماں کا حکم ایک غیر لڑکی کی فرضی محبت میں ٹھکرا سکے گا؟!۔ نہیں۔ قطعی نہیں!۔ وہ مشام سے کہہ دیگا اس کی محبت کے وہ قابل نہیں!۔ پھر اسے اس پر غصہ بھی آیا۔ اتنی... بے حجابی اور بے باکی... اگر وہ مغربی تہذیب و تمدن کا پالا نہ ہوتا تو اسے اس کی بے تکلفی پر غصہ آتا۔ نفرت معلوم ہوتی!۔ لیکن یہ اس کی کیا شامت تھی۔ ہنگامی جذبات کے زیر اثر اس نے اپنی ماں کی طلب کردہ انگشتری اسے پہنا دی۔

پھر اس کے خیالات کا رخ مڑ گیا۔ مشام زندہ نہیں رہ سکتی!۔ یہ تو ایک ڈرامہ ہے۔ اسے سب کچھ اسے نریال سے کہہ دینا چاہیئے!۔ اگر وہ اس سے سچی محبت کرتی ہے تو یقیناً ایک بار ایثار پر آمادہ ہو جائے گی!۔ کوئی بار بار تو وہ قربانی مانگنے نہیں

جارہا ہے!۔

اب تک کئی ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر اور میڈیسن کے طالب علم ہاف ڈور کھول کر اندر جھانک چکے تھے!۔ وہ اندر پریکٹس ڈاکٹروں کا ایک پیریڈ بھی لیا کرتا تھا!۔ اس نے گوشے میں رکھی ہوئی اسٹیشنری میں سے ایک چھوٹا سا پیڈ کھینچا اور اس پر صرف دو سطریں لکھ کر جیب میں رکھ لیا۔

"ڈیر فریال۔ ایک نہایت ضروری مشورے کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں!۔ براہ کرم کوئی وقت نکال کر آگاہ کیجئے یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے!"

اس کے سوا کچھ اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اور پھر وہ جلدی سے ہاف ڈور کھول کر باہر نکل گیا!۔ اشرف اسے دیکھ کر دوڑ آیا۔

"سر جن!۔ آپ کو مس جبار کئی بار پوچھ چکی ہیں!۔ انھوں نے صبح سے اب تک سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ دوائیں پھینک دیں۔ جوس پینے پر آمادہ نہیں ہیں اور بضد ہیں کہ فی الفور گھر پہونچا دیا جائے!۔ دھمکی دیتی ہیں کہ اگر واپسی کا انتظام نہ کیا گیا تو وہ خود ہی اٹھ کر چلی جائیں گی!۔"

ایمن دل ہی دل میں جھنجلا گیا۔ بیٹھے بٹھائے کیا عذاب مول لیا تھا مگر مسکرا کر خندہ پیشانی سے کہا۔ "انھیں تلقین کیجئے کہ اتنی بیزار نہ ہوں!۔ میں بھی ایک راؤنڈ لگا کر آتا ہوں!۔ میری طرف سے بھی پیغام پہونچا دیجئے گا!" اور یہ کہہ کر لفٹ پر کھڑا ہو گیا!۔ اشرف کھڑا دیکھتا ہی رہا اور لفٹ اوپر بڑھ گئی!۔

یہاں ڈاکٹر لال نے پھر شام کا پیغام سنایا۔ مگر وہ حتی الامکان ٹالتا رہا۔

"رات میرے سینے میں بہت درد رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب!" ایک مریض کہہ رہا تھا

"میرے پیروں کا ورم بڑھ گیا ہے۔ ڈاکٹر" ایک بستر سے نحیف آواز ابھری۔

"ڈاکٹر صاحب... میرا بچہ۔!" ایک عورت سسکنے لگی۔

خاموش رہو۔ باری باری ڈاکٹر صاحب سب کو دیکھیں گے!" نرس نے للکارا اور بیچارے آہیں بھرتے اور کراہتے ہوئے مریض چپ ہو گئے!۔

"میں ابھی سب کے پاس آتا ہوں!" ایمن نے نرم لہجے میں کہا۔ اور نرس کی طرف مڑا۔ "پہلے بھی میں نے تمھیں منع کیا تھا کہ اس لہجے میں نہ بولا کرو۔ اگر میں نے پھر کبھی سنا تو۔ آئی ول سسپنڈ یو۔" (میں تمھیں معطل کر دوں گا۔)

"آپ کو یہ لوگ پریشان کر دیتے ہیں۔ جناب!" نرس نادم ہو گئی!۔ ایمن برا سا منھ بنا کر آگے ایک بستر کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"آپ کا ورم تو بہت کم ہے!۔" اس نے اپنے ہاتھ سے ایک مریض کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔ "کیا کھایا تھا آپ نے اس دوران میں!"

میری بچی کل رات پھلوں کا رس لائی تھی۔ وہی پی لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب دواخانے کا دودھ پیتے پیتے میں بیزار آگیا ہوں!"

"تو پھر مت پیا کیجیے!۔"

ڈاکٹر صاحب... خدا کے لئے میرے بچے کو ایک نظر دیکھ لیجئے!" عورت پھر گھگھیائی۔

ٹھہریئے۔ ذرا ٹھہریئے۔ میں ابھی آپ کے بچے کو دیکھتا ہوں!۔

میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب۔ باہر سے کیسے منگواؤں؟۔

"اس کی پرواہ نہ کیجئے" اس نے کہا۔ "آپ جو کچھ منگوانا چاہیں۔ میرے حوالے سے منگوا لیا کیجئے!"

وہ عقیدت و محبت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ آہ۔ یہ تو آسمان سے اترا ہوا!

فرشتہ لگتا ہے۔ ہمدرد و مہربان۔ دوسرے فرعون بے سامان ڈاکٹر اور چڑچڑی نرسیں سیدھے منھ بات کرنا گوارہ نہیں کرتیں!۔

وہ وہاں سے ہٹ کر بچے کے پاس گیا!۔ اور چند لمحے ننھے سے بچے کے رونے کی آواز ہال میں گونجتی رہی پھر وہ کسی اور کے پاس چل دیا۔ بہرحال وہ وقت گزارنا چاہتا تھا!۔ کسی نہ کسی طرح شام کے چار بجیں اور وہ گھر پہونچے۔!۔

"سرجن۔ آفندی۔" اچانک پھر اشرف دکھائی دیا۔ مس جبار آپ کو یاد کر رہی ہیں۔"

یس۔ یس۔ کمنگ!!" اس نے بناوٹی خوش اخلاقی سے ہنس کر کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے چوتھی منزل کی طرف قدم بڑھا دیے!۔ اشرف حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا!۔

ایمن نے طویل زینہ طے کیا اور لاونج میں کھڑے ہو کر بے مقصد انداز میں سگریٹ جلا کر گہرے کش لینے لگا!۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا!۔ کیسے شام کے پاس جائے۔ وہ اس کا سامنا کرتے گھبرا رہا تھا!۔ اسے شام کے قلبی احساسات کی پرواہ تھی نہ اندازہ۔ وہ درد و کرب جو اس نے اسے بخشا تھا!۔ وہ جذباتی بندھن۔ جس میں اس نے باندھا تھا۔ اب کیسے توڑا جائے گا!۔ وقت سے پہلے ہی وہ مر نہ جائے گی!۔ پھر یک بیک اسے ایک تدبیر سوجھ گئی!۔ چوتھی منزل کے لاونج ہی سے اس نے تیسری منزل میں موجود ڈاکٹر عمر کے نمبر ملائے اور ٹیلی فون پر کہا کہ سلمہ مس جبار کے فون سے ملا دے!۔ دو منٹ کے اندر اندر سلسلہ مل گیا! اور شام کی آواز سن کر سردی کی ایک تیز لہر کی طرح اس کے سارے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی!۔ اسے پہلے بولنے کا موقع دیے بغیر ایمن نے کہا۔

"ہلو۔ مس جبار۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے نا؟۔ دراصل میں آپ سے

ملنے کا وقت نہ نکال سکا!۔ ویسے میں مطمئن ہوں کہ میری ہدایت کے مطابق سب کام اچھی طرح ہو رہے ہوں گے۔" مس جبار۔ پلیز تحمل کی عادت ڈالیئے۔ آپ اب ایک لڑکی نہیں ہیں!۔" یہ کہہ کر وہ ہنسا۔ اور پھر بول پڑا:" دوائیں پیجئے انجکشن لیجئے۔ آپ اگر تنہائی سے گھبراتی ہیں تو میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اپنی دوسری عزیزاور بہنوں سے بھی ملا دوں!... بشرطیکہ آپ ان سے ملنا پسند کریں۔"

"ایمن... خدا کے لئے ایک بار۔ مجھ سے مل جایئے۔ میں اپنی زندگی سے بیزار شام کچھ بولنے چلی تھی کہ اس نے بات کاٹ دی۔

"چونکہ میری مصروفیت نئی نئی ہے نا... اس لئے میں بہت تھک جاتا ہوں!۔ پتہ نہیں۔ کرنل جبار کیسے یہ سب برداشت کرتے تھے۔ آپ تو ان کی شب و روز کی مصروفیت سے آگاہ ہوں گی!۔"

"وہ تو مصروفیت کے بارے کسی سے بات تک نہیں کر سکتے تھے!" شام بولی "لیکن آپ۔!" "بس یہی عالم کچھ میرا بھی سمجھیے! بہر حال میں کوشش کروں گا کہ کل.... آپ سے مل سکوں!۔ اور یہ میری فرمائش ہے کہ میں پھر کسی ڈاکٹر یا نرس سے آپ کی شکایت نہ سنوں!۔"

"یہ آپ کی فرمائش ہے یا خواہش!؟" شام نے پوچھا۔

"دونوں؟" اس نے پیشانی سے پسینہ پوچھتے ہوئے کہا کہ "اچھا تو کہیے آپ میری بہنوں سے ملنا پسند کریں گی!۔"

"کیوں نہیں!۔ مگر مجھے شرم آتی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر کیا کہیں گی!۔"

"میرا خیال ہے وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی!۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔ کل ملنے کی کوشش کروں گا۔ خدا حافظ۔!" اور یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ گھنٹی فوراً ہی پھر بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر میز پر ڈال دیا۔ سلسلہ منقطع ہو گیا

اور پھر جیسے ہی ریسیور ریک پر رکھا گھنٹی بجنے لگی! جبراً دوبارہ ریسیور کان سے لگایا ادھر سے برابر ہلو، ہلو ہو رہا تھا!۔

"ہاں میں آفندی بول رہا ہوں!" اس نے جھلا کر کہا۔

"ڈاکٹر" اب کی نرس کی آواز سنائی دی۔ "پلیز۔ جلد آئیے۔ وہ آپ کے پاس جانا چاہتی ہیں۔"

"اچھا۔ انھیں منع کرو۔ میں آرہا ہوں!۔ ایک زوردار کھٹا کے سے اس نے ریسیور رکھا کہ لاونج گونج اٹھا اور وہ لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا تیسری منزل کی طرف مڑ گیا!۔

مشام کو کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اسے اپنا موڈ ٹھیک کرنے اور چہرے سے تلخی کے آثار دور کرنے کے لئے کافی دیر تک باہر ہی ٹھہرنا پڑا۔ پھر اس نے کھنکار کر اپنی آمد کا اعلان کیا اور اندر چلا گیا!۔ کمرے میں خاصی ابتری نظر آئی۔ نرس ایک طرف لرزاں ترساں کھڑی تھی! فرش پر ٹوٹی ہوئی فیڈنگ کپ۔ پھل اور بھری ہوئی سرنج تپائی پر رکھی تھی!۔ ایمن دروازے ہی پر ٹھٹھک گیا!۔

"آپ سے میں نے کب التجا کی تھی!" مشام اسے دیکھتے ہی رو پڑی۔ "مجھے اس زندان میں قید تنہائی کی سزا دیجئے۔ نہیں۔ نہیں... مجھے واپس پہونچا دیجئے یہاں میں نہیں رہ سکتی!۔ صبح سے یہ وقت آیا۔ آپ نے میری خبر نہیں لی۔"

"نرس... تم باہر ٹھہرو۔!" اس نے کہا۔ نرس باہر چلی گئی اور وہ دروازہ بند کر کے اس کے پاس کرسی پر آ بیٹھا۔ اب اسے اپنی فاش غلطی کا مزید احساس ہوا مشام صرف موڈی ہی نہیں۔ غصیلی اور ضدی بھی تھی!۔ ایمن کے چہرے پر سنجیدگی اور قدرے ناگواری دیکھ کر مشام سنبھل گئی!۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے اپنی ہستی کو کھلونا کیوں بنا رکھا ہے۔ میں اپنی

ذمہ داری پر آپ کو یہاں لایا ہوں۔ اپنی تنہا ذمہ داری پر آپ کا آپریشن کروں گا۔ اگر آپ نے مجھ سے یہی بیدردانہ سلوک روا رکھا تو پھر میں کرنل صاحب کو منھ بھی نہ دکھا سکوں گا! وہ تو یہی کہتے تھے کہ تم علاج نہیں کر سکتے!۔ میں نے دعوا کیا تھا کہ کر سکتا ہوں!۔ لیکن اب مجھے مایوسی ہوتی جا رہی ہے مس شام... آپ مجھ سے عملی تعاون نہیں کر رہی ہیں!"

"شام کے چہرے پر تمتماہٹ نمودار ہوئی!۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں!۔

جس طرح آپ کو میری ضرورت ہے۔ اسی طرح اوروں کو بھی ہے۔ آپ ذرا انہیں سوچئیں۔ اگر میں صرف آپ کے پاس بیٹھا خوش گپیاں کرتا رہوں تو کل ہی مجھے علحدگی کا نوٹس مل جائے گا۔ میں یہاں ملازم بھی تو ہوں۔ مس جیار۔ اگر یہ میرا ذاتی اسپتال ہوتا تو میں قطعی اپنے اوقات کی پرواہ نہ کرتا!۔ اور جو آپ چاہتی ہیں وہی کرتا۔ لیکن آپ میری مجبوریوں کو بالکل نہیں سمجھتیں!"

"سمجھتی ہوں ایمن... مجھے معاف کر دیجئے۔!" شام ندامت سے لبریز لہجے میں بولی۔

"نہیں، نہیں۔ اس میں معافی مانگنے کی کیا بات ہے!" وہ اوپری دل سے ہنسا۔ "مجھ سے آپ ایک وعدہ کیجئے اور اٹل وعدہ۔ کہ کبھی آپ کوئی بات اپنی طرف ایسی نہ ہونے دیں گی کہ لوگوں میں نامناسب چہ میگوئیاں شروع ہو جائیں!۔ آپ اور میں ذمہ دار شخصیتیں ہیں نا؟۔ یہ تو آپ محسوس کرتی ہیں۔ مس شام!"

"جی ہاں!"

"تو پھر آپ کو میری اور اپنی پوزیشن کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیے!" اس بڑے میٹھے اور نرم لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ میرے لئے کس قسم کے

جذبات رکھتی ہیں۔ لیکن مس شام کیا یہ ضروری ہے کہ سب کے سامنے ان جذبات کا اظہار بھی کر دیا جائے؟!“

”نہیں۔ ایمن۔ نہیں۔ خدارا مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔“ شام نے بیقرار ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا۔“ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں پھر کبھی آپ کوئی شکایت نہ سنیئے گا۔ مگر۔ ڈاکٹر... میں کیسے صبر کروں۔ آج دن بھر آپ مجھے دکھائی نہیں دیئے۔ اور میں بے قرار ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ شاید آپ مجھے بھول گئے ہیں!“

ایک فضول بات آپ نے کیوں سوچی تھی۔!“ ایمن نے چپکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور بہانے بہانے سے مناسب جگہ پر رکھی ہوئی تپائی پھر دوسری جگہ رکھنے لگا۔ جیسے یہ کام بڑا ضروری ہو۔ وہ خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ کاش کوئی ادھر آجائے!۔ مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوئی اسے دوسری تدبیر سوجھ گئی!۔

”میں نرس سے کہوں۔ کچھ آپ کے لئے لائے!“ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شام بھوک پیاس بھول گئی!۔ اس کی نظریں ایمن کی سو سو بلائیں لے رہی تھیں گہرے سلیٹی رنگ کے سوٹ میں کتنا نکھرا ستھرا لگ رہا ہے۔ جیسے چاند کو بارش نے نہلا دیا ہو؟۔ اس کے پسندیدہ انداز اس کی دلنشیں مسکراہٹ۔ گفتگو کے دوران میں بار بار پلکیں جھپکانے کی عادت۔ اس کا بس نہ تھا وہ اسے آنکھوں میں سمو لے۔ دل میں رکھ لے۔

نرس اس کے لئے پینے کی کوئی چیز لائی اور ساتھ ہی ایمن کو کرنل ظفر کا پیغام سنایا۔

”کل آپ کب آیئے گا!“ شام نے پوچھا۔

"آپ میرے انتظار کی زحمت نہ کیجئے گا! بہر حال میں آؤں گا ضرور!"
یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

باری کے والد عبدالغفار صاحب کو مرزا صاحب کے دو تین خط ملے! اور پھر ایک تار بھی ان کی روانگی میں تھمیز کا کام کر گیا۔ سامان سفر تو درست تھا ہی باری سمیت ہفتہ بھر کے اندر اندر پہونچ گئے! ۔ وہ بھی مرزا صاحب کے بہت گہرے دوست تھے۔ تقریباً اس وقت کے ساتھی جب دونوں اسکول کے ابتدائی کلاسوں میں پڑھتے تھے۔ وہ بیگم حسن سے ملنے کے لئے بھی بے چین ہو رہے تھے! ۔ وہ بھی انھیں بخوبی پہچانتی تھیں۔ ان کے اخلاص اور شرافت کی معترف بھی تھیں اور اب شمعی کے خسر کی حیثیت سے وہ انھیں اور زیادہ اپنا عزیز سمجھنے لگیں۔ باری کو انھوں نے اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔ نہایت شریف اور پر محبت لڑکا تھا! ۔
غفار صاحب۔ جمشید منزل پہونچے اور بڑی محبت سے بہت پرانے بچھڑے ہوئے دوست آپس میں ملے۔ حسن صاحب کو یاد کر کے غفار صاحب روئے اور رلایا۔ وہ ایمن سے بھی ملے۔ اور بے حد پسند کیا۔ ایمن انھیں فوراً پہچان گیا بچپن میں اکثر ان کے ساتھ جنگلات کی سیر کو جا چکا تھا! ۔ سب باتیں سب یادیں خواب وخیال ہو چکی تھیں! ۔ لیکن تاثر ابھی تک باقی رہ گیا تھا! ۔
"بیٹے۔ مجھے اپنا چچا دچانہ کہنا، سمجھے!" انھوں نے ایمن کو اپنے گلے سے لگا کر کہا۔ "میں نے شروع سے تمھاری امی کو اپنی بہن کہا اور سمجھا ہے۔ لہذا

میں تمھارا ماموں ہوا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم مجھے بچپن میں بھی ماموں بھیا ہی کہا کرتے تھے!"

"بچپن کے رشتے بڑے ہونے کے بعد ٹوٹ تو نہیں جاتے۔ ماموں بھیا!"

ایمن نے ہنس کر کہا اور وہ خوش ہوگئے!۔ باری کی طرف دیکھ کر بولے۔

"دیکھا ایسے ہوتے ہیں۔ شریف اور ہونہار بچے!"

"جی ہاں!۔ انھیں دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں آئینہ دیکھ رہا ہوں!" باری مسکی شکل بنا کر بولا۔ مرزا صاحب تو ہنس پڑے۔ مگر غفار صاحب ایک ایک کا منھ تکنے لگے!۔

"بھائی صاحب۔ ماشاءاللہ آپ کا لڑکا بھی کسی سے کم نہیں۔ مجھے تو بہت اچھا لگا!" بیگم حسن بولیں۔

باری کی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں!۔ لیکن اپنے اشتیاق کا اظہار اس نے نہیں کیا!۔ ایمن سے آنکھوں میں چلنے کا اشارہ کیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ ایمن مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں الگ تھلگ برآمدے میں جا کھڑے ہوئے!۔

"فرمائیے۔ جناب ڈاکٹر صاحب..." اس نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کتنے من مبارک باد آپ مجھ سے قبول کریں گے اور کتنے ٹن مٹھائی مجھے آپ سے طلب کرنی چاہیئے ؟!"

"آپ نے تو منوں اور ٹنوں کی بات کر کے میرے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔" ایمن ہنسنے لگا۔ "حالانکہ میں نے سنا ہے۔ مقابلے کے امتحان میں آپ کی بڑی اچھی پوزیشن آئی ہے!"

"مٹھائی طلب کرنا دقیانوسی حرکت ہے۔ ایمن صاحب... دراصل آپ سے اصرار تو ڈنر پارٹی کا کرنا چاہیئے۔ خیر ہٹائیے۔ اور سنائیے۔ کیا حال احوال

ہیں۔ ابامیاں نے اتنے دنوں بھیانک بھیانک جنگلوں کی ایسی ہوا کھلائی ہے کہ میں شہر کا ماحول بھول گیا۔ ڈھنگ سے بات کرنی نہیں آرہی ہے۔"

"تو پھر آرام کرو یار۔ ایسی کیا جلدی ہے تمھارا ہر فیصلہ منظور ہے" امین نے بڑی بے تکلفی اور اپنائیت سے کہا۔ "میں تمھیں بہت پسند کرتا ہوں!۔ منگنی کے دن میں نے تمھیں یاد بھی کیا تھا۔ بہت دن رہ گئے جاگیر پر۔!"

ہاں۔ ابامیاں ایک مکان فروخت کرنے لگے تھے!۔ اسی میں دیر لگ گئی!۔ ہزار میں نے چاہا کہ جلد بھاگ آؤں گر انھوں نے مجھے جانے نہیں دیا!"

باری بولا۔ اور وہ بھی بے تکلفانہ طرز تخاطب اختیار کرتا ہوا بولا۔ "خط سے پتہ چلا۔ تم نے کافی لمبا ہاتھ مارا۔ یقین کرنا کہ میں اچھل پڑا تھا۔ فریال بیحد پیاری بچی ہے۔ ایک زمانے میں، میں اس کا معلم بھی رہا ہوں!۔ ویسے تو میں نے کبھی ڈانٹا ڈپٹا نہیں۔ مگر آں جناب مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں آپ کے سلسلے میں بھی نرمی برتوں گا۔ وہ میری شاگرد ہے۔ آپ بھی شاگرد ہی ہوئے!"

"ہاں۔ ہاں۔ کوئی غلطی کرتے دیکھنا تو گوشمالی کرلینا۔" امین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یاخدا۔ آپ لوگ یہاں کیا رازداریاں کررہے ہیں!" عزت ادھر آنکلی۔ "چلئے نا۔ طعام خانے میں کافی ٹھنڈی ہوئی جارہی ہے!"

"ہماری کافی یہیں بھجوا دیجئے۔" باری نے کہا۔ "سب کے ساتھ تو پابند ہوکر بیٹھنا پڑے گا۔"

"باری بھیا۔ پابندی سے گھبراتے ہیں آپ۔ اور جلد ہی جو آپ کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جائیں گی تب!" عزت نے آنکھیں نکالیں۔

"اللہ وہ وقت جلد لائے۔ جھم جھم پہن لوں گا!" باری نے بڑی بوڑھیوں کے

انداز میں کہا۔

"چلیے، ہٹیے۔ فضول بڑوں کا مذاق اڑاتے ہیں آپ!" عزت ہنستی ہوئی چلی گئی!۔

"بے حد مخلص ہیں عزت!" ایمن نے کہا۔

"بیحد.....!" باری نے کہا۔ "ان کی بھی عجیب ٹریجڈی ہے!" ایک پل وہ سگریٹ نکالنے کو رکا۔ پھر سگریٹ کیس اور لائٹر ایمن کی طرف بڑھا دیا۔

"میں بہت کم پیتا ہوں!" ایمن نے ایک سگریٹ لے کر سلگایا۔ "میرا مشورہ ہے کہ تمھیں بھی کم پینی چاہیئے۔ تمھارے ہونٹ بہت خوب صورت ہیں۔ سیاہ پڑ جائیں گے!"

"واقعی؟" باری نے قہقہہ لگایا۔

"سچ سچ!" ایمن کو فریال کا تکیہ کلام یاد آیا اور وہ بھی ہنسنے لگا۔ عزت نے ملازم سے چائے اور بڑی سی ٹرے میں بہت کچھ لوازمات رکھ کر بھجوا دیے!۔ باری آگے بڑھ کر چائے بنانے لگا۔

"ایک بات پوچھوں؟۔ ایمن!" اس نے چپکے سے پوچھا۔

"ایمن اس کی طرف دیکھنے لگا!۔ باری نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا "ہمارے سالے صاحب مدظلہٗ کہاں ہیں نظر نہیں آتے!"

"پتہ نہیں!" ایمن نے بھی آہستہ ہی سے جواب دیا۔ "میں نے تو تین چار دن سے نہیں دیکھا۔ بڑے کم آمیز معلوم ہوتے ہیں!"

"بدو ماغ!" باری نے منھ بنا کر کہا۔ "تم یقین کرو۔ ایمن۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی میں نے اس شخص کو مسکراتے یا ہنستے ہوئے دیکھا ہو۔ شمعی کہتی ہے تم نے انکا سوٹ نہیں دیکھا۔ دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے!" شمعی میرے پاس آجائے۔ ایک

مرتبہ بھی انھیں شمعی سے ملنے کا موقع نہیں دوں گا!۔"

"نہیں بھائی۔ کیوں خواہ مخواہ بہن بھائی کے درمیان نفاق و نفرت کی دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ گے!" ایمن نے کہا۔ باری نے کچھ جواب نہیں دیا۔ دونوں چائے پینے لگے!۔ ایمن اسے اپنا بڑا دوست سمجھنے لگا!۔ اس کی باتوں سے اس کے طرز و انداز سے گہرے خلوص کی خوشبو آئی۔ اس کی آنکھوں سے شرافت نیکی اور معصومیت برس رہی تھی!۔ چائے کے دوران میں ایمن نے کہا۔

تم بڑے خوش قسمت ہو۔ کم از کم شمعی کا تم سے پردہ نہیں!۔ ہم تو یونہی رہ گئے!۔"

"ایں!۔ نہیں!۔" باری کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے تھم گیا۔" سچ کہو۔ اب کیا اس شریر نے تمھیں ستانے کی نئی ترکیب نکالی ہے!۔ کیا واقعی وہ پردہ کرنے لگی!؟"

"ہاں یار۔ بڑا گاڑھا پردہ۔" ایمن نے ہنس کر کہا۔" تڑپ گیا۔ صرف ایک بار ملنے اور دیکھنے کے لئے۔ لیکن وہی محرومی۔ یعنے کہ من رآنی کا جواب لن ترانی!۔"

میں اس شیطان کا کان پکڑ کر کھینچ لاؤں گا!" باری نے کہا۔" یہ تو بڑی... زیادتی ہے!۔ ایمن۔ تمھیں فریال سے محبت ہے؟۔" دفعتہً باری نے ایک سوال کر دیا۔

"محبت؟...." ایمن نے پیالی ہاتھ سے رکھ دی اور گہری سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹیک دیا۔

"باری۔ کوئی اور نام رکھو اس احساس کا۔ محبت تو پامال ہو چکی۔ میں نہیں جانتا۔ جو جذبات میرے دل میں پیدا ہوتے رہیں۔ میں انھیں کیا نام دوں؟۔ میں تمھیں کبھی نہیں بتا سکتا۔ مجھے فریال سے محبت ہے یا کچھ اور۔؟"

"سچ کہتے ہو۔ ایمن … تم نے تو میرے خیالات کی ترجمانی کر دی:" باری نے کہا: "میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔ محبت کیا بلا ہے۔ کیوں اس قدر مضطرب و پریشان رکھتی ہے۔ لیکن یہی بے چینی تو زندگی کی رعنائی بھی ہے! ؎

دل گیا رونق حیات گئی
غم گیا ساری کائنات گئی

"آہا!" ایمن نے لطف لے کر کہا۔ "تم نے نہیں سنا؟ ؎

شکوۂ دردِ غم نہ کر تجھ کو نہیں ہے کیا خبر
درد جو کم ہوا تو پھر لذتِ زندگی نہیں

"اوہ۔ ایمن۔" باری نے بہوت ہو کر کہا۔ "تمہیں ایسے اشعار بھی یاد ہیں! کچھ اور تو سناؤ۔ تم نے تو مجھے اور اشتیاق دلا دیا۔"

"ہاں ہاں ضرور سنو!" ایمن نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو۔ میں محض ڈاکٹر ہوں شعر و شاعری سے نابلد۔ لیکن میں اب گھنٹوں اردو لٹریچر اور شاعری کا مطالعہ کرتا ہوں تاکہ زبان پر عبور حاصل کر لوں اور لوگ میری غیر فصیح باتوں پر ہنس نہ سکیں۔ ظاہر ہے کہ فارن میں رہ کر سلاست فصاحت زبان کیسے حاصل کر سکتا تھا۔ بہرحال جناب اب تو اپنے اشعار مجھے یاد ہیں کہ ہفتہ بھر تک مسلسل شب و روز سناتا رہوں تو بھی اسٹاک ختم نہ ہو!"

"یہ تو نئی بات معلوم ہوئی:" باری بھی چائے پی چکا تھا۔ ٹرے اٹھا کر دور میز پر رکھ دی اور ان میں شعر و شاعری ہونے لگی!

"سنو!" ایمن نے کہا: "شاعر کا نام معلوم نہیں مگر شعر مجھے پسند ہے ؎

مجھے بے نیاز الم نہ کر مجھے بے نصیب ستم نہ کر
مرے غم کی لذت جاوداں مری زندگی کی بہار ہے

"واہ واہ۔ اور کچھ؟" باری نے جھوم کر کہا۔

"بہت کچھ۔!" ایمن نے کہا۔ "اور سنیئے ؎

غم کو بہت حسین بنانا پڑا ہے آج — اُف درد بے پناہ کو چھپانا پڑا ہے آج

فرمائشوں پہ انکی بہ ایں سوزش تمام — اک نغمہ لطیف سنانا پڑا ہے آج

ایمن۔ معلوم ہوتا ہے۔ دوست بہت بڑی چوٹ کھائے ہوئے ہو؟" باری تڑپ کر بولا۔

بہت بڑی چوٹ۔ لیکن کیا کروں

در فراقِ تو من خستہ بجانم چہ کنم
زیستن مشکل و مردن نتوانم چہ کنم

اخ خاہ۔ تو یوں کہیئے۔ آپ کو فارسی میں بھی دخل ہے!" باری نے تعجب سے کہا۔

ہاں۔ مگر عرض مدعا کا حوصلہ کہاں۔!" ایمن نے کہا ؎

از نفس در سینۂ خوں گشتہ نشتر داشتم
زیر خاموشی نہاں غوغائے محشر داشتم

"تو پھر۔ یوں کرو کہ لکھ بھیجو!" باری نے کہا اور خود بھی مشورۃً۔ ایک شعر عرض کر دیا۔ ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

"واللہ۔ یہی لکھ بھیجوں گا!۔ ایمن نے کہا۔ دونوں میں بڑی دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں!۔ اگر ایمن نے باری کو پسند کیا تھا تو باری نے بھی اسے بہت پسند کیا!۔

پھر وہ اٹھ گئے!۔ ایمن کو فکر ستا رہی تھی کہ کیسے وہ اپنا پرچہ فریال تک پہنچائے اس طرح کی خط و کتابت اسے نہایت رکیک اور جہل لگتی تھی!۔ پھر کیا کرے! خط جیب سے نکال کر اس نے لائٹر سے جلا دیا اور گھنٹی بجا کر ملازم کو بلایا۔ اس نے آنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس سے یہ کہہ کر کہ وہ فوراً مشکور کو بھیج دے وہ آرام کرسی میں گر گیا۔

"آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ دولہا بھائی!" مشکور کی شرارت آمیز آواز سنائی دی۔ یہ خطاب ایمن کے لئے بالکل نیا تھا!۔ آج تک اس نے دولہا بھائی کی ترکیب نہیں سنی تھی!۔ سیدھے سادے لہجے میں کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ تم دولہا بھائی کسے کہتے ہو۔ بہر حال وہ یہاں نہیں ہیں۔ تمھیں میں نے بلایا تھا!"

مشکور بے تحاشا ہنس پڑا۔ "واہ ایمن بھائی۔ آپ خوب بیوقوف بناتے ہیں آپ ہی تو میرے دولہا بھائی ہیں۔ نہیں سمجھے آپ!۔ بہن کے شوہر کو دولہا بھائی کہتے ہیں!۔

"گڈ لارڈ!" ایمن نے بوکھلا کر کہا۔ "چلو ایک محاورہ اور معلوم ہو گیا۔ دولہا بھائی: اتنا بھاری بھرکم لفظ!۔ ماسٹر تم تو فی الحال مجھے بھائی ہی کہا کرو۔ دولہا کا اضافہ بعد کو کرنا!۔ خیر۔ ہاں۔ تو یہ بتاؤ۔ تمھاری باجی کیا کر رہی ہیں!"

"باجی یہاں کہاں؟۔ وہ تو بڑے بھیا کے ساتھ گئیں!" مشکور نے کہا۔

"کب؟" ایمن اچھل پڑا۔ "مجھے پتہ نہیں چلا"

"واہ۔ ارے وہ میرے سامنے آپ سے مل کر گئیں تھیں"

"تم کس کے متعلق کہہ رہے ہو؟"

"تمھاری باجی فریال کے متعلق؟"

آہا۔ تو یوں کہئے نا۔ میں سمجھا آپ باجی جویریہ کو پوچھ رہے ہیں۔ انھیں تو میں چھوٹی باجی کہتا ہوں!" مشکور نے کہا۔ ایمن بیزار ہونے لگا! پھر شاید اسے خود ہی یاد آگیا۔ جلدی سے بولا "ہاں تو فریال صاحبہ۔ انہی کو پوچھ رہے تھے نا آپ.... ان کے پاس شمعی آپا ہیں۔ خوب گپ شپ لڑا رہی تھی۔ پتہ نہیں کس بات پر ہنس رہی تھیں۔ میں گیا تو مجھے بھگا دیا!"

اچھا تو مشکور۔ تم اپنی چھوٹی باجی کو میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ میں ان سے صرف پانچ منٹ کے لئے ملنا چاہتا ہوں!" ایمن نے کہا۔

"ارے باپ رے۔ کیا آپ میرے سفید چونڈے میں کالک لگوانا چاہتے ہیں!" مشکور نے کہا۔ ایمن بے ساختہ ہنس پڑا۔ مشکور تعجب سے اسے دیکھنے لگا! اس نے کسی بڑی بوڑھی سے محاورہ سُن کر عرض کر دیا تھا مطلب معلوم نہیں تھا!۔

مطمئن رہو۔ تمھارا سفید چونڈا صحیح سلامت رہے گا! تم بس چپکے سے ان تک یہ پیغام پہونچا دینا۔ اور بس۔ بھاگ آنا۔

"کمیشن؟" مشکور نے بھولے پن سے پوچھا۔

"کمیشن؟" ایمن کو ہنسی آگئی! "ایڈوانس لوگے؟۔ بھئی کام تو کیا نہیں!"

وہ تو ہو جائے گا۔ مگر۔!" مشکور نے کہا۔ اور میز پر رکھے ہوئے قلم کو دیکھنے لگا!۔ ایمن نے قلم اٹھا کر اسے تھما دیا۔

"اور اس کے سوا۔ جو چیز اچھی لگتی ہو لے جاؤ۔!" ایمن نے مسکرا کر کہا۔

"جی۔ بس۔ شکریہ!" قلم اس نے جیب میں رکھا اور کمرے سے بھاگ گیا۔

رات کے کھانے پر اتفاق سے شمعی اور فریال بھی تھیں۔ مردوں کے لئے باہر

انتظام کیا گیا تھا۔ بڑی لجاتی شرماتی ہوئی فریال بیگم حسن کے سامنے نکلی تھی۔
مشکور نے اسی وقت بم پھینک دیا۔

"اے۔ جی۔ چھوٹی باجی۔ آپ کو دولھا بھائی بلا رہے ہیں!"

فریال اپنی دانست میں یہ سمجھی کہ وہیں آئے ہیں۔ ہاتھ سے لقمہ رکابی میں رکھ کر پوچھا "کہاں ہیں کب آئے دولھا بھائی!"

"آپ کے دولھا بھائی نہیں" مشکور نے منھ بنا کر کہا۔ "میرے دولھا بھائی یعنے کہ ڈاکٹر ایمن صاحب"

فریال پسینے پسینے ہو کر بیٹھ گئی! شمعی نے اسے گھور کر دیکھا مشکور نے اس پر اور زیادہ برا سا منھ بنایا اور پھوٹ سے بولا۔

"بیکار آپ مجھے گھورتی ہیں۔ شمعی آپا۔ دوسرا قلم باری بھیا پریزنٹ کریں تو میں ایسا ہی پیغام ان کی طرف سے بھی لا سکتا ہوں!"

"بیکار بک بک نہ کرو۔ بیہودہ شیطان کہیں کے" عزت نے ڈانٹا "چپ چاپ بیٹھ کے کھاؤ" "شیطان تو بیہودہ ہوتا ہی ہے۔ عزت آپا" مشکور بولا۔ "آپ کیا سمجھتی ہیں۔ وہ بھی کوئی سول سرجن یا آئی سی ایس ہوگا!"

"اب میں تجھے ماروں گی۔ بدتمیز رہ تو جا۔!" عزت جھپٹی اور مشکور چھلانگ مار کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ بیگم حسن مسکرا رہی تھیں۔ فریال نے بمشکل چند لقمے حلق سے اتارے اور اٹھ گئی! اتفاق ہی تھا کہ باہر سے ایمن کو اپنے کمرے میں بھیج کر باری آ رہا تھا! اس کا اور فریال کا سامنا ہوا۔ وہ بھاگنا ہی چاہتی تھی کہ باری نے جھپٹ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"اللہ۔ باری بھائی۔ مجھے جانے دیجئے۔!" وہ شرمانے لگی!۔
"سنو تو۔ بے بی۔ میں نے معتبر ذرائع سے معلوم کیا ہے کہ تم خدانخواستہ بیحد

مغرور ہو گئی ہو!۔

ہائے اللہ۔ میں کیوں ہو جاتی مغرور۔! ہٹیئے۔ مجھ سے فضول مذاق کرتے ہیں آپ۔" ہاں اور کیا۔ ایک تو تمہارا استاد۔ دوسرے بڑا بھائی۔" باری نے سر ہلا کر طنزیہ کہا۔" تم ہی سے میں مذاق نہ کروں گا تو اور کون کرے گا!"

تو پھر بتایئے۔ کس نے یہ جھوٹ سچ آپ سے لگا دیا ہے۔ میں اللہ نہ کرے۔ کیوں ہو جاتی خواہ مخواہ مغرور۔!" زریال بولی۔

"بتاؤں . . ." باری نے دھمکایا۔ اور آنکھیں نکالیں۔ زریال نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

"تمہارے ڈاکٹر صاحب بہادر نے رو رو کر شکایت کی ہے۔ مجھ سے" باری بولا۔ اور بھاگی ہوئی زریال کی بانہہ پکڑ لی۔" کہہ رہے تھے کہ واہ باری صاحب کیا اخلاقی تعلیم آپ نے اپنی شاگرد کو دی ہے کہ مہمانوں اور انشاءاللہ آئندہ ہونے والے نیازمند سے میزبان کی رسمی مزاج پرسی بھی گئی!۔ میں کہتا ہوں۔ یہ کیا واہیات ہے۔ ایم۔ اے کر کے ڈبو دیا تم نے! کہہ رہے تھے کہ گاڑھا پردہ کرنے لگی ہو۔ کیا یہ غرور نہیں ہے کہ بھئی ہم تو بے حد حسین ہیں۔"

"اچھا مجھے جانے دیجئے۔" زریال اپنا بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔ اور پھر بسورنے لگی۔" فرض کیجئے۔ ادھر کوئی آ جائے۔ تو پھر!"

"تو پھر" باری دہاڑ کر بولا۔" کسی کے باپ کی جاگیر ہے کہ ڈر جاؤں گا!"

"ہائے اللہ۔ آپ تو چیخنے لگے!" زریال نے ڈر کر کہا۔ اور اپنی بانہہ چھڑا کر بھاگ گئی۔ باری نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔

پھر دفعتہً وہ خاموش ہو کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ جہاں سے ایک نازک سا ہیولیٰ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ باری کا دم لبوں پر آ گیا۔ وہ شمعی

تھی ! ۔ اسے پتہ نہیں تھا وہاں باری تھا ! ۔ وہ سانس روک کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ بڑھا کر مدھم دولٹ والا بلب بجھا دیا ۔ شمی نے خیال بھی نہیں کیا ۔ روز ہی ادھر کا بلب ملازم بجھا دیا کرتا تھا ۔ اپنی دھن میں کھوئی ہوئی وہ آگے بڑھتی گئی اور جیسے ہی شہ نشین کے موڑ پر پہونچی ۔ کسی کے بازوؤں کے حلقے میں سما گئی ! ۔ ایک ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی ! ۔

"شمی ! ۔" باری نے اس کے سر پر اپنے لب رکھ دیے ! ۔ اور شمی بدحواس و مضطرب بے جان گڑیا کی طرح اس کے سینے سے لگ گئی اس نے غیر ارادی اور اضطراری طور پر ایسا کیا تھا ! لیکن باری تو محسوسات کی کسی اور ہی دنیا میں چلا گیا ! ۔ اسکی گرفت تنگ سے تنگ تر ہوتی گئی اور شمی اس کے سینے پر سر رکھے لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی ۔ اس کے ہاتھ پاؤں برف کے مانند سرد ہو گئے وہ سارے جسم سے لرز رہی تھی ! ۔

"میری شمی ۔ تم ڈر گئیں ! ۔" باری اس کے سہم جانے پر شرمسار سی ہنسی ہنسنے لگا ! "یہ تو میں تھا ۔"

"اللہ ۔ ۔ آپ نے میری جان نکال لی ۔ !" شمی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ۔ "دیکھئے ۔ ابھی تک دل دھڑک رہا ہے ! ۔

"کیا کہہ رہی ہیں ۔ تمھارے دل کی دھڑکنیں ! ۔" باری نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھا ۔ شمی مچل کر اس کی گرفت سے چھوٹ گئی ! ۔ اندھیرے میں باری کی جذباتی اور محبت پاش آواز اس کے دل کے آس پاس گونجی ۔" اب تو اپنے دل پر مجھے بالکل قابو نہیں رہا ۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتیں ۔ یہ دن کیسے کرب ناک اور بھیانک مجھ پر سے گزرے ہیں ۔ راتیں پہاڑ بن گئیں دن کاٹنا دشوار ہو گیا ۔ میں تو سوچتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو ۔ میں تمھیں دیکھے بغیر ہی مر جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔" وہ ہنسا ۔" اچھا فرض کرو ۔ اگر میں واقعی مر جاتا

تو تم کیا کرتیں ؟ "

شمی دل ہی دل میں رو رہی تھی ۔ یہ معصوم اور بے خبر انسان ۔ اُسے اسے کچھ پتہ نہیں ۔ ۔ ۔ اس کی ذرا سی محبت تو کیا ۔ رتی بھر انسیت اس کے دل میں نہیں ۔ وہ اس کی آواز سے بے زار ۔ اس کی شکل سے بے زار کسی اور ہی جہاں میں اپنی گونگی بہری محبت کو سینے سے لگائے آبلہ پائی کر رہی تھی ! ۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو بھی چکا تھا ! ۔ مگر وہ اپنے دل کو کیا کرتی ۔ جو اب بھی امین کو پکار رہا تھا ! ۔

" تم نے جواب نہیں دیا ۔ میری شمی ! ۔ اوہو ۔ کہیں میرے ظالمانہ سوال نے تمھاری پلکیں تو نم نہیں کر دیں ۔ مجھے معاف کر دو ۔ پھر کبھی یوں نہیں کہوں گا ۔ مگر اتنا بتا دو ۔ تم مجھے یاد کرتی رہی تھیں نا ؟ "

اس کی یادوں پر تو کوئی اور محیط تھا ! ۔ نمناک آنکھوں سے اس نے باری کی طرف دیکھا جو جالی سے ٹیک لگائے کھڑا تاریکی میں بس ایک سایہ سا نظر آ رہا تھا ! ۔

" بولو ۔ شمی ۔ ۔ ۔ کچھ تو کہو ۔ آخر اتنی چپ چاپ کیوں ہو ؟ " باری نے التجائیہ پیرایہ میں کہا ۔ ۔ " کیا تم مجھ سے خفا ہو ۔ اتنے دن تم سے میں الگ رہا تھا اسی لئے ناراض ہو مجھ سے ؟ ۔ ۔ ۔ "

" ہاں ! ۔ ۔ ۔ " شمی نے آنچل دانتوں میں دبا لیا ۔ اور بمشکل تمام سسکی روکی باری ہنسنے لگا ! ۔ کیسی پُر محبت ہنسی تھی ۔ شمی کا دل پگھلنے لگا ! ۔ اس کا جی چاہا ! جھک جائے اس کے قدموں پر ۔ اپنے تمام آنسو ختم کر دے اس کے ہاتھوں پر اور اس کے سینے سے لگ کر ابدی خواب میں غافل ہو جائے ۔

" اب ہماری جدائی تمام ہونے کو ہے ۔ " باری کہہ رہا تھا ! " خدا کرے

وہ دن جلد آئے ۔ جب میری شمعی میرے پاس آئے اور میری تمام زندگی میں محبت کا اجالا پھیل جائے !۔ شمعی !۔ انسان بڑا بے صبر ہے۔ اسے کسی چیز کی ملنے کی توقع نہیں ہوتی تو بے چینی بھی نہیں ہوتی ۔ اور ملنے کی امید ہوتی ہے تو جی چاہتا ہے جلدی سے مل جائے !۔ یہی میری کیفیت ہے ۔ نہ نیند ہے نہ چین ہے !۔ پتہ نہیں یہ کیا ہے ۔ ٹھیک کہا تھا ایمن نے کہ جو جذبات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں ۔ میں انھیں کیا نام دوں ؟ ۔ شمعی !۔ ایک بات پوچھوں ۔ جواب دو گی ۔ شرماؤ گی تو نہیں !۔ شمعی چپ رہی ۔ باری ہلکی سی آواز میں ہنسا ۔

اچھا مجھے بتاؤ ۔ تمھیں مجھ سے کتنی محبت ہے ؟!۔

شمعی ڈرنے لگی !۔ کوئی سچ اس کے لبوں سے نہ نکل جائے ۔ اس پیارے سے انسان کا دل توڑنا اسے پسند نہ تھا ۔ کیا عالم ہو گا ۔ اس کا اگر معلوم ہو جائے جسے وہ اپنی زندگی کہہ رہا ہے وہ اسے زندگی سے معمور ایک لمحہ نہیں دے سکتی جسے وہ اپنی حیات کا اجالا کہہ رہا تھا ۔ اس کی تقدیر میں اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں ۔۔ شمعی کا دل پانی ہونے لگا ۔ اس کی خاموشی کو باری نے پھر حجاب پر محمول کیا اور خود بھی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا ۔

"خیر جانے دو ۔ میں جانتا ہوں ۔"

یہ وہ نازک حقیقت ہے جو کھائی نہیں جاتی !۔

اچانک مرزا صاحب کی گونجدار کھانسی سنائی دی ۔ باری خاموش ہو گیا ۔ اور شمعی جلدی سے بھاگ گئی !۔

رات ڈھلنے لگی تھی!۔ برسات کے موسم کا کیا ٹھیک۔ جگمگاتے ہوئے تاروں پر اچانک بادل کی ردا ئیں تن گئیں اور چشم زدن میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی! سارا عالم خواب کے دھندلکوں میں کھو چکا تھا۔ چاروں طرف گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور کوئی آواز کوئی شور اس سکوت پر غالب نہیں تھا۔ سردی بہت تیز تھی!۔

ایمن کی آنکھیں جل رہی تھیں!۔ ان میں دُور دُور نیند کا پتہ نہ تھا!۔ اس شور بے پناہ سے اس کا دل گھبرا رہا تھا ایک آرزو ہوک بن بن کر اس کے سینے سے اٹھ رہی تھی۔ اس خرابے سے کہیں دور چلا جائے۔ اپنی پرانی دنیا کی طرف۔ جہاں سب کچھ تھا۔ کفر و نور کی دنیا۔ تفکر و آلام سے خالی دنیا خیالوں کی وادی۔ جہاں ظلمت اور تیرگی نہ تھی۔ اجالے اور مسکراہٹیں تھیں۔

اس نے اٹھ کر دریچہ بند کر دیا! اور سگریٹ سلگا کر آرام کرسی پر لیٹ گیا! اپنا پیغام اس نے ثریا کو پہونچا دیا!۔ موہوم سی آس تھی۔ وہ آئے گی!۔ اور اسی کے انتظار میں اس کی نیند اڑ گئی تھی!۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ دونوں سوئیاں ایک پر دوسری ہم آغوش تھیں!۔

"نہیں، اب کوئی امید نہیں!" اس نے ہلکی سی آہ بھر کر کہا۔ اور سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی بے چینیوں کا حل خدا کی یاد میں نکالا وضو کر کے نماز پڑھی اور جب آخری سلام پھیر رہا تھا!۔ ٹھیک اسی وقت جب یکبارگی

بڑی زور سے بجلی چمکی!۔ اسے دروازے پر کسی کا سایہ نظر آیا۔

"فریال": اس کا دل گنگنانے لگا!۔ اور بے اختیار جھپٹ کر اس نے دونوں پٹ کھول دیئے!۔ وہ سچ مچ فریال تھی۔ لیکن پہلے سے کتنی مختلف!۔ شرمیلی شرمیلی سی پلکیں جھکی ہوئی۔ ہونٹ کانپتے ہوئے گم صم اور ایک مرمریں مجسمہ کی مانند!۔

ایمن بے خودی میں اسے دیکھنے لگا۔ ریشمی چمکتے ہوئے آسمانی رنگ کے لباس میں وہ سچ مچ کوئی سنگی مورتی ہی لگ رہی تھی۔ روپہلا ٹکا ٹکا حریری ڈوپٹہ، جس کا آنچل اس کے سر پر تھا!۔ بند آستینوں کا پاکیزہ سا نیچا نیچا شرٹ، سفید شلوار کلائیوں میں طلائی چوڑیاں کھنک رہی تھیں!۔ ڈھیر سارے بال ہواؤں کے سرکش جھونکوں سے گلے سے لپٹے جا رہے تھے! چپکے چپکے وہ ڈوپٹہ کا آنچل کلائی پر لپیٹ رہی تھی!۔ اور ایمن لگاتار اسے دیکھے جا رہا تھا!۔ جو کچھ اسے کہنا تھا وہ سب بھول گیا!۔ ایک ٹیس سی اس کے دل میں تیر گئی!۔ فریال... اسکی اپنی منگیتر۔ معصوم بھولی بھالی، بے خبر اور وفا شعار۔ آخر اس نے کیا کہنے کے لئے اسے بلایا تھا؟ کیسے کہے گا اس سے۔ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ لاکھ وہ ایثار پسند، مخلص اور پر محبت ہو تو کیا۔ ہرگز اپنا کوئی شریک ماننے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ چاہے تھوڑی ہی مدت کے لئے سہی!۔

وہ اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ فریال دل ہی دل میں حیران تھی۔ آخر کیوں بلایا تھا۔ منگو اور ہاری سے کیوں کہلوایا تھا؟... وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا؟۔ منگنی ہونے کے بعد فریال اس سے پردہ کرنے لگی تھی۔ اور اس کی بے تکلفی پر حجاب کا رنگ غالب آگیا تھا!۔ وہ پوچھتے ہوئے ہچکچانے لگی!۔

پھر ایمن کا دل چاہنے لگا کہ وہ کچھ کہے سنے بغیر اسے جانے دے۔ پھر سوچا کہ دوبارہ یہ موقعہ نہیں ملے گا۔ ایک طویل اور گہری سانس لے کر اس نے اپنے آپ سے کہا۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا!"

"آؤ فریال۔ اندر آؤ۔ یہاں کب تک کھڑی رہو گی؟" اس کی آواز مضمحل اور مغموم تھی۔ فریال کی مخمور آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں اور آن کی آن میں لاکھوں فسانے کہہ گئیں!۔ وہ وہیں کھڑی تھی جیسے اندر جاتے ہوئے ڈرتی ہو!۔

"آؤ۔ فریال۔ تم کیا سوچ رہی ہو!" ایمن نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "بہت مجبور ہو کر میں نے تمھیں بلایا تھا۔ پتہ نہیں!۔ میرے اس اقدام پر تم اپنے دل میں کیا خیال قائم کرو گی!۔ یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمھارے سوا اور کوئی مجھے ٹھیک مشورہ دے سکتا ہے!۔ اور میں کسی سے اپنے دل کی بات کہہ بھی نہیں سکتا!۔ مگر تم... تم تو میری اپنی ہو نا۔ میرے دکھ کی۔ میرے سکھ کی ساتھی۔ جتنا اعتبار مجھے اپنے آپ پر ہے۔ اتنا ہی تم پر بھی ہے!" ایمن کے لہجے میں سادگی تھی! اور کسی قدر غم کا شائبہ بھی۔ نہ جذبات کے ولولے تھے نہ وفور شوق کی بیتابیاں۔ فریال نے کمرے میں قدم رکھے اور ایمن نے اس کے پیچھے دروازہ بند کر لیا!۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ دروازہ کھلا رہنے دیجئے!" اس کے چہرے پر یکبارگی زردی چھا گئی۔ "کوئی غلط خیال میری طرف سے قائم نہ کرو۔" ایمن کے لہجے میں رنج آمیز سنجیدگی اور متانت تھی! "تمھاری عصمت وعفت کا نگہبان و محافظ میں ہوں! اور انسان جس چیز کی حفاظت کرتا ہے اس کی تباہی اور بربادی کا خواہاں کبھی نہیں ہوتا۔" اس نے بڑی نرمی اور آہستگی سے فریال کا ہاتھ تھاما اور اسے صوفہ پر لا بٹھایا۔ خود اس کے سامنے مسہری کے پائنتی ٹک گیا!۔ فریال گم صم تھی!۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات ہے جس نے ایمن کو اس قدر آشفتہ خاطر بنا رکھا ہے!۔ اور ایمن کا ذہن منتشر تسیم

کے خیالات اور اندیشوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا تھا!۔

"نریال :" بالآخر اس نے مدھم اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں!۔ کچھ کہنا چاہتا ہوں!۔ میری آرزو ہے کہ کسی شرم اور تکلف کے بغیر تم پوری آزادی اور ایمانداری سے میری باتوں کا جواب دو۔ کسی بات کے جواب میں۔ میرا یا میری محبت کا یا اپنے نئے رشتے کا بالکل خیال نہ کرنا۔ نریال میں بہت پریشان ہوں!۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔؟"

نریال کے جذبات میں ہلچل مچ گئی!۔ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی ایمن کی اور اس کی نظریں ملیں۔ ایمن کے لبوں پر ردانسی سی مسکراہٹ بکھری۔ وہ خاموش اسے دیکھتی رہ گئی!۔

"تم گھبرا تو نہیں گئیں.....؟" اچانک ایمن نے جھک کر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھنے لگا! "اچھا۔ میں تمھارے لئے کافی بناتا ہوں!۔"

"نہیں نہیں!" وہ بول پڑی۔ "آپ میرے لئے کوئی تکلیف نہ کیجئے!۔ میرا دل ڈرتا ہے۔ اگر کوئی جاگ اٹھا تو کیا ہوگا؟۔ میں جان پر کھیل کر چلی آئی۔ اگر آپ باری بھیا سے میری شکایت نہ کرتے تو میں کبھی نہ آتی۔ دیکھئے۔ مجھے شرم آتی ہے۔ آپ خود بھی نہ جانے کیا سوچیں۔ آپ نے بلایا اور میں چلی آئی کہیں آپ میری بے باکی اور بے شرمی۔!"

"خدا بہتر گواہ ہے۔ نریال :" ایمن نے بے اختیار کسی انجانے جذبے سے مجبور ہو کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے!" تمھاری تقدیس اور پاکیزگی کی میں قسم کھا سکتا ہوں!۔ کبھی میں تمھیں بے باک اور بے حجاب نہیں سمجھتا!۔ دراصل انسانی جذبات کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جن کے آگے انسان بالکل مجبور ہے یہ تو تمھاری ہمدردی اور محبت ہے کہ تم نے میری التجا ٹھکرا نہیں دی!۔"

فریال کا ضبط رخصت ہو گیا۔ ایمن کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر اس نے اپنا سر رکھ دیا اور بے خودی کی حالت میں بولی۔

"آپ میرے آقا ہیں۔ مجھ سے التجا نہ کیجئے۔ مجھے حکم دیجئے۔! اگر میری زندگی اور زندگی کی ساری خوشیاں آپ کے کسی کام آ سکیں تو میں دے دوں۔!"

ایمن کے گلے میں آنسوؤں کا پھندہ پڑ گیا۔ اس نے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنے مرتعش ہونٹ رکھ دیے اور گلوگیر آواز میں کہا۔

"فریال۔ میں بہت خود غرض اور نا عاقبت اندیش ہوں۔!.. ابھی تم نے میری زندگی میں قدم رکھے ہیں اور میں تمھیں اپنے مطالبات کی بجاآوری پر مجبور کرنے لگا۔!"

"مجھ سے کہہ کے تو دیکھئے۔!" فریال نے سر اٹھایا اور ایمن کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ مبہوت اور دم بخود رہ گئی۔ "یہ کیا بات ہے؟... میرے اللہ۔ آپ تو رو رہے ہیں۔! چاہے کیسی ہی بات کیوں نہ ہو۔ مجھ سے کہہ دیجئے۔ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔!"

ایمن نے ہنس کر ہتھیلیوں میں اپنے آنسو سمیٹ لئے اور سر جھکا کر کہا: "فریال مجھے تم پر تمھاری محبت پر بھروسہ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ جو کچھ تم میرے لئے کر سکتی ہو۔! لیکن اگر میں کوئی ایسی چیز تم سے مانگوں۔ جس کا دینا تمھارے بس سے باہر ہو تو تم کیا کرو گی۔!"

"فریال بڑے بھرم سے مسکرائی" میں تو نہیں سمجھتی کہ کسی چیز کا دینا میرے بس سے باہر ہے۔ جان مانگئے۔ مال مانگئے۔ زندگی مانگئے۔ سب کچھ۔!"

"تمھیں مجھ سے محبت ہے۔ مگر فریال۔ تم جانتی ہو۔ محبت قربانی بھی چاہتی ہے۔!" ایمن نے کہا۔ اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔!

"جانتی ہوں۔!"

"تم کر سکتی ہو کوئی ایثار میری خاطر۔!"

"بتایئے تو سہی کیا بات ہے؟" فریال کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑنے لگا!۔

ایمن اٹھ کر تھوڑے دور میز کے پاس اس کی طرف پیٹھ پھیر کے کھڑا ہو گیا۔ اور پھر آنکھیں بند کر کے جو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ سب کچھ کہہ دیا۔! اسکی سانسیں پھولنے لگیں اور احساسات کی فراوانی نے چہرے پر الاؤ سا بھڑکا دیا تھا!۔ اب اس میں اتنی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ فریال سے نظریں چار کرتا۔ وہ میز کے دونوں سرے جکڑے ہوئے یوں کھڑا تھا۔ جیسے وہ ہاتھ سے نکلے اور جسم سے جان بھی نکلی!۔

فریال پر پتہ نہیں کون سا جذبہ حاوی تھا!۔ غم، غصہ، صدمہ، شکست خوردگی کا بے پناہ احساس اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا! اور سسک سسک کر رونے لگی!۔

ایمن کے دل میں پھر درد کی ٹیسیں مچلنے لگیں۔ وہ اس کی طرف مڑا۔ اور دو لمحے وہیں کھڑا رہا۔ خود کو وہ ظالم اور بے حس لگ رہا تھا!۔ جس نے ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی کے احساسات کو پامال کر دیا تھا!۔ لیکن منھ سے نکلی بات۔ کمان سے نکلا ہوا تیر۔ اب وہ واپس کیسے ہو سکتی تھی!۔ سخت نادم اور بے حد شرمندہ وہ اس کے پاس آیا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔! فریال کچھ کہے سنے بغیر اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی!۔

ایمن نے دفعتہً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور جیسے وہ اسی کی منتظر تھی۔ اس کے سینے پر سر رکھ دیا اور رو پڑی۔

"فریال۔ اس طرح مجھے شرمندہ نہ کرو کہ خودکشی کے سوا کوئی چارہ کار میرے لئے باقی نہ رہ جائے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہ سب ایک ڈھونگ ہے سوانگ

ہے۔ ڈرامہ ہے… میں نہ جانے کیونکر اس قدر بے ضبط ہوا کہ مجھ سے وہ فضول حرکت سرزد ہوگئی!۔ فریال…. میری فریال… خدا کی قسم۔ اپنی ماں کی قسم۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ میں تمہارا ہوں۔ ہمیشہ تمہارا رہوں گا!۔"

اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور اپنے رومال سے ایک ایک آنسو پونچھے۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری دلشکنی کا باعث بنا۔ خیر۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا میں اس سے کہوں گا!۔ ایک زندگی بچانے کی خاطر میں دوسری زندگی سے نہیں کھیلوں گا!۔ سچ سچ۔ یہ تو بڑی ناانصافی ہو۔ اپنی غلطی کا خمیازہ مجھے خود ہی بھگتنا چاہیئے۔"

"آپ نے یہ سب کچھ۔ ان کی محبت میں۔ کیا ہوگا!۔" فریال نے ہچکیاں لیتے ہوئے پوچھا۔ ایمن کو بے ساختہ ہنسی آگئی!۔ اور وہ فوراً سمجھ گیا۔ فریال کے آنسو اسی اندیشے کے مظہر تھے۔ اس نے حسن و محبت کی اس نازک سی مورت کو اپنے سینے سے بھینچ لیا… اور گمبھیر لہجے میں کہا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ اگر تم میری محبت کو محسوس کرتی ہو میں تو کبھی یہ سوال نہ کرتیں!۔ نہیں فریال۔ عمر بھر میں پہلی اور آخری بار میں صرف تم سے متاثر ہوا۔ یہ حقیقت ہے۔ اور تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے!۔ اگر میرے دل میں کوئی خیال تمہیں دھوکا دینے کا ہوتا تو یقین کرو کہ اپنی مصیبت اور پریشانی کی یہ داستان تم سے ہرگز نہ کہتا۔ چھپاتا تم سے۔ سب سے۔!۔ کیا تمہیں اب بھی میری صداقت اور خلوص کا یقین نہیں آتا۔؟"

"تب۔ میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھایئے۔ کبھی میری محبت میں کسی اور کو شریک نہ کیجئے گا۔" فریال نے کہا اور اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا!۔ ایمن کے

ہونٹوں پر عجیب سا تبسم بکھر گیا!۔

"خدا میرا گواہ۔ تم میری ہو میں تمہارا ہوں۔ تمہاری محبت کا شریک نہ کبھی کوئی تھا اور نہ کبھی کوئی ہوگا۔! فریال... بیکار کے وہم دل سے نکال دو۔ اور صرف یہ سوچو کہ تم کب تک میرا ساتھ دے سکتی ہو؟۔ایسا نہ ہو کہ کہیں میری کسی اداکاری سے تم پھر بدگمان ہو جاؤ!۔ یہ ایک مجبور و مہجور زندگی کی خاطر ہے۔ فریال۔ جس کی بے پناہ محبت کا میں نے خواہ مخواہ اعتراف کر لیا۔ تم یقین کرو۔ مجھے اس سے صرف ہمدردی ہے۔ ترس آتا ہے۔ اس پر۔ جو بہت کم زندگی لے کر دنیا میں آئی ہے۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہے... فریال... میں ڈاکٹر ہوں۔ میرا کام ہی صحت عطا کرنا اور اپنے بیماروں کو موت سے زندگی کی طرف پھیرنا ہے!۔ یہ میں کیسے کر سکتا ہوں کہ مرتے ہوئے کو مار ڈالوں!۔ اگر تھوڑی سی ہمدردی اور ذرا سے ایثار سے کسی کی جان تھوڑے ہی دنوں کے لئے سہی۔ بچ سکتی ہے تو کیوں نہ بچائی جائے!۔"

"پھر۔ میں آپ کے لئے کیا کروں؟..... !" فریال اس سے ہٹ کر صوفہ پر جا بیٹھی۔

"صرف ایک التجا میری تم سے ہے!" ایمن نے ہچکچاتے ہوئے کہا "امی نے شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد مقرر کر دی ہے!۔ تھوڑے دنوں کے لیے اسے ملتوی کر دو۔ زیادہ نہیں!۔ صرف دو ڈھائی ماہ اور۔ فریال۔ میری عزت و سلامتی کی خاطر۔ اتنی سی درخواست میری مان لو۔! میں امی سے نہیں کہہ سکتا!۔ وہ تو جیسی دھمکی دیتی ہیں۔ یقیناً سچ کر دکھائیں گی!۔"

پھر فریال نے سوچا۔ یہ ایثار اسے بہر حال کرنا ہے... چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ وہ ایمن سے محبت کرتی ہے۔ اسکے لئے جی سکتی ہے

اس کے لئے مر سکتی ہے۔ کیا صرف تھوڑے دن کے لئے اپنے دل پر پتھر نہیں رکھ سکتی
کسی نہ کسی طرح اس نے برداشت کر ہی لیا۔ اس نے سوچا۔ ایمن سچ کہتا تھا اگر وہ منھ
سے نہ نکالتا تو بھلا کب وہ جان سکتی!۔ اس کی اپنائیت اور شرافت پر فریال
کا دل موم ہو گیا!۔ تفکر و آلام کے بادل اس کے چہرے سے چھٹ گئے!۔
اور وہ مسکرانے لگی!۔

ایمن کے دل پر سے منوں بوجھ ٹلا۔ یوں ہشاش بشاش نظر آنے لگا جیسے برسوں
کی بیماری کے بعد صحت ہوئی ہو۔

آپ نے باری بھیا سے میری شکایت کی تھی کہ میں مغرور ہو گئی ہوں!" فریال
نے پوچھا۔

جواب دینے سے پہلے ایمن جھجکا۔ پتہ نہیں۔ باری نے اس سے کیا کہا ہو۔
ہنس کر بولا " ہاں۔ شکایت تو کی تھی کہ۔ پتہ نہیں۔ کس خطا کی سزا دی ہے کہ
سامنے نہیں نکلتیں!۔"

"دیکھئے مجھے شرم آتی ہے۔ چچی اماں۔ کیا کہیں گی!۔" فریال نے محجوبانہ لہجے
میں کہا "یہی کہیں گی کہ آج کل کی نئی پڑھی لکھی لڑکیاں جتنی بے باک اور بے شرم
ہوتی ہیں۔ ویسی ہی یہ بھی ہے۔ ان کے دل سے میری قدر و محبت گھٹ جائے
گی!۔ میں تو ان کے سامنے بھی نہیں نکلتی!۔ ہاں۔ یہ تو بتایئے۔ آپ نے چوری چوری
گھر کب خرید لیا؟... اتنے بیزار ہو گئے آپ ہم سب سے!۔"

"گھر تو تمہارے ہی لئے خریدا ہے۔ یہاں سے تمہیں لے جا کر کہاں رکھوں گا!۔"
ایمن نے ہنستے ہوئے کہا "بہت اچھا لگے گا تمہیں۔ کب دیکھو گی؟"

"جب آپ دکھانے لے چلیے گا!۔"

کل تم، شمعی اور عزت اگر مناسب سمجھو تو میرے اسپتال کا ایک چکر لگا آؤ!"

ایمن نے کہا۔" میں نے کرنل صاحب کی صاحبزادی سے کہا تھا کہ تمہیں ملانے لے چلوں گا! تم اسے دیکھ کر اندازہ لگاؤ گی کہ وہ کتنی مجبور ہے!۔ میں بادی سے کہہ دوں گا۔ ان کے ساتھ کوئی بہانہ کر کے نکل آنا۔ میرے ساتھ تو شاید نہ تم جانا پسند کرو۔ اور نہ کوئی جانے دے!"

"بھتمی کیسے آئے گی۔ بادی بھیا جو ساتھ رہیں گے!" فریال بولی۔

"میں اس سے گزارش کرتا ہوا جاؤں گا!" ایمن نے کہا۔" اگر راضی ہو جائے تو لیتی آنا۔!"

باہر اب بھی بارش ہو رہی تھی!۔ باغ میں ہوائیں چیخ رہی تھیں!۔ سردی شباب پر تھی!۔ مگر انھیں ماحول اور وقت کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا!۔ گھڑی تین بجا رہی تھی! فریال کی پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں! پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ میں ایمن بھی کھڑا ہو گیا۔

"فریال" اس نے دبی زبان میں پوچھا" اتنا اطمینان مجھے اور دلاتی جاؤ کہ تم نے میری طرف سے کوئی برا خیال تو قائم نہیں کیا؟..."

فریال نے نفی میں سر ہلایا۔ اور کچھ سوچ کر بولی" مگر... میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیسے اور کیونکر امی سے مہلت مانگوں گی۔ میرے منہ سے تو کچھ بھی نہ نکلے گا۔!"

"ابھی بہت وقت ہے۔ فریال۔ یہ سب سوچ کر خواہ مخواہ ذہن کو مت تھکاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ خدا کوئی نہ کوئی سبیل نکال ہی دے گا!"

"اچھا... میں نہیں سوچوں گی۔ اب مجھے جانے دیجئے۔ بہت نیند آ رہی ہے!"

"اپنا تکیہ نہیں لے جاؤ گی اپنے ساتھ!" ایمن نے اپنے بازو پر ہاتھ رکھ کر زیر لب تبسم سے پوچھا۔

"ابھی تو آپ دینے پر راضی نہیں!" فریال نے کہا اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی!۔ ایمن سناٹے میں کھڑا رہ گیا!۔ سچ مچ اس نے زیادتی کی۔ اس کے ساتھ چپ چاپ وہ بستر پر جالیٹا اور پتہ نہیں کب سوچتے ہی سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی!۔

گھر کے لوگ اب بھی اپنے اپنے کمروں میں سو ہی رہے تھے!۔ فریال چپ چاپ زینے اتری اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی!۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس کے خواب کی تعبیر مل سکے۔ وہ تو دن گن رہی تھی!۔ کب ایک ماہ کی طویل مدت ختم ہو اور کب ایمن اس کی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا آئے!۔ دو ماہ کی طویل مدت... کیسے اور کیونکر وہ شادی ملتوی کرائے گی!۔ امی اور ابا کیا کہیں گے۔ بیگم حسن اس کی خودسری کو ملامت خیز طریق پر دیکھیں گی!۔ خاندان میں بات پھیلے گی!۔ لڑکی نے انکار کر دیا۔

اونھ۔ مجھے تو ایمن کی خوشنودی چاہیئے!۔" اس نے سوچا اور گردن تک شال کھینچ لی۔ اور اسے بھی نیند آ ہی گئی!۔

صبح سویرے ایمن باری سے پھر ملا۔ اور باتوں باتوں میں اسے مع لڑکیاں کے اسپتال آنے کی دعوت دے کر چلا گیا۔ بیگم حسن بڑی متعجب تھیں۔ اس نے ایسی حرکت تو کبھی نہیں کی تھی!۔

"چھوٹی بھی جان!۔ آپ کہیئے تو آواز دوں۔ ابھی ان کی گاڑی کھڑی ہے!" باری بولا۔

"ہاں بیٹے۔ پکار لو اسے!۔" بیگم حسن نے کہا۔ باری نے جلدی سے شاکر کو دوڑا دیا۔ ایمن جس بات سے گھبراتا تھا وہی سامنے آئی! چوروں کی طرح آیا

اور ماں کے سامنے کھڑا ہوا۔

"کہاں بھاگے جارہے تھے! یہ نیا طریقہ نکالا ہے" بیگم حسن بولیں۔

"اگر میری بات کا اس قدر اثر تم نے لیا ہے تو کہہ دو۔ آئندہ کوئی بات اچھی ہو یا بری۔ زبان سے نہیں نکالوں گی!"

"امی۔ جنرل باڈی میٹنگ ہے آج۔" ایمن نے کہا "جلدی میں تھا۔ آپ سے نہ مل سکا! معاف کیجئے۔ پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا!"

"میرا تو بے حد جی چاہتا ہے کہ ایمن کوئی بھاری غلطی کریں" باری نے کہا۔ "اور پھوپھی جان جی بھر کے میرے سامنے تمھاری مرمت کریں۔ مگر تم بڑے ہوشیار ہو کبھی مجھے تماشہ دیکھنے کا موقعہ نہیں دیتے!"

"مجھے یاد ہے تمھاری مرمت!" ایمن نے ہنس کر کہا "امرود کے باغ کے پچھواڑے تمھارا گھر تھا!۔ امرود توڑنے کے لئے زاہد کو بھیجا تھا اور باہر سے دروازہ بند کر کے بھاگ گئے تھے۔ کیا شاندار تماشہ تھا۔ خالہ اماں نے بیچ صحن میں مرغا بنا دیا تھا!"

"اپنی شرارت بھول گئے!" باری نے تڑپ کر کہا "سلاخوں دار کھڑکی سے بے چارے نور محمد کو اندر جھکایا تھا کہ سب سوتے ہوں تو کنوئیں پر نہانے چلیں۔ غریب کا سر سلاخوں کے بیچ ہی میں پھنس کر رہ گیا۔ دہائی ڈال دی تھی اس نے۔ اور حسن چچا نے اپنی چھڑی سے آپ کی گردن صاف کی تھی!"

پھر وہ دونوں ہنسنے لگے!۔

"اچھا۔ امی تو پھر۔ مجھے اجازت دیجئے!۔ ایمن نے کہا اور ان سے رخصت ہو کر عطیہ بیگم کے دالان کی طرف گیا۔ ان کی طبیعت پھر کچھ بگڑ گئی تھی!۔ مرزا صاحب بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے!۔ اسے دیکھ کر اخبار رکھ دیا۔ اور بڑی محبت سے اس

کا استقبال کیا۔

"چچی اماں۔ کیسا مزاج ہے آپ کا؟..." وہ ان کے پاس بیٹھ گیا! اور کلائی پر تین انگلیاں رکھ دیں۔ "بیٹے۔ تمھیں دعائیں دیتی ہوں کہ تمھاری کوشش سے اتنے دن چل پھر چکی۔" وہ بولیں۔ "اب پھر رات سے دل میں کچوکے ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بدن میں جان نہیں! تھکی جاتی ہوں۔

"آپ گھبرائیے نہیں۔ میں شاکر کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہوں۔ آپ کے لئے دوا بھیج دوں گا!۔"

"انھوں نے تو جب سے سنا ہے کہ تم نے الگ مکان لے لیا ہے اور جانا چاہتے ہو۔ اور پریشان ہو کر رہ گئی ہیں!" مرزا صاحب نے کہا۔

"میں کہاں جا رہا ہوں!" ایمن ہنسنے لگا! "آپ کی اجازت کے بغیر تو کہیں جاؤں گا بھی نہیں۔"

"ہاں بیٹا۔ بس خیال رکھنا کہ بوڑھوں کی خوشی تھوڑے دنوں ہوتی ہے!۔"

"آپ خوا مخواہ دل بھاری کرتی ہیں۔ چچی اماں۔ میں ہرگز آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا!۔" ایمن نے کہا اور پھر مرزا صاحب نے کچھ ایسی گھریلو باتوں کا سلسلہ چھیڑ دیا کہ طوعاً کرہاً اسے وہاں بیٹھنا پڑا۔

اچانک دروازہ کھلا اور شمی چھوٹی سی ٹرے لئے ہوئے اندر آئی! وہ تو ٹھٹھک ہی گئی تھی۔ مگر ایمن بھی کچھ مضطرب ہو گیا۔

"ایک دیا جلایا۔ ایک آپ نے بجھا دیا۔"

"نا انصاف۔" اس کی پیشانی پسیجنے لگی!۔

"میاں۔ کافی پیو گے!" مرزا صاحب پوچھ رہے تھے!۔

"جی نہیں!۔"

"لیجئے!" شمی نے مسکرا کر کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔ اور ایک نظر اس پر ڈال کر پیالی لے لی!۔ تھوڑے دنوں بعد نور و نکہت کی یہ تصویر باری کی ہو جائے گی!۔ اس کی زندگی سنور جائے گی!۔ لیکن شمی۔ موم کی شمع کی طرح دھیرے دھیرے جلنے اور پگھلنے والی۔ اس کی آنکھوں میں غم کے سائے کیوں خوابیدہ ہیں؟ اس کے لبوں کی کلیاں پژمردہ کیوں ہو گئی ہیں۔ کاہیدہ ناہیدہ بدن یوں گرا گرا جا رہا ہے جیسے پھولوں بھری ٹہنی اپنے بوجھ سے آپ جھک جائے؟۔ دل کی خوشی اجالا بن کر چہرے پر پھیل جاتی ہے۔ مگر اس کے چہرے پر تاریک سائے کیوں منڈلا رہے ہیں؟! پھر اسے یاد آیا۔ شمی نے کہا تھا۔

"باری کے ساتھ شادی کی دعا نہیں۔ بد دعا ہے؟"

احمق اور ناسمجھ لڑکی۔ کیا کہیں اور دامن جلا بیٹھی ہے؟۔ اس نے غور سے شمی کو دیکھا!۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا!۔ آنکھیں سُرخ تھیں!۔ بے اختیار اسکی زبان سے نکل گیا۔

شمی!۔ تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟!۔

"نہیں تو۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بڑے ناز سے مسکرائی۔ "ویسے آپ کہیئے تو آپ کی خاطر بیمار ہو جاؤں!۔"

مرزا صاحب ہنسنے لگے!۔ عطیہ بیگم بھی مسکرائیں۔ شمی ٹرے سنبھال کر باہر نکل گئی اور ادھر ہی سے ایمن بھی نکل کر اسپتال چلا گیا!۔

دوپہر کے کھانے سے کچھ پہلے باری نے چلنے کا غل مچایا۔ اکیلی فریال تیار ہو گئی تھی!۔ شمی بے نیاز۔ بی چنبیلی کے ہار گوندھ رہی تھی اور عزت اپنے بچے کا فراک سی رہی تھی۔ تیار وہ بھی نہیں تھی!۔

"ایک سرے سے سب نکھٹو ہیں!۔ وقت کی پابندی کا کسی کو خیال نہیں!۔ باری

سمجھایا "ارے وہاں ایمن انتظار کر رہی ہوں گی۔ شمعی اٹھو۔ عزت با۔ اماں اٹھو بھی تم نہیں چل رہیں۔ یار۔!"

"زبان روک کے۔ باری بھیا!" عزت نے نیلے پیلے دیدے نکالے۔ "آپ مجھے اپنا یار کہتے ہیں؟" "یار کے معنے دوست کے ہیں!۔ کیا تم میری دوست نہیں دشمن ہو۔؟" باری نے بھی جھلبلا کر کہا۔

"میں ماموں جان سے کہوں گی۔ پھر باری بھائی نے مغلوں کا طعنہ دیا۔" عزت اٹھ گئی!۔

"مغل کہنا بھی برائی ہے؟" باری نے حیرت ظاہر کی۔ "!" تم جانتی ہو۔ اپنا مغل پیریڈ کیسا شاندار گزرا ہے۔ اکبر دی گریٹ۔ شہنشاہ جہانگیر۔ اورنگ زیب اور اور "اچھا۔ اب بس۔" عزت نے برا سا منہ بنا کر بات کاٹ دی۔ "آپ کی بے انجن کی گاڑی چلتی ہے تو بس رکنے کا نام نہیں لیتی!۔ عزت جیسے ہی گئی شمعی بھی اٹھ کر چلی گئی!۔"

مرزا صاحب سے باری نے اجازت حاصل کر لی تھی۔ ویسے بھی وہ نہ روکتے!۔ شمعی کو فریال نے آمادہ کر لیا اور باری ان سب کو لے کر چلا گیا!!!

مشرف نے اسکوٹر پورچ کے پاس کھڑا کیا اور زینے پھلانگ کر اندر آیا۔ گھر بھر میں سناٹا پڑا ہوا تھا!۔ بیگم حسن ناشتے کے بعد ذرا دیر بیچبوترہ پڑھتی رہیں پھر کمر سیدھی کرنے لیٹیں تو سو گئیں!۔ غفار صاحب "اشرف آباد!" ہی میں ایک مناسب

دکان اپنے لئے خرید نا چاہتے تھے وہ ملازم کو ساتھ لے کر چلے گئے!۔ رہ گئے عطیہ بیگم اور مرزا صاحب!۔ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے شادی بیاہ کی باتیں کر رہے تھے!۔ انہیں بھی اسکی آمد کا پتہ نہیں چلا!۔

مشرف نے بڑے صحن میں آکر چاروں طرف نظریں گھمائیں اور ملازم لڑکی سے پوچھا "صنوبر۔! سب لوگ کہاں ہیں!؟... شمعی کیا کر رہی ہے؟... اس سے کہو مجھ سے ملنے آئے۔!"

صنوبر اس سے خوفزدہ ہی رہتی تھی۔ بارہ تیرہ برس کی لڑکی کی بساط ہی کیا۔ ایک بار مشرف نے کسی خطا پر اسے مارا بھی تھا!۔ سہم کر بولی "چھوٹے سرکار۔ سب لوگوں کو باری میاں۔ کہیں تفریح کرانے لے گئے ہیں شمعی بی بی بھی گئی ہیں!۔ دیر نہیں ہوئی۔ ابھی تھوڑی۔۔!"

مشرف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے مضبوطی سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا "باری۔؟ کب آیا وہ مردود جنگل سے؟"

اس کی آواز سن کر عطیہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے۔ مشرف آئے ہیں۔ میں دیکھ آؤں"

"تم ٹھہرو۔ میں یہیں بلاتا ہوں!" مرزا صاحب نے کہا اور کمرے ہی سے مشرف کو آواز دی۔ وہ تیوریاں چڑھائے پاؤں پٹختا ہوا پہونچا۔ اور یوں اکھڑے ہوئے انداز میں خالہ خالو کو سلام کیا جیسے لٹھ رسید کیا ہو۔ عطیہ بیگم بولیں۔

"واہ۔ میاں تم خوب ہو بے کہے سُنے چل دیے اور آج صورت دکھائی۔۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ خالہ نامراد بیمار تھی۔ اچھی ہوئی کہ مر گئی!۔ بھلا کیا کہا تھا تمھاری بہن نے تم سے کہ خفا ہو کر چلے گئے!؟"

"خفا ہو کر تو نہیں گیا۔ خالہ بی!" اس نے کہا "دراصل میں انٹرویو کے لئے

گیا تھا۔ آرٹس کالج میں بہ حیثیت معاشیات کے لیکچرر کے میرا تقرر ہو گیا ہے! میرے ساتھ میرے دوست نجمی بھی تھے۔ انہی کے پاس ٹھہر رہا تھا:

"اللہ مبارک کرے۔ بڑی خوشی ہوئی!" مرزا صاحب نے کہا۔ "مگر بیٹے۔ تم کہہ کر تو جاتے! ہم بڑے پریشان تھے۔ تم تقریب میں بھی شامل نہیں ہوئے کچھ تو رک جاتے!"

"رکنا میں نے پسند نہیں کیا!" مشرف نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بہت ناگوار ہوا تھا خالو ابا آپ نے امی مرحومہ کی خواہش اور وصیت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں کیا! ان کی جو آرزو تھی وہ آپ کو بھی معلوم تھی اور مجھے بھی۔ مجھ سے کہا بھی نہیں گیا کہ بدبخت اب تیرے قابل زیاں نہیں۔ وہ ایک بڑے آدمی سے منسوب ہو گئی ہے۔ بہر حال۔ اپنی اوقات میں نے پہچان لی۔ اب میں یہاں رہنا بھی نہیں چاہتا۔ نہ مجھے یہ گوارہ ہے کہ شمی یہاں رہے! جس قسم کا سلوک اس کا یہاں ہے اور جیسا برتاؤ اس سے سب کرتے ہیں۔ وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں! میں اپنے ساتھ اسے بھی لے جاؤں گا!"

"مشرف! تم اپنے ہوش میں تو ہو" مرزا صاحب نے ڈپٹ کر کہا۔ "یہ گستاخانہ کلمات تم اپنے باپ کے برابر خالو سے کہہ رہے ہو! میں نے جیسا مناسب سمجھا کیا۔ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ میرے معاملات میں دخل دے!"

"میں دخل دینا پسند بھی نہیں کرتا۔ خالو ابا۔" مشرف نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کیا اور میری حقیقت کیا؟... یہ تو میں خوش فہمی میں مبتلا رہا تھا کہ آپ یا خالہ بی میرے سر پر ہاتھ رکھیں گی! مجھے اپنا سمجھیں گی! مگر میں بے یار و مددگار رہا تھا۔ یہ بادیاں در میان سے نکالا گیا۔ میرے پاس نہ اثر نہ پوزیشن۔ میرا منہ کیا تھا کہ میں زیباں کا ہاتھ تھامنے کی درخواست کرتا! خیر۔ جو ہوا وہ ہوا۔ اب میں آپ سے اجازت لینے

آیا ہوں!۔ براہ کرم مجھے جانے دیجئے اور شمی کو میرے ساتھ کر دیجئے!۔"

"غصہ تھوک دو۔ بیٹا!" عطیہ بیگم نے کہا۔" جس کی تقدیر میں جیسا لکھا ہوا ہے وہ ہوا۔ یہ تم پر کیا وحشت سوار ہے کہ گھر سے جا رہے ہو۔ ماشاء اللہ برسرِ روزگار ہو گئے ہو۔ اب تو کسی کے محتاج بھی نہیں۔ یہیں رہو بسو۔ کیا یہ گھر تمھارا نہیں ہے بچپن سے تم رہتے نہیں آئے!۔ تمھارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ شمی سے نازیبا سلوک ہوتا ہے۔ میاں۔ وہ میری بچی ہے۔ میں تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتی ہوں!۔ کون سی ایسی بات دیکھی تم نے جو آگ بگولہ ہو رہے ہو۔؟"

نہیں خالہ بی۔ اب تو میں چلا جاتا ہوں۔ وہی ہو گا!" اشرف نے کہا۔

"بہتر ہے۔ تم جا سکتے ہو!" مرزا صاحب نے غصہ ضبط کر کے کہا۔" مگر شمی نہیں جا سکتی!۔ مجھے معلوم ہے۔ جتنی محبت تم اس سے کرتے ہو؟۔ کس دن تم نے اسے بہن سمجھا ہے؟"

بہن نہ سمجھوں۔ مگر ملازمہ بھی نہیں سمجھتا!" یہ کہہ کر اشرف کمرے سے باہر نکل گیا اور اپنے کمرے میں جا کر اسباب درست کرنے لگا!۔ مرزا صاحب طیش کے مارے کانپ رہے تھے!۔ عطیہ بیگم بدحواس ہو کر اٹھ کر بیٹھیں۔ چہرہ فق تھا۔ پسینے میں تر بتر۔

"جانے۔ اس ضدی کو روکئے!۔ اس کے آنے تک تو صبر کرے۔ اگر اپنی دھن میں شمی کو لینے اسپتال پہونچ گیا تو بڑی بری بات ہو گی۔ مگر کہہ نہ دیجئے گا کہ وہ ایمن کی دوست سے ملنے گئی ہے ورنہ زمین آسمان یہ خود سر ایک کر دے گا!۔"

"میں تو اس بدبخت سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتا!۔" مرزا صاحب نے کہا۔ اور اخبار لے کر بیٹھ گئے۔ صحن میں صندوقوں کے رکھنے گھسیٹنے اور میز کرسی کے سرکنے پٹخنے کی آوازیں صاف آ رہی تھیں۔ عطیہ بیگم خود ہی کانپتی کانپتی باہر نکلیں!۔ صحن میں کاٹھ کباڑ ڈھیر تھا!۔ انھوں نے ہٹا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اپنے دل پر رکھ کر

کہا۔ "دیکھ۔ ناخلف۔ دیکھ۔ تیری اس حرکت سے میرا دل کیسا دھڑک رہا ہے!
خوانخواہ ڈرا رہا ہے مجھے۔ چل اندر چل کر بیٹھ۔ میں چائے منگواتی ہوں۔ بیٹے بڈھی
خالہ پر اتنی دھونس نہ جماؤ۔ میں تو گھبرائی جاتی ہوں!"

مشرف نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ "فی الحال میری ہی بات مان لیجئے خالہ بی۔ ورنہ
کیا فائدہ۔ آپ کی دلشکنی ہوگی۔ میں تو ابھی اور اسی وقت اپنے ساتھ شمی کو بھی
لے جاؤں گا!"

"پاگل تو نہیں ہوگئے ہو" عطیہ بیگم اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ کا ایک لکڑ در
تھپڑ اس کے گال پہ رسید کرتی ہوئی بولیں۔ "اللہ رکھے۔ مہینہ بھر بعد اس کا بیاہ ہے
غفار بھائی آئے ہوئے ہیں۔ یہاں سب تیاری عزت اور فرحانہ وغیرہ کر رہی ہیں!
یہ اپنی دلھن بننے والی بہن کو بھگائے لئے جاتے ہیں۔ مشرف۔ بیٹے! کیا چار
آدمیوں میں ناک کٹاؤ گے!"

"جب میں جانتا ہی نہیں۔ شادی کب لگی اور کس کے ساتھ ہو رہی ہے تو
اس میں ناک کان کٹنے کا کیا سوال ہے!" مشرف نے کسی ادب یا لحاظ کے
بغیر بدستور گستاخانہ انداز میں کہا۔ "مجھے حق حاصل ہے۔ جہاں جی چاہے اسکی
شادی کروں!"

"جاؤ دور ہو" عطیہ بیگم نے نفرت سے کہا۔ "جتنا سمجھانا تھا۔ سمجھا چکی
مگر شمی کو تم نہیں لے جا سکتے۔ میں بھی تو دیکھوں۔ کتنی ہمت ہے تم میں اور کیا کر
سکتے ہو تم!"

مشرف مضحکانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ عطیہ بیگم وہاں سے آئیں اور غم و
غصے کے مارے رونے لگیں۔

"سچ کہتی ہوں۔ شمی یہاں سے گئی اور میں نے سنکھیا پھانک لی! اب تو

میری بھی ضد اڑی ہے۔ دیکھتی ہوں۔ کیا کہے گا یہ ناخلف بے شرم ۔"

"خدا کے لئے یوں رو پیٹ کر طبیعت نہ خراب کر لینا!" مرزا صاحب بولے۔

"شمعی ہرگز نہیں جائے گی!" اپنی اپنی جگہ عطیہ بیگم اور مشرف دونوں ہی شمعی کے منتظر تھے!۔

اور شمعی جہاں تھی!۔ وہاں رنگ و نور کا سیلاب آیا ہوا تھا!۔ اسپتال کے بڑے کمرے میں سب اکٹھا تھے!۔ باری جس وقت ان سب کو لے کر پہونچا۔ ایمن مشام کے پاس ہی موجود تھا!۔ اس نے ان سب کا تعارف کرایا۔ مشام کی مسرت کا ٹھکانہ نہیں تھا!۔ یہ لوگ بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے!۔ ایمن نے باری کو قدرے الگ لے جا کر کہا۔

"بھائی دیکھو۔ ہمارا اور فریال کا نیا رشتہ ان سے بتانے نہ بیٹھ جانا میں نہیں چاہتا کہ ابھی یہ بات مشہور ہو۔" حالانکہ میں تو کہتا تھا کہ اس خبر سے ان کا۔۔ بلڈ پریشر یوں خون بڑھ جائے گا!" باری نے کہا۔

"حماقت انگیز باتیں نہ کرو!" ایمن نے باری کو گھور کر دیکھا اور اس نے سر ہلا کر وعدہ کیا کہ اس کی بات مان لے گا!۔ مشام ہمیشہ کی طرح اپنے سفید و بیداغ بستر پر لیٹی تھی!۔ اسے اپنی ناگفتہ بہ پوزیشن کا بڑا احساس تھا!۔ اور وہ سب بھی سمجھ رہے تھے کہ انھیں صحت مند۔ چاق و چوبند دیکھ کر وہ اپنی بیچارگی کا احساس اور زیادہ کر رہی ہوگی!۔ لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔

"سرجن!۔" اس نے ایمن کو مخاطب کر کے کہا "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میں اپنی پیاری بہنوں کی اور باری بھیا کی کیسے اور کیونکر خاطر کروں؟ آپکے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ کاش میں صحتمند ہوتی۔ اپنے گھر پر ہوتی تو آپ سب کو اپنا کلیجہ نکال کے دکھلا دیتی۔ آپ سب کتنے

اچھے ہیں۔ مجھے دیکھنے چلے آئے! جی چاہتا ہے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھا لوں!۔
آپ انشاءاللہ اچھی ہو کر گھر چلیے گا تو بڑا عظیم الشان ڈنر آپ سے لیں گے!
فی الحال آپ تو ہماری خاطر ہم سے خوب باتیں کیجیے۔ بس یہی کافی ہے!" ہادی نے کہا
وہ اس کی کیفیت سے سخت متاثر تھا۔
کل ہی اس کا آپریشن تھا!۔ جس کا سوہان روح اور اذیت ناک خیال اسے
زرد کیے دیتا تھا!۔ اس کی اطلاع انیس ایمن نے دی تھی!۔ فضا بوجھل ہو گئی!
فریال اسے تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی!۔ اگر وہ اس کی جگہ ہوتی تو کیا کرتی؟ پھر
اس نے سوچا کہ ایمن نے اس کی خاطر جو کچھ کیا وہ اچھا کیا۔ وہ اسی کی مستحق بھی تھی!۔
مجبور اور بے چاری لڑکی!۔ اس نے بڑی دردمندی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں
میں دبا لیا۔ ایمن کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ بکھر گئی!۔
"کل کے خیال سے میری روح لرزی جاتی ہے!۔" مشام نے ہنس کر کہا مگر اس
کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ "اگر میں زندہ نہ بچی تو سمجھ جائیے کہ دم توڑتے وقت آپ
سب سے ابدی جدائی کا خیال چین سے مرنے بھی نہ دے گا!۔"
ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیجیے۔ مشام!.... آخر خدا بھی تو آپ کے سر پر... اپنی
رحمت کا سایہ کیے ہوئے ہے!۔ کیا وہ آپ کی حالت نہیں دیکھ رہا ہے!.... آپ
ضرور اچھی ہو جائیں گی!۔" فریال بولی۔
ہاں۔ نثار ایمن کے ہاتھوں کے:" ہادی نے کہا۔" یہی آپ کو صحت بخشیں گے۔!"
اور ایمن غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا!۔ یہی ہاتھ کل ایک زندہ
ہستی کو چیریں پھاڑیں گے۔ اس نے جلدی سے اپنے ہاتھوں پر سے نظریں ہٹائیں
اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا!۔
"ہمیں بڑا افسوس ہے کہ ہم آپ سے پہلے نہیں ملے" عزت نے کہا۔" ایمن بھیا

نے کل سے پہلے کہا نہیں ورنہ ہم سب روز آتے اور کم از کم آپ کی تنہائی تو دور ہو ہی جاتی!

"آپ سرجن کی بہن ہیں۔؟" ہشام نے پوچھا۔ "اللہ۔ اللہ کتنی خوش نصیب ہیں آپ۔ ایسے فرشتہ سیرت انسان کی بہن ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کو۔ آہ۔ مجھے دیکھیے!۔ اکیلی اور اداس۔ اور اکیلی کسی دن چلی بھی جاؤں گی!"

"آپ نے ابھی ابھی مجھے چار مگ بھیا کہا تھا!" باری نے شکایت کی "اور ابھی ابھی اکیلے پن کی شکایت کرنے لگیں!۔ ہم سب بھائی بہن ہی تو آپ کے ہیں!!"

"ہاں۔ ہشام! خوش رہنے کی کوشش کیا کیجئے!۔" عزت نے کہا۔ دیر تک وہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے!۔ ایمن نے ان سب کی ضیافت کی!۔ باری کے پر لطف اشعار اور قہقہہ انگیز لطائف میں مغموم ماحول یکسر بدل گیا۔ وہ سب دل کھول کر ہنستے رہے تھے!۔ ہشام بھی بھول گئی کہ صرف بارہ گھنٹوں بعد اسکی موت و حیات کی جنگ شروع ہو جائے گی!۔ وہ سب آپس میں بہت زیادہ بے تکلف ہو گئے!۔ ہشام کو معلوم ہوا۔ باری اور شمعی منگیتر ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئی!۔ بار بار شمعی کو مبارکباد دی۔ اور ہنس کر بولی۔

"باری صاحب کو میں نے اپنا بھائی بنایا ہے۔ شمعی!۔ اس رشتے سے تم میری بھابی ہوئیں۔ خدا کے لئے مجھے اجازت دو کہ میں تمھیں بھابھی ہی کہہ کر پکاروں بڑا جی چاہتا ہے میرا۔ کسی کو بھائی کہوں کسی کو بھابھی پکاروں۔ پھر کیا پتہ۔ میں یہی حسرت لئے دنیا سے چلی جاؤں؟"

شمعی کے پژمردہ لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔ اس نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"جیسا آپ کا دل چاہے۔ ہشام۔!"

"تم کتنی پیاری ہو۔ میری بھابی۔" ہشام نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں پر رکھ لیا۔ "کاش! تم میرے گھر آؤ۔ میں تمہاری اور اپنے بھیا کی دھوم دھام سے دعوت کروں! تمہیں ہار پھول پہناؤں۔ پھر تمہارے ننھے ننھے بچے ہوں اور میں چھوٹی سی بچی بنی انھیں گودیوں میں کھلاتی پھروں۔ گاڑی میں بٹھا کر گھماؤں۔ اللہ میرے خواب۔۔!"

ایسا شدید تاثر ان سب پر طاری تھا کہ وہ سکتہ زدہ اور دم بخود بیٹھے رہ گئے! بارٰی کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔ ایمن نے چہرہ پھیر لیا۔ اور فریال وغیرہ تو بمشکل آنسو ضبط کرتیں تو رو ہی پڑتیں!۔

"اتنی مایوس نہ ہو۔ اپنی زندگی سے۔ تمہاری سب آرزوئیں پوری ہو جائیں گی!" عزت نے کہا۔ وہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے! مگر ایمن اٹھ گیا۔ اس کی طبیعت بے کیف ہو رہی تھی!۔ نہ جانے کیوں کنپٹیاں بھنچی جا رہی تھیں! اور آنکھوں میں انگارے بھرے ہوئے معلوم ہو رہے تھے!۔

"بس جناب۔ مجھے اجازت دیجئے! کل کے لئے کچھ تیاری کرنی ہے۔" اس نے ہشام سے کہا۔ "خدا حافظ!"

"آنے میں دیر نہ لگا دیجئے گا۔ سرجن!" اس نے خوشامدانہ انداز سے کہا۔ "آپ نہیں جانتے۔ آپ کے آنے میں تاخیر ہو جاتی ہے تو زندگی سے میری دلچسپی ادھڑ جاتی ہے!"

"میں سویرے ہی آجاؤں گا!" ایمن نے کہا اور ایک سرسری نظر سب پر ڈال کر چلا گیا۔ جب وہ گھر پہونچا ہے۔ تب بھی وہاں ایک ہو کا عالم طاری تھا!۔ وہ بیگم حسن کے کمرے میں گیا۔ انھیں سوتے دیکھ کر چپکے چپکے اسپتال کا لباس

آتارا۔ اور ماں کے پیچھے لیٹ کر کہنی آنکھوں پر ڈھک لی۔ طبیعت کی بدمزگی رنگ لائی۔ سر میں درد شروع ہو گیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔ بخار لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا ہے۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔ بیگم حسن بے خبر سو رہی تھیں!۔ انھیں پتہ بھی نہیں چلا اور ایمن نے انھیں جگانا بھی پسند نہیں کیا۔ ماں کے سر سے اپنا سر لگایا اور آہستہ سے اپنا بازو ان کے گلے میں حمائل کر کے آنکھیں بند کر لیں۔!اور پھر نہ جانے کب وہ بھی سو گیا!۔

گھر بھر میں سناٹا طاری تھا!۔ دن کے ڈھائی تین بج رہے تھے!۔ مرزا صاحب نے صنوبر کو بھیجا وہ بیگم حسن کو کھانے پر بلا لائے!۔ اتنے میں غفار صاحب بھی آگئے صنوبر نے آ کر کہا کہ دونوں سو رہے ہیں!۔ عطیہ بیگم نے انھیں جگایا نہیں! مردوں کو کھانا نکال کر دیا اور خود اپنے کمرے میں چلی گئیں!۔

"بھئی۔ آج کئی ایک جدید وضع قطع کی عمارتیں شاکر نے دکھائیں" غفار صاحب کھانے کے دوران بولے۔۔ "مگر مجھے پسند کوئی نہیں آئی!۔ اور جو دو ایک ڈھنگ کی لگیں وہ شہر سے دور ہیں!۔ مکان خریدنا از حد ضروری ہے۔ آخر اپنا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ ہونا چاہیئے!۔ ماشاء اللہ کل کو لڑکا بھی گھر بار والا ہو گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" مرزا صاحب نے جواب دیا۔ "میں سہیل سے کہوں گا وہ ان معاملات کا بڑا اچھا تجربہ رکھتے ہیں۔ اس عمارت میں پچھلے قطعے انہی کی مرضی اور مشورے سے بنے ہیں!۔ یہ بھی مناسب ہے کہ تم پلاٹ خرید کر حسب مرضی تعمیر شروع کروا دو۔!"

"بھئی اس میں تو کافی عرصہ لگے گا!۔ میں چاہتا ہوں کہ شادی سے پہلے ہی کوٹھی خرید کر اسے ڈھنگ سے رہنے کے قابل بنا لوں۔ ظاہر ہے۔ سارا ساز و سامان ہی نئے سرے سے شروع کرنا پڑے گا!۔ وہاں سے تو میں سب

کچھ بٹور لایا۔"

"خیر شاید شام کو یہیں آئیں۔ ان سے کہیں گے!" مرزا صاحب نے کہا اور پھر مشرف کی خودسری کی کہانی دہرادی۔ غفار صاحب مشتعل ہوگئے! "اس نے دھجیاں اڑائیں اور آپ نے ٹھنڈے پیٹوں سُن لیں۔ ہاتھ سے بات کرنا چاہیئے ایسے لوگوں سے!۔ اور اب وہ کر کیا رہے ہیں؟"

"اپنے کمرے میں منتظر بیٹھے ہیں کہ لڑکی آجائے تو ساتھ لے جائیں۔ عطیہ کا عجیب حال ہے کہتی ہیں۔ یہاں سے شمعی زبردستی لے جائی گئی تو وہ کچھ کھا کر سو رہیں گی!"

"بکواس ہے سب ....." غفار صاحب نے کہا "انکار۔ یکقلم انکار۔ صاف کہہ دو۔ جہاں تمھارا جی چاہے جاؤ لیکن شمعی ہرگز تمھارے ساتھ نہیں جائے گی!۔

"آپ نے کچھ اور بھی سُنا" مرزا صاحب بولے۔ "مشرف صاحب اس نسبت پر بھی آمادہ نہیں۔ کہہ رہے تھے کہ میں نے یہ رشتہ جوڑا نہ میں کچھ جانتا ہوں!۔ اپنے کسی دوست نجمی صاحب سے ازسرنو پیام سلام کرنا چاہتے ہیں!"

غفار صاحب کھانے سے ہاتھ روک کر بیٹھ گئے! "جمشید!۔ میں کہتا ہوں۔ وہ تمھارا رعب دبدبہ کہاں گیا۔ کیسے سنی تھیں۔ تم نے یہ خرافات ... لاحول ولاقوۃ.. اگر ایسا ہی ہے تو میں آج ہی باری کا نکاح پڑھوا دوں گا!۔ یہ بھی سہی!"

"باری سے نہ کہنا۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ ایک لڑکی کی خاطر نوجوان لڑکوں میں تو تو میں میں کی نوبت آئے یا وہ ہاتھا پائی پر اتر آئیں!" مرزا صاحب نے کہا اور کھانا ختم کرکے اٹھ گئے۔

"تمھاری رائے ہو تو میں مشرف سے گفتگو کروں!" غفار صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں تو اس کی رائے نہیں دوں گا!۔ اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تم سے

بھی بد کلامی کرے۔" یہ کہہ کر مرزا صاحب کمرے سے نکلے اور غفار صاحب بھی کچھ سوچتے ہوئے چلے آئے!۔ مشرف نے دونوں کو آگے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا۔ قصداً وہ برآمدہ میں آکھڑا ہوا جیسے کسی جھگڑے کی توقع رکھتا ہو۔ گر اس سے نہ غفار صاحب مخاطب ہوئے نہ مرزا صاحب ..... ! جب تک دونوں نظروں سے اوجھل نہ ہوگئے وہ قہر آلود نگاہوں سے انھیں دیکھتا رہا پھر سگریٹ فرش پر پھینک کر اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔

تین بجے وہ سب اسپتال سے لوٹے۔ شمعی لان پر اپنے بھائی کا اسکوٹر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی!۔ چپ چاپ وہ گھر میں داخل ہوئے! سب سے پہلے مشرف ہی کا سامنا ہوا۔ اور باری نے خوشدلی سے ہنستے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہلو! .... بھئی کہاں رہ گئے تھے اتنے دن۔! خیریت تو ہے؟"

"سب ٹھیک ہے!" مشرف نے باری کی گرمجوشی کے جواب میں فقط دو انگلیاں اس کی ہتھیلی سے ٹکرا دیں اور سرد لہجے میں شمعی سے کہا۔ "اسباب ٹھیک کر دو۔ میں تمھیں لینے آیا ہوں!"

"حواس تو درست ہیں تمھارے!" عزت نے للکارا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!" فریال بولی۔ "کہاں لے جائیے گا شمعی کو؟"

شمعی تو پتھر کی مورت بن گئی!۔ مشرف نے فریال اور عزت کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور چہرہ موڑ کر سگریٹ سلگانے لگا!۔ باری کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا!۔ معلوم ہوتا تھا وہ ضبط کی بہت کوشش کر رہا تھا۔

"تم اندر چلو۔ شمعی!" عزت نے کہا۔ "یہ تو یونہی بکنے کے عادی ہیں!۔ کس کی مجال ہے کہ تمھیں یہاں سے لے جاسکے!" اور یہ کہہ کر شمعی کا ہاتھ پکڑ لیا مشرف نے اپنے مخصوص سرد لہجے میں پھر کہا۔

"نہیں! ۔ عزت ۔ میں خرافات نہیں بک رہا ہوں! ۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں شمی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں ۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں خرافات اور بکواس کا دخل کیسے ہوگیا! ۔"

"بھیا تم شوق سے جاؤ ۔ شمی نہیں جا سکتی! ۔" عزت نے کہا ۔

"رک جاؤ ۔ شمی! ۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں! ۔" مشرف دھاڑا ۔

"مشرف ۔ انسانیت کی حدود سے تجاوز نہ کرو!" باری بالآخر بول ہی پڑا ۔

کسی غیر ذمہ دار شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ بہن بھائی کے معاملہ میں زبان کھولے مشرف نے کہا ۔ باری چراغ پا ہوگیا! ۔

غیر معمولی طور پر بلند آوازیں اندر پہونچیں ۔ تینوں بزرگ اندر سے نکلے! ۔ بیگم حسن بھی جاگ پڑیں ۔ آنکھ کھلی ہی تھی کہ انھیں محسوس ہوا کوئی ان سے لپٹا ہوا سو رہا ہے ۔! بڑی حیرت سے اپنے سینے پر رکھا ہوا بازو دیکھا ۔ اور پھر حیرت و مسرت سے ان کا عجیب حال ہوگیا ۔ اس خدشہ سے کروٹ نہ بدل سکیں کہ کہیں امجن جاگ نہ اٹھے! ۔ مگر اس کی انگلی میں جگمگاتی ہوئی مخصوص انگوٹھی تو انھیں دکھائی دے گئی! ۔ بڑے پیار سے انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پریشان ہوگئیں! ۔ کلائی جل رہی تھی! ۔ پھر انھیں پتہ چلا وہ بخار ہی میں غافل تھا! ۔ ورنہ ان کی نقل و حرکت سے جاگ اٹھتا! ۔ وہ ان ماؤں میں سے تھیں ۔ جو اپنی اولاد کو چاہے جیسے بھی ماریں پیٹیں سخت سست سنائیں مگر ذرا سی طبعی تکلیف برداشت نہیں کر سکتیں! آہستہ سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور اٹھ بیٹھیں ۔ پیشانی دیکھی ۔ چہرے پر ہاتھ پھیرے مگر وہ بدستور نیند میں غافل بھاری بھاری سانسیں لیتا رہا! ۔

"یا اللہ ۔ میرے بچے کی خیر! ۔" انھوں نے گھبرا کر کہا ۔ پائنتی سے شال اٹھائی اور اس کے کمر تک اوڑھا دی ۔ پھر چپکے چپکے کچھ پڑھ پڑھ کر اس کے چہرے

بر دم کیا۔ ایمن نے آنکھیں کھول دیں۔ بیگم حسن ڈر گئیں۔ آنکھیں خون کبوتر ہو رہی تھیں!۔ وہ خاموش اور مبہوت ماں کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے اپنے حواسوں میں نہ ہو!۔

"میرے لال.... میرے بچے.... کیسا جی ہے؟.... کب تم آکر سو گئے! جگا نہ لیا مجھے؟...." بیگم حسن نے اس کے پژمردہ ہونٹوں پر پیار سے انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا!۔

"امی۔!" اس نے بھرائی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔ لہجہ خیالی الذہنی کا سا تھا اس نے دفعتہً سر کو ان کے آغوش میں سر ڈال دیا۔ اور بازوان کے اطراف کس لئے.... اس طرح وہ اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتا تھا جو دم بدم برداشت سے باہر ہو رہی تھی!۔ سرخ سرخ آنکھیں، حدت سے تمتماتا ہوا چہرہ۔ خشک لب اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔!

"بیٹے۔ یہ کب آگیا بخار۔؟" بیگم حسن نے پوچھا اور سر دبانے لگیں!۔

"اسپتال ہی میں.... امی۔ بیٹھے ہی بیٹھے۔ اعضا شکنی ہونے لگی۔ سر پھٹا جا رہا ہے!۔ امی میرا سر دبا دیجئے۔ اللہ۔ اللہ۔ کتنا درد ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ میرے حواس ساتھ چھوڑ رہے ہیں!۔ اُف۔ امی۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ اڑھا دیجئے جتنے کمبل یہاں ہوں!۔" اور وہ تکیے پر گر کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

"بیٹے پریشان نہ ہو۔" بیگم حسن نے شال اور اپنا کمبل اسے گردن تک اڑھا دیا۔ اور خود سرہانے بیٹھ کر سر دبانے لگیں!۔ وہ تشنجی انداز میں مٹھیاں بھینچ رہا تھا! بار بار آنکھیں کھولتا اور بند کر لیتا۔

"امی کسی کو بلایئے۔ میں اوپر سے تھرمامیٹر منگواؤں۔" اس نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ اور بستر پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر جکڑ لیا! بیگم حسن باہر نکلیں

سامنے مرزا صاحب نظر آئے ان سے سارا ماجرا کہا۔ وہ اپنی تکلیفوں میں مبتلا تھے مگر اس کی ناگہانی علالت سے گھبرا گئے! ۔ دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھے اور باری کو آواز دی ۔ وہ غصے میں بھرا ہوا آیا۔ مرزا صاحب نے اس سے کہا۔ ہنگامی طور پر اس کے ذہن سے مشرف کی بیہودگی کا خیال نکل گیا اور وہ باہر دوڑا۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر سوائے شمعی اور فریال کے سب ہی بیگم حسن کے کمرے میں اکٹھا ہو گئے! ۔

ایمن کے لئے یہ مجمع مزید دردسری کا باعث بنا۔ سب ہی تن من سے تیمارداری پر آمادہ نظر آرہے تھے! ۔ مرزا صاحب نے بخار دیکھا اور گھبرا گئے! ۔

"بیٹے ۔ یہ آخر ہوا کیا؟" انھوں نے پوچھا۔ "کوئی نسخہ جلدی سے لکھو منگوا لوں دوا!"

بھئی واہ ۔ مسیحا خود طبیب کا محتاج ہو گیا!" غفار صاحب نے ہنس کر کہا غالباً وہ ہراس اور پریشانی کم کرنا چاہتے تھے جو سب کے دلوں پر طاری ہو چکی تھی ایمن کے پژمردہ لبوں پر مسکراہٹ ابھری مگر ایسی جیسے کہ رو رہا ہو۔ باری نے بھی اصرار کیا۔ اور نہ جانے کیا چند سطریں گھسیٹ کر اس نے نسخہ باری کے حوالے کر دیا۔

مرزا صاحب کو بڑی تشویش تھی ۔ کہنے لگے ۔

"بڑی محبت کرتے ہو۔ نیا نیا کام ہے ۔ بس کل سے ہفتہ بھر کی رخصت کی درخواست بھیج دو ۔ ایوں بھی کل تمہارا جانا مناسب نہیں ۔ خدانخواستہ بخار بڑھ نہ جائے!"

"چچا میاں" اس نے مسکرانے کی کوشش کی "اگر ۔ میں رخصت لے کے بیٹھ جاؤں تو میرے مریض میرے نام پر ۔ فاتحہ پڑھ دیں"

لاحول ولاقوۃ ۔ اب کیا ڈاکٹر بیمار بھی نہ ہوا کریں!" غفار صاحب نے کہا

ان کے لہجے میں ایسی بے ساختگی تھی کہ ایمن کو بے ساختہ ہنسی آگئی!۔ بیگم حسن کا چہرہ کھل اٹھا۔ عزت اس کے لئے گرم دودھ لے آئی۔ پھر ایک ٹیبلٹ اور پیالی بھر دودھ پی کر اس کے حواس قدرے درست ہوئے!۔ آنکھیں کھلیں!۔ لیکن وہ اپنی حالت کا بخوبی احساس کر سکتا تھا!۔ ان سب کے خیال سے اس نے خود کو سنبھالا۔ اور رفتہ رفتہ جب وہ کمرے سے چلے گئے تو وہ پھر کراہنے لگا!۔ بیگم حسن پاس ہی تھیں!۔ وہ سر دبانے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد باری آیا!۔ مگر وہ اکیلا نہیں تھا!۔ اس کے ساتھ ایمن کا ایک ساتھی ڈاکٹر بھی تھا! بیگم حسن پردے میں ہو گئیں۔

"ابھی ابھی تو آپ اچھے خاصے اسپتال سے آئے تھے!۔" ڈاکٹر عمر نے تعجب سے پوچھا!۔ اور اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا!۔

"اوہو۔" وہ چونک پڑا۔ "آپ تو بڑے بے موقع پڑے۔ کل کیا کیجئے گا!۔ وہاں تو ابھی سے تیاریاں شروع ہو گئیں!۔ ڈاکٹر لال نے صبح ۶ بجے آپریشن کا پروگرام رکھا ہے!۔ اتنے سویرے ایسی صورت میں آپ کیسے پہنچئے گا!؟"

"یہی سوچ رہا ہوں!۔" ایمن نے کہا اور کچھ سوچنے لگا!۔ "بہر حال۔ کل تو مجھے کسی نہ کسی طرح جانا ہی ہے!۔ وقت البتہ آپ بدل دیجئے!۔ ٹھیک گیارہ بجے میں اسپتال میں موجود رہوں گا!۔"

"بہت بہتر۔ میں ان سے کہہ دوں گا!۔ لیکن یہ بتائیے۔ میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں!۔

کونین مکسچر!۔ صرف ایک ڈوز۔ اور بس!۔" ایمن نے کہا۔

"روح تک کڑوی ہو جائے گی!۔" باری نے دخل دیا۔ "عمر صاحب!۔ آپ نے کیا اندازہ لگایا۔ یہ تپ مفارقت ہے؟!"

ایمن نے باری کو گھور کر دیکھا اور عمر ہنسنے لگا۔ بہر حال وہ جلد تر ڈوز بھجوا

دینے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

"بڑے نامعقول ہو۔" ایمن نے اس کے جانے کے بعد باری کی خبر لی۔ "میں نے تم سے کب کہا تھا کہ عمر کو لیتے آنا۔

میں تو اشرف صاحب کو اس لئے لایا کہ ان کا نام عمر ہے۔ جس کا علاج کریں گے اس کی بھی عمر بڑی ہو جائے گی"۔ "تم بڑی دیر میں بات سمجھتے ہو! مجھے حیرت ہے کہ ڈاکٹر تمھیں کس نے بنا دیا"۔ باری نے منہ بنا لیا۔ ایمن بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

باری کو بڑی فکر تھی کہ مشرف والے واقعہ کا انجام کیا ہوا۔ ایمن کی علالت کی بنا پر جھگڑا کچھ دیر کے لئے تھم گیا تھا۔ مگر مشرف اپنی بات پر اڑا ہوا تھا کہ یہاں سے اسی وقت جائے گا جب شمعی ساتھ جائے گی۔ سب کر سمجھا کر خوشامدیں کر کے سب تھک گئے لیکن وہ اپنی ضد پر جما ہوا تھا۔

شمعی اپنی ذات سے جھگڑے اٹھتے دیکھ کر بری طرح پریشان ہو گئی۔

"مرنا تو ہے ہی ہے۔ خالہ بی... جانے دیجئے مجھے۔" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "اب میری تقدیر میں نہیں ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں"۔

"بیٹی۔ میں مر جاؤں گی تمھارے بغیر۔" عطیہ بیگم اسے سینے سے لگا کر رونے لگیں "نہیں شمعی۔ نہیں۔" فریال نے الگ اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔ "آج یا تو میری بات رہے گی یا تمھارے بھیا کی۔ میں دیکھتی ہوں۔ تم کو یہ کیسے اور کیونکر لے جاتے ہیں۔"

"دیکھنا چاہتی ہو تم۔" مشرف کا لہجہ خونخوار تھا۔

"فریال... " شمعی بولی "خدا کے لیے تم کچھ نہ بولو۔ ہائے بہن۔ تم سے جدائی قیامت ہے۔ خدا مجھے موت کیوں نہیں دے دیتا۔ میں اس گھر سے زندہ نہ نکلوں

مر کر نکل جاؤں!"

"مشرف!" دفعتہً مرزا صاحب دھاڑے۔ "بس بہت ہو چکا! اگر تم یہاں سے نہیں جاؤ گے تو میں پولیس کے ذریعہ تم کو نکلوا دونگا! تمھاری بیہودگی بڑھتی جا رہی ہے!۔ ہماری شرافت اور مظلوم بہن کی بے زبانی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو!۔ اس دھوکے میں نہ رہنا کہ خالو بڈھا کیا کر سکتا ہے۔ یاد رکھنا کہ میں جیل کی ہوا کھلا دوں گا!"

مشرف کے چہرے پر غیظ و غضب قہر و جلال کی پرچھائیاں لرزیں۔

"یاد رکھیئے گا!۔ یہ دھمکی آپ کو بہت مہنگی پڑے گی!" اس نے سٹھیا بھینچ کر اور پاؤں پٹخ کر کہا اور پلٹ کر پچھلے دروازے سے نکل گیا!۔

عطیہ بیگم کو اندیشہ ستا رہا تھا کہ مشرف کوئی سخت کارروائی ضرور کرے گا! غفار صاحب کا منشا تھا کہ جلد تر شمعی کا نکاح کر دیا جائے۔ دیر تک وہ سب دالان میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ عطیہ بیگم کی مرضی بھی کچھ نہ کچھ یہی ہو رہی تھی کہ غفار صاحب کا کہا مان لیا جائے۔ رخصتی اور دھوم دھام فریال کے ساتھ کی جائے گی۔ پھر مرزا صاحب بھی راضی ہو گئے!۔ اور طے پا گیا کہ صبح ہی کو اس مقدس فریضے سے بھی فراغت پالی جائے۔

فریال سب کچھ سُن رہی تھی!۔ اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کہ کل صبح ہی کو شمعی پرائی ہو جائے گی۔ اور شمعی بے ترتیب سی بستر پر پڑی اپنی تقدیر کے اہم فیصلے پر خون

کے آنسو رو رہی تھی!۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلدی اس کی محبت انجام کو پہنچ جائے!۔ پتہ نہیں۔ وہ کیا سوچتی رہی تھی!۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن اب بھی کوئی موہوم سی آس اسے ایمن کے قریب کی تھی!۔ سب کچھ اس نے اپنے دل پر جھیلا تھا۔!۔ اس کی جدائی اس کی مفارقت اور اس کی بیگانگی مگر وہ صرف اُسے سامنے دیکھتے رہنے کی متمنی تھی!۔ اب یہ بھی توقع ختم ہو رہی تھی!۔

شمی!۔ یہ مشرف بھائی نے کیا بکھیڑا پھیلایا ہے؟" فریال اس کے پاس آ بیٹھی۔ "غفار چچا طے کئے بیٹھے ہیں۔ صبح کو نکاح ہو جائے گا!۔ پتہ نہیں باری بھائی تمھیں لے کر کہاں جائیں!۔"

"فریال۔ میری بدنصیبی مجھے اور کیا کیا دکھائے گی!۔ شمی نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا اور رومال سے منہ ڈھانپ کر پڑ گئی!۔

بڑی بد دلی سے رات کا کھانا ان لوگوں نے کھایا۔ ایمن اپنے کمرے میں تھا تب فریال سے باری نے کہا۔

"تم گئیں ان کی مزاج پرسی کے لئے؟۔"

شمی کی مزاج پرسی کر رہی تھی۔" فریال برجستہ بولی۔

"اس کے لئے میں کافی ہوں۔" باری نے ہنس کر کہا۔ "مگر تمھیں ایمن کی خیریت پوچھنے جانا چاہیئے تھا۔!

شرم آتی ہے مجھے!۔ فریال نے کہا۔

اسے شرم نہیں۔ بد اخلاقی کہتے ہیں!۔" باری خواہ مخواہ دانت پیس کر بولا۔

ابھی سب طعام خانے ہی میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریال چپکے سے

بیگم حسن کے کمرے میں داخل ہوئی۔ ایمن نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ اور یک بیک اس کے چہرے پر تازگی سی دوڑ گئی! ۔ فریال دروازے پر ہی کھڑی ہوگئی تھی۔ ایمن نے ہنس کر کہا۔

"کیا مجھے اٹھنا چاہیئے آپ کی تعظیم و تقدیم کے لیئے؟"

فریال میز کے سہارے ٹک کر کھڑی ہوگئی!۔

"آپ نے بہت اثر لیا۔ ڈاکٹر صاحب۔۔" فریال بولی۔" شاید آپ یہ سوچ کر پریشان ہوگئے کہ میں مشام سے مل کر آپ کی جذباتی قربانی پر لعنت ملامت کروں گی۔ آپ کار ہمارے لیئے چھوڑ کر پیدل ہی اتنی دور سے گھر واپس آگئے!۔ میں سب کچھ دیکھ رہی تھی!۔ یقین کیجئے۔ مجھے آپ کی بلندئ ایثار پر رشک آتا ہے اس کے لئے جو کچھ آپ نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ وہ مجبور ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں نے کوئی برا خیال قائم کیا ہے۔ آپ کو اب ہمت کرنی چاہیئے۔ کل ہی تو آپکا سب سے بڑا کام ہے۔ خدا اسے صحت مند کر کے آپ کی لاج رکھ دے میں تو یہی دعا مانگتی ہوں!۔"

"فریال۔ تم بلند ہو۔ بہت بلند ہو۔" ایمن نے متاثر ہو کر کہا۔" میری گرتی ہوئی ہمت تم نے سنبھال لی یقیناً یہی بات تھی۔ یہی فکر تھی۔ میری علالت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ میں اپنی سنگدلی پہ پچھتا رہا تھا!۔ لیکن اب میں بہت خوش ہوں تمھاری دعاؤں سے میری لاج رہ جائے گی۔ کیونکہ یہاں یہ میرا پہلا تجربہ ہے فریال۔ کیا تم یہ سب کچھ دل سے کہہ رہی ہو؟"

"دل کی تمام تر گہرائیوں سے!۔۔" آپ عملی ایثار کر سکتے ہیں تو کیا میں زبانی ایثار بھی نہیں کر سکتی؟۔" فریال کے چہرے پر صداقت کا نور تھا!۔ ایمن بڑے پیار سے اسے تکنے لگا!۔

صبح بڑی اداس ثابت ہوئی!۔ ایمن نسبتاً بہتر تھا اور اپنی روانگی کی تیاری کر رہا تھا!۔ اسے کل کے جھگڑے کی مطلق اطلاع نہ تھی!۔ کسی نے دینی بھی نہیں چاہی جلدی جلدی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال ٹھیک کر رہا تھا۔ آئینہ میں عزت کی پریشان شکل دکھائی دی اور اس نے ہاتھ گرا لئے۔

"ایمن بھائی۔ نیچے آیئے گا ذرا"

کیوں۔ عزت۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے نا؟" وہ گھبرا گیا۔

عزت نے بادیدۂ پرنم سب کچھ سنا دیا۔ اور ایمن گہری سوچ میں کھو گیا!۔

"ایمن بھیا" وہ سسکنے لگی۔ "شمعی کو نہ جانے کیا ہوا ہے۔ غافل پڑی ہے بدن سرد چہرہ نیلا۔ پکاریئے تو جواب نہیں دیتی۔ اور ممانی جان الگ دل سنبھالے پڑی ہیں!۔ میرا تو کلیجہ بیٹھا جاتا ہے"

نیچے ہال میں عجیب سوگوار سناٹا تھا!۔ وہ عزت کے ساتھ عطیہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ غفار صاحب۔ اور مرزا صاحب موجود تھے!۔ انھوں نے بڑی... پر امید نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر ایمن کا دل دھک سے رہ گیا۔! عطیہ بیگم کی حالت ردی ہو رہی تھی!۔ دل کا تیسرا حملہ تھا!۔ اور فیصلہ کن تھا۔ آنکھیں بند پسینے میں تر بتر۔ وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی!۔ اس نے انھیں دیکھا بھالا نہ کوئی بات کی۔ مڑ کر باری سے کہا کہ اشرف کو فون کر دے۔ عطیہ بیگم کا فی الفور اسپتال پہونچنا ضروری تھا!۔ اور اسے اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ برآمدے میں ہو کا عالم طاری تھا!۔

"باری۔!" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "اشرف کو فون مت کرنا۔ یہ تو میں نے بچا میاں اور ماموں بھیا کی تسلی کے لئے کہا تھا! تم مرد ہو۔ دل کو سنبھالو۔ بچی اماں کو دنیا کی اب کوئی طاقت بچا نہیں سکتی... تم

ان کے سارے اعزہ کو ٹیلی فون کر دو ۔ دیر نامناسب ہے!۔ خدا کی پناہ ۔ یہ آن کی آن میں کیا ہو گیا ۔ میں بھی تو جا رہا ہوں ۔ باری ۔ خدا کے لئے ۔ دل مضبوط کرو ۔ کیا حشر ہو گا ۔ شمعی اور فریال کا!"

باری پر خود بھی نزعی عالم طاری ہو گیا!۔ دل کی حرکت رکنے لگی ۔ سرد ہو گیا!۔ بہر حال اسے سب کو اطلاع تو دینی ہی تھی!۔ وہ چلا گیا! اور ایمن چپ چاپ شمعی کے کمرے کی طرف بڑھا!۔ فریال اس کے پاس بیٹھی تھی ۔ ایمن کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی ایمن کے دل کو کسی نے سختی میں جکڑ لیا ۔ تھوڑی دیر بعد فریال کا کیا حشر ہو گا!!۔

"دیکھئے" وہ کانپتے ہوئے لبوں سے بولی "اسے کیا ہو گیا؟"

ایمن ایک گہری آہ بھر کر شمعی پر جھکا! اور بغور معائنہ کر کے اپنا بکس اوپر سے منگوایا ۔

وہ تیز بخار میں بے ہوش تھی ۔ ایمن نے اس کی گرم پیشانی پر اپنا سرد ہاتھ رکھ دیا ۔ شمعی کے مرجھائے ہوئے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان منجمد تھے ۔ جیسے نازک آبگینوں پر بھاپ جمی ہو ۔ لب نیم وا ۔ آنکھوں کے اطراف سرمئی حلقے ۔ جن میں پسینہ چمک رہا تھا! گھنی گھنی پلکیں ایک دوسرے سے پیوست، کالی کالی گھٹاؤں کی طرح بستر پر بکھرے بالوں کے پیش نظر میں شمعی کا زرد اور ستا ہوا چہرہ ۔ جلد غروب ہو جانے والے چاند کی طرح دمک رہا تھا!

"شمعی!" اس نے دھیرے سے پکارا ۔ اور چپکے سے نبض اس کے بازو میں گھونپ دی ۔! فریال امید و بیم کے عالم میں اس کا چہرہ تک رہی تھی!۔ اور یہ سوچ کر دل گرفتہ تھی کہ ایمن کے چہرے پر نامعلوم صدموں کی پرچھائیاں کانپ رہی ہیں!۔ مگر وہ خود شمعی کے ہوش میں آنے کا منتظر تھا!۔

"یہ اپنی زندگی کے اس موڑ سے خوش نہیں ہیں ۔ فریال" دفعتہً ایمن نے پوچھا

"جی ..... ، مجھے کچھ نہیں معلوم ...!" فریال ہچکچا گئی! "یہ تو تین برس سے باری بھیا کی سیکریٹری ہیں۔ مگر کل اپنے بھائی کی سنگدلی سے بہت متاثر ہوئی تھیں!"

افسوس۔ وہ اپنی بے زبان بہن پر رحم نہیں کھاتے!۔ آخر کوئی وجہ تو ہوگی خفگی کی؟"

جی ہاں۔ وہ چاہتے ہیں کہ شمعی یہاں نہ رہے۔ پتہ نہیں۔ ہم سب سے کیوں خفا رہتے ہیں!"

"اچھا۔ فریال" ایمن نے کہا۔ "تم دیکھو چچی اماں اب کیسی ہیں۔ میں یہاں موجود ہوں!"

فریال کشمکش میں تھی مگر وہ چلی گئی!۔ اور ایمن یہ سوچ کر اداس ہوگیا۔ وہ جاکر اپنی ماں کو کس حالت میں دیکھے گی!۔ ایک آہ بھر کر وہ شمعی کے پاس بیٹھ گیا۔ اتنے میں ملازم نے اندر جھانکا!۔

"سرکار۔ آپ کا فون ہے!۔"

"جواب دے دو کہ میں ابھی آرہا ہوں!" ایمن نے کہا اور پھر شمعی پر جھک گیا!۔

"شمعی!۔ شمعی! ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو۔ اس نے دھیرے سے پھر آواز دی۔

دفعتہً وہ ہولے سے مسکرائی "یہ کیسا خواب ہے؟۔ ہر پل۔ ہر لمحہ۔ یہی آواز میرے آس پاس۔ گونجتی رہتی ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ یہ خواب۔ خواب ہی رہ جائے... اف نوہ۔ مجھے ہولناک تعبیر نہ ملے۔ ایمن! آپ بے وفا نہیں۔ یہ تو میری ہی بدنصیبی ہے!" وہ غفلت میں سسکنے لگی۔ "اپنی گزرنے والی زندگی کے ہر پیچ و خم پر۔ میں نے آپ کا انتظار کیا۔ آپ آئے اور چلے گئے۔ آپ کے نقش قدم

پر میں سجدے کرتی رہ گئی!۔ آہ۔ زبان کھولوں تو رسوائی۔ چپ رہوں تو کلیجہ پھنکا جاتا ہے!"

ایمن کا ہاتھ شمی کے ماتھے پر سے یوں اٹھا جیسے شاک لگا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

یہ گم صم سی لڑکی اپنے دل میں انہونی تمناؤں کا صنم خانہ سجائے ہوئے ہے!۔ ایمن کو رفتہ رفتہ اس کی باتیں یاد آئیں۔ فریال کی منگنی کے موقعہ پر شمی بے اختیار رو پڑی تھی!۔ آخر کیوں؟۔ وہ سمجھتی تھی۔ ایمن ہمیشہ کے لئے دوسرے کا ہو چکا!۔

وہ اس کے پاس کھڑا دھندلائی نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا! یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو کچھ سنا۔ وہ واہمہ نہ تھا۔ حقیقت تھی!۔

کیا وہ سچ مچ دو زندگیوں سے کھیل رہا تھا!۔ ایسا کھیل جو نادانستگی میں شروع ہوا تھا!۔ ایک محبت کرنے والا دل دوسرے محبت کرنے والے دل کو خوب پہچانتا ہے۔ ہر دل کی تڑپ یکساں ہوتی ہے۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا!۔ جتنا پیار اسے فریال سے تھا!۔ اتنا ہی پیار اس سے شمی کو بھی ہوگا!۔

نہیں نہیں۔ یک لخت بے چین ہو کر اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے!۔

شمی۔ ہوش میں آؤ۔ دل کو سنبھالو۔ یہ پاگل پن ہے۔ دیوانے کا خواب۔ اُف پروردگار۔!

"ڈاکٹر صاحب" صنوبر اندر آئی "بڑے سرکار بلا رہے ہیں!"

اللہ۔ اللہ... ایمن نے اپنی کنپٹیاں جکڑ لیں۔ یہ ستم انگیز پیشہ میں نے کیوں اختیار کیا۔ اندر بیمار۔ باہر بیمار۔ خداوندا۔ یہ کیسا کرب ہے۔ میں تو سب سے بڑھ کر بیمار ہوں!۔ اس کی نگاہیں سامنے آویزاں ایک غمناک پورٹریٹ پر جم گئیں!۔ سیاہی مائل شفق کے پس منظر میں ایک دوشیزہ پھولوں

کی زنجیروں میں قید کھڑی تھی!۔ اس کے دل میں ننھا سا تیر پیوست تھا اور خون رس رس کر پنکھڑیوں کو لالہ فام بنا رہا تھا!۔

ایک مجبور کا حسرت ناک تخیل!۔ ایمن کی پلکیں نم ہونے لگیں!۔

پھر دفعتہً شمی نے آنکھیں کھول دیں!۔ اور ایمن کو اپنے قریب دیکھ کر بڑے والہانہ انداز میں مسکرائی۔ جیسے ابھی تک خود کو خوابوں کی دھند میں ملفوف سمجھ رہی ہو!۔ اور ایمن کی موجودگی بھی خواب ہی ہو۔

"شمی؟" ایمن نے پوچھا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش آ گیا!۔ کیا مجھ سے بدلہ لینے کے لئے بخار بلا لیا تھا!"

شمی دھک سے رہ گئی!۔ اوہ۔ یہ خواب نہیں۔ حقیقت ہے!۔ ایمن اور اس کے پاس۔ یہ کیا ہو گیا۔ وہ بدحواس دبقیرا کے اٹھ بیٹھی اور اپنا لباس درست کرنے لگی!۔

"شمی!۔ مجھ سے کہہ دو۔ تم کیا سوچتی رہی ہو۔ شاید میں تمہارے کام آ سکوں؟"

"نہیں نہیں" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ اور بے صبری سے ہاتھ ہلایا۔ "مجھے آپ سے کچھ بھی کہنا نہیں ہے۔ آپ۔ آپ یہاں سے چلے جایئے!۔ اوہ۔ میرے خدا۔ کیا میں فریال کا راستہ کاٹ سکتی ہوں۔ نہیں۔ میں تو پاگل ہوں... میں... میں۔ آپ سے کیسے کہوں کہ۔!"

ایمن بس اسے دیکھتا رہ گیا۔! اور شمی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ہانپتی رہ گئی!۔

"میں آپ سے سب کچھ کہہ دوں گی!۔" اس نے زانوؤں پر سر ڈھک لیا۔ "مگر خدارا۔ آپ میرے پاس سے چلے جایئے۔"

امین کمرے سے نکل آیا۔ دماغ پراگندہ۔ حواس مختل!۔ وہ خود کو خیالی دنیا کا فرضی انسان تصور کر رہا تھا!۔ خالی الذہن سا۔ جیسے گونگا بہرہ اور اندھا ہوگیا ہو!۔"

باری کی اطلاع پا کر سب ہی آ گئے تھے!۔ اب دالان میں ایک شور برپا تھا امین کو دیکھ کر وہ سب چپ ہو گئے۔ مگر وہ تو خود بھی دیوانہ ہو رہا تھا!۔ نہ کسی سے ملا نہ کسی کو ملنے کا موقع دیا۔ مرزا صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ اس کی امی بھی آواز دیتی رہ گئیں اور وہ نکلا چلا گیا!۔ باری زینے کے نیچے کھڑا کسی غیر معروف ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا!۔ اس کی توجہ ہٹ گئی!۔ امین نے اسے بھی نظر انداز کر دیا۔ گاڑی میں بیٹھا اور شوفر کو گاڑی بڑھانے کا حکم دے کر سر پشت گاہ سے لگا دیا!۔

اگر ڈرائیور اسپتال پہونچ کر اسے مطلع نہ کرتا تو اسے ہوش بھی نہ آتا!۔ کرنل جبار لاؤنج میں اس کے منتظر تھے!۔ انھیں دیکھ کر وہ ایک گہرے خواب سے جاگا!۔ آس پاس اس کے گیارہ ساتھی کھڑے تھے!۔ آپریشن کا وقت قریب تھا!۔ نرس شام کو لینے گئی تھیں!۔

کرنل جبار نے اس کی مزاج پرسی کے بعد کہا "میں تو بر صبح فجر کے وقت یہاں آگیا تھا!۔ تمھارا انتظار کرتے کرتے یہ وقت ہوگیا۔ گھر پر بیگم جمشید کا کیا حال ہے؟!"

بیگم جمشید!۔ اس کے دل پر گھونسہ سا لگا... وہ تو انھیں ایک فیصلہ کن حالت پر چھوڑ آیا تھا! کیا ڈاکٹر کا یہی فرض ہوتا ہے؟۔ وہ سناٹے میں رہ گیا!۔ کرنل صاحب نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"شام صبح سے تین بار بے ہوش ہو چکی ہے۔ آفندی۔ کیا اس صورت میں آپریشن مناسب ہوگا؟"

"میں تو مناسب سمجھتا ہوں۔ ویسے آپ کی جو رائے ہو!" ایمن نے کہا۔ اور نرس سے ایک گلاس پانی لانے کی فرمائش کی!۔

"میں خود تمہارا ساتھ دیتا۔ لیکن۔!" کرنل صاحب نے کہا۔ "میں اب اس قابل نہیں رہا۔ دیکھتے ہو۔ کتنا شدید رعشہ میرے ہاتھوں میں پیدا ہو گیا ہے؟"

ایمن نے گلاس لیتے ہوئے دیکھا!۔ ان کے ہاتھوں میں رعشہ نہیں تھا! وہ کانپ رہے تھے!۔ خود پانی پینے کے بجائے گلاس اس نے کرنل صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

"اس سے زیادہ خطرناک آپریشن آپ نے کئے ہوں گے!۔ پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے میں آپریشن کروں گا!۔ مگر میرے ساتھ گیارہ ساتھی اور بھی ہیں!۔ آپ میرا انتظار کیجئے!۔ اور کرنل صاحب کا جواب سنے بغیر تھیٹر کی طرف بڑھ گیا!۔ وہ وہیں کھڑے دیکھتے رہ گئے حتیٰ کہ اس نے اندر داخل ہو کر تھیٹر کا دروازہ بند کر لیا!۔

مشام کی حالت قابل دید تھی۔ پسینے میں تر بتر۔ چہرہ زرد۔ دل کی دھڑکن لباس پر سے عیاں تھی!۔

ایمن اپنی ذہنی زندگی کے اس ہوشربا موڑ پر تھا!۔ جہاں نہ اسے اپنے احساسات کی پرواہ تھی نہ کسی اور کے جذبات کا خیال۔ ایک نظر بھی اس نے مشام پر نہیں ڈالی کوٹ اتار کر الگ ڈالا۔ میز پر سے ماسک (نقاب — MASK) اٹھا کر ناک اور منہ پر اوڑھ لیا۔ اب صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں!۔

"ایمن!۔" مشام کی ڈوبتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی!۔ "مجھے بے ہوش کر دیجئے۔ ایمن مجھے بے ہوش کر دیجئے!"

"وانٹ بی دری۔ مس جبار۔!" اس نے گونجیلی آواز میں کہا۔ نرس!۔ انجکشن!

اس کے گیارہ ساتھی ہر قسم کے آلات سے لیس اور مہر بلب اس کے آس پاس کھڑے تھے!۔ نرس نے ہشام کو سُن کر دینے کے دو تین انجکشن دیے!۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ڈاکٹر ایمن اپنے ایک ساتھی ڈاکٹر کے ہاتھ سے چمکدار تیز آلہ لے کر اس کے جسم پر جھک گیا!۔ ہشام بے ہوش نہیں تھی!۔ لیکن بے ہوشوں سے بدتر تھی!۔ ایک شیڈ سا اس کی آنکھوں کے سامنے اڑکر دیا گیا تھا!۔ ویسے وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ محسوس کرنے کی طاقت زائل ہو چکی تھی!۔ ایک کے بعد ...سرا آلہ۔ ایک کے بعد دوسری قینچی اور چاقو!۔ ڈاکٹروں کے ہاتھوں سے باری باری ایمن کے ہاتھ میں پہونچ رہے تھے۔ جیسے خیرہ کن روشنی میں بھی بجلیاں کوندرہی ہوں!۔ دفعتہ ایک مرتبہ ہشام نے ایمن کے دونوں ہاتھوں کو سرخ سرخ اور گاڑھے گاڑھے خون میں تر بتر دیکھا!۔ اور وہ بے ہوش ہو گئی۔!

ایمن بدستور اس کے بدن پر جھکا ہوا تھا!۔ بے آواز۔ غیر محسوس مہارت اور پھرتی کے ساتھ لگ بھگ دو ڈھائی گھنٹے بعد اس کا آپریشن ختم ہوا۔ بہت بڑا کینسر اس کی آنتوں پر سے نکال لیا گیا۔ ٹو چر زدے کر اس زخم پر پٹیاں کس دیں اور طویل سانس لے کر سر اٹھایا!!!۔ چھن چھن کر کے اوزار طشت میں پھینکے گئے؟۔ آلائش و غلاظت کا ڈھیر بھیتر سے باہر نکالا گیا!۔ دم سادھے ہوئے اس کے ساتھی مرعوب و خائف ایک ایک کر کے باہر نکلے!۔ واش اسٹینڈ پر ایمن نے کئی بار اپنے ہاتھ دھوئے!۔ دوسرا لباس بدلا اور پھر چہرے پر سے ماسک اتار کر ایک طویل نظر ہشام پر ڈالی۔ اس کی سانس چل رہی تھی!۔ کلائی پر انگلیاں رکھ کر نبض کی رفتار دیکھی!۔ اور نرسوں کو حکم دے کر کہ چھ گھنٹوں بعد وہ اپنے وارڈ میں پہونچا دی جائے!۔ خود اپنے روم میں چلا گیا تھکا ہارا سا نڈھال اور مضمحل اس نے صوفہ کے ہتھے پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

"سرجن!" ڈاکٹر شہیر نے آواز دی۔ "آپ کا فون۔!" وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ چپ چاپ وہ راہداری میں نکل آیا۔ اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ایمن۔ ایمن۔!" باری چیخ رہا تھا!۔

"میں بول رہا ہوں۔ باری! سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے؟" اس نے اپنا مخصوص جملہ کہا بھی نہ تھا کہ باری نے وحشت زدہ آواز میں کہا۔

"تمہارا کہنا پورا ہوا۔ بچی جان۔ ختم ہو گئیں!۔ گھر میں محشر بپا ہے فوراً آ جاؤ۔"

"بیڈ لک۔!" ایمن کے لب ہل کر رہ گئے!۔ مزید کچھ کہے بغیر اس نے ریسیور رکھ دیا اور خلاؤں میں تکنے لگا!۔ شہیر پاس ہی کھڑا تھا!۔

"سرجن! کوئی ایکسپائرڈ (ختم) ہو گیا؟!" اس نے دبی زبان سے پوچھا!۔

"ہاں! بیگم جمشید!" ایمن نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرا جانا ضروری ہے!۔ آپ کرنل صاحب سے کہہ دیجئے گا۔ پتہ نہیں تدفین کس وقت ہو؟۔ میں رات کو پھر آؤں گا! مس جبار کے سلسلے میں بہت سخت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ آپ سب کے ساتھ یہ میرا پہلا آپریشن ہے۔ خیال رہے کہ آپ کو اور مجھے ہر حال میں کامیاب رہنا ہے!" اس نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور آگے بڑھتا چلا گیا!۔ شہیر اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا!۔ وہ اس کا چیف تھا! لیکن شہیر اس کے مساویانہ سلوک کا پرستار تھا! کبھی ایمن نے اس پر اپنی برتری نہیں جتائی!۔ کبھی یہ واضح نہیں کیا کہ وہ اس کا اور اس کے ہمعصروں کا چیف تھا!۔ یہ تادیب نہ رعونت۔ ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ برابری کی سطح پر گفتگو کرتا۔ دلنشین انداز میں مشورے دیتا نہ صرف شہیر بلکہ تقریباً سارا عملہ ایمن کے حسن سلوک کا گرویدہ تھا!۔

پھر ایمن نگاہوں سے اوجھل ہوا اور شہیر اس کی ہدایت کے مطابق شام کے دار ڈ کی طرف بڑھ گیا۔ ایمن ڈھائی بجے گھر پہونچا۔ دروازے ہی پر سے نالہ و بکا کی دلخراش صدائیں سنائی دیں آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا! غضنفر اور سہیل باہر ہی تھے! ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اور چہرے اداس۔ غفار صاحب مرزا صاحب کو سنبھالے ہوئے تھے! مشکور باری سے لپٹا ہوا زار و قطار رو رہا تھا! ۔ اندر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں!۔

"خدا کی پناہ ... " ایمن نے زیر لب کہا۔ "یہ دن تو آنا ہی تھا! ... مگر غم نصیب لڑکیاں۔! " اسے اندر جانے کا موقعہ نہ ملا۔ جاتا بھی کیسے، وہاں ہجوم اکٹھا تھا! ۔ وہ چپ چاپ مرزا صاحب کے پاس کھڑا ہو گیا! ۔ بے چارے ضعیف انسان جو سوکھی سوکھی سسکیاں لے رہے تھے!۔ ایمن سے باری کا چہرہ دیکھا نہ گیا۔ کیا وہ حقیقتاً بدنصیب تھا؟ آج جس راز کا انکشاف ایمن پر ہوا تھا! وہ اسے ایک حادثہ سمجھ رہا تھا۔

اندر اور باہر جنازے کی تیاریاں ہوتی رہیں!۔ وہ لڑکیوں سے کسی صورت نہ مل سکا۔ لگ بھگ عشا کی نماز کے وقت جنازہ اٹھا۔ سب کے ساتھ ہی وہ بھی باہر ہی سے چلا گیا!۔

گریہ و فغاں کی لرزہ خیز آوازیں دور تک جنازے کے پیچھے آتی رہیں!۔

دنیا کے کوئی کام چاہے اہم ہوں چاہے غیر اہم کسی کی موت سے نہیں رک سکتے مگر عطیہ بیگم کی ہنگامی موت سے جمشید منزل کے سارے کاروبار مفلوج و معطل ہو کر

رہ گئے!۔ ایک سکوت اور وحشت سب پر طاری تھی!۔ ثریاں کا جو حال تھا وہ تھا!۔ لیکن شمعی تو زندہ درگور تھی! ایک پوست استخواں رہ گئی تھی۔ جس میں صرف سانس ہی آرہی تھی اور بس۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ثریاں کو اس کی جان کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا!۔ اپنا صدمہ بھول گئی اور شمعی کی دلجوئی میں لگ گئی!۔ مرزا صاحب تو جیسے سکتے ہی میں رہ گئے تھے۔ ان کا اور عطیہ بیگم کا تقریباً چالیس بیالیس برس کا ساتھ تھا!۔ بچوں کے خیال سے وہ غم بھلانے کی کوشش کرتے!۔ ویسے حقیقت تو یہ تھی کہ شب و روز اٹھتے بیٹھتے وہ خدا سے دعا مانگتے کہ بس وہ انھیں بھی دنیا سے اٹھالے۔ پریشان مبہوت اور بدحواس ہو کر رہ گئے تھے!۔

ہفتہ بھر قیام کر کے سہیل چلے گئے۔ غضنفر کو بھی دوروں پر نکلنا پڑتا تھا!۔ جویریہ اور فرحانہ گھر کا سارا انتظام کرتیں۔ عزت بھی بہت خاموش ہو کر رہ گئی تھی!۔ اگر سچے دل سے کوئی عطیہ بیگم کا رونے والا تھا تو بیگم حسن تھیں!۔ رشتہ ایک دوسرے کی بھاوجوں کا۔ مگر آپس میں حقیقی بہنوں کی سی محبت تھی!۔ ان کے تو سارے آرزو لے کے قلعے ہی عطیہ بیگم کی وفات سے خاک میں مل گئے!۔ برسوں کی بیمار نظر آنے لگیں!۔ کہاں تو یہ ولولے اور سمجھے تھے کہ مہینہ بھر بعد دو شادیاں ہونے والی تھیں کہاں تو ثریاں و شمعی کی جانوں ہی کے لالے پڑ گئے!۔ جہاں بیٹھتیں اور مرنے والی کا خیال آتا بس ان کا آنچل آنکھوں پر پہونچ جاتا!۔ دنیا کی تمام دلچسپیوں سے ان کا دل سرد ہو کر رہ گیا تھا!۔

غفار صاحب سب کے تنہا غمگسار رہتے! کبھی لڑکیوں کو سمجھاتے کبھی لڑکوں کو اور کبھی اپنے برابر والوں کو آخر کب تک!۔ صدمہ و صبر لازم ملزوم ہیں!۔ پہلے مرزا صاحب اور منگور وغیرہ نے برداشت کی عادت ڈالی۔ پھر جویریہ کے اپنے گھر جانے کے بعد فرحانہ اور عزت نے گھر کے کاروبار میں دلچسپی لینا شروع کی!

مشکور بڑا گم صم رہنے لگا تھا۔ پھر وہ کالج جانے لگا اور اس کا غم بھی بہل گیا۔
مگر ایمن اور باری ایسے مخلص اور جاں نثار ثابت ہوئے کہ گھر کی از سر نو رونق واپس
لانے اور گھر والوں کا غم بٹانے میں جانیں لڑادیں۔ نہ تو کسی کو نصیحت کی نہ صبر کی
تلقین۔ مگر ایسے صبر و شکر اور ہمت سے دکھ والوں کا دکھ بانٹا کہ زبان حال
سے ہر طرح ان سب کے غمخوار ہونے کا یقین دلایا۔ ایمن نے باری سے کبھی نہیں
کہا تھا کہ شمعی کی زبانی اس نے کیا کیا سن رکھا تھا۔ البتہ باری اس سے ہمیشہ بچتی
رہتا، وہ شمعی کی ذکر کرے۔ ایمن کو اس کے قرب سے ڈر لگنے لگا تھا۔ پتہ
نہیں۔ وہ کیا کہے کیا سوچے؟۔ وہ زیادہ تر باہر ہی رہتا۔ اور کبھی کبھار اسپتال
سے زر نگاری چلا جاتا۔

مشام کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد اس کی پٹیاں کھولی گئیں
زخم مندمل ہو گئے تھے۔ ایمن نے دوبارہ اس کا ایکسرے لیا۔ اور کرنل جبار کو
مژدہ سنایا کہ کینسر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ تقریباً چار برس بعد مشام اپنے
بستر پر اٹھ کر بیٹھ سکی۔ اسے ایمن کے یہاں ہونے والے حادثے کا علم تھا۔ اس
کی مسرتوں پر اوس پڑی ہوئی تھی۔ فریال کا خیال اسے مسکرانے سے بھی باز رکھتا تھا مگر
مدتوں بعد بستر پر بیٹھ کر وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا۔ اسے
شادی مرگ ہو جائے گی۔ کرنل صاحب بھی موجود تھے۔ ایمن کے ہاتھ چوم لیے۔ اور
فرط مسرت سے ان کے آنسو جاری ہو گئے۔

ایمن کو کوئی خوشی نہ تھی۔ وہ تو نہ جانے کیا کیا چاہتا تھا۔ عطیہ بیگم کی موت نے
فریال کو اس سے بڑی دور کر دیا تھا۔ جویریہ نے کہا تھا کہ تقریباً سال بھر تک وہ
اس قسم کی تیاریاں نہیں کر سکتیں۔ عطیہ بیگم کی وصیت تھی کہ دونوں لڑکیاں ایک
ساتھ دلہن بن کر گھر سے رخصت ہوں۔ جب فریال کی شادی کی بات دور جا پڑی

تو شمی کی شادی بھی خود بخود سال بھر کے لئے ٹل گئی! ۔ ہاری تو جگر تھام کر رہ ہی گیا تھا۔ لیکن ایمن کی ناامیدی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا! ۔ زندگی اس کی صرف بندھے ٹکے اصولوں پر گزر رہی تھی ۔ بیمار دل اور ان کی آہوں کراہوں کے درمیان صبح سے شام ہو جاتی! ۔ اور بس ۔ وہ تو خود کو بھی ذہنی بیمار سمجھنے لگا تھا! ۔ بیگم حسن کا غم اس کے لئے روح فرسا تھا! ۔ ہر قسم کی تسلی دی ۔ دلاسے دیے ۔ مگر وہ تو ان کا نام ہی سن کر رونے لگتیں! ۔ ایمن کا قلب مجروح، ارزوئیں سوختہ اور زندگی تباہ تھی! ۔

شام کی صحت و زندگی اسے کوئی خوشی نہ دے سکی! بلکہ ایک نئے اندیشے نے سر اٹھایا! ۔ وہ اب شادی کی امید کرے گی! ۔ کرنل جبار سے اس کا ماز، راز نہ رہ سکا! ۔ ایمن کے اقدام پر وہ تو انگشت بدنداں رہ گئے تھے! ۔ ان کے لئے یہی چیز معجزہ تھی کہ ناقابل علاج مرض دور ہوا ۔ یہ واقعہ بھی کرامت سے کم نہ تھا کہ بستر مرگ پر پڑی زندگی کی آخری سانسیں لیتی ہوئی بیٹی صحت مند ہو جائے اور اس کی پھر سے منگنی اور شادی بھی ہو! ۔ انھوں نے منگنی کا اعلان بھی کرنا چاہا تھا! ۔ لیکن ایمن کا یہاں ہونے والے حادثے کا خیال کر کے شام نے انھیں منع کر دیا یوں بھی بیٹی کی مرضی ہر معاملہ میں مقدم سمجھتے تھے! ۔ ویسے اپنا وعدہ پورا کر دیا! ۔ ایک شام جب ایمن ان سے مل کر واپس ہو رہا تھا! ۔ اپنی کوٹھی کا قبالہ اور نقد ڈھائی لاکھ کے چیک اس کے حوالے کئے! ۔

"میں تمھیں اپنا بیٹا کہہ چکا ہوں! ۔ ایمن! ۔" انھوں نے بے اختیار ہو کر ایمن کو اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا ۔ "جو کچھ تمھیں دے رہا ہوں! وہ ایک ڈاکٹر کا معاوضہ سمجھ کر ہرگز نہیں دے رہا! ۔ مجھے یہ بھی خیال نہیں ہے کہ خود فراموشی کے عالم میں ایک مرتبہ اس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا! ۔ میری خوشی ہے ۔ میرے

بیٹے! یہ تو تمھیں رکھنا ہی پڑے گا!۔ ایک باپ کا دل تم نہیں توڑ دو گے!۔"

"لیکن۔!" ایمن نے کشمکش کے عالم میں کہا۔" میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔!
کرنل صاحب!.... آپ کا گرانقدر عطیہ قبول کرنے میں مجھے کوئی عذر نہیں! آپ نے
مجھے اپنا بیٹا کہا ہے!۔ مجھے خاص کر کوئی چیز اب دینے کی بالکل ضرورت نہیں!
جو کچھ مجھ خادم کا ہے وہ آپ کا ہے اور جو کچھ آپ کا ہے وہ مجھ خاکسار کا بھی ہے
یہ تکلف نہ کیجئے!۔ مجھے شرم آتی ہے!۔ میرے بزرگ!۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں
جب کبھی مجھے ضرورت ہوگی!۔ آپ سے مانگ لوں گا!۔"

"یوں کہو کہ تم لینا پسند نہیں کرتے!" کرنل صاحب آزردہ خاطر ہو کر بولے!۔

"جی نہیں!۔" ایمن نے بڑی لجاجت سے کہا۔" آپ یوں سمجھئے کہ میں نے سب
کچھ لے کر آپ کے پاس امانتاً رکھوا دیا۔ جب چاہوں گا۔ آپ سے لے
لوں گا!۔"

"ایک شرط پر۔!" وہ ہنسے۔

"فرمایئے!۔" ایمن اوپری دل سے مسکرایا۔ اسے یہ لین دین سخت ناگوار گزر
رہا تھا!۔ "تم اپنا ذاتی اسپتال تعمیر کروانا چاہتے تھے!" کرنل صاحب نے کہا۔"
وعدہ کرو کہ اس کے جتنے بھی مصارف ہوں گے!۔ وہ بالکلیہ طور پہ میرے ذمہ رہیں
گے!!۔ بخدا۔ میری دل شکنی ہوگی اگر تم نے انکار کر دیا۔"

طوعاً وکرہاً ایمن نے ان کی بات مانی!۔ وہ ان کا کسی قسم کا احسان لینا نہیں
چاہتا تھا!۔ نہ اب کسی قسم کے مراسم اسے شام سے رکھنے پسند تھے!۔ ویسے
وہ اپنی بات نبھاتا رہا!۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ جہاں سے اس کا کینسر نکالا گیا
ہے!۔ بہت کم عرصہ میں ٹھیک اسی مقام پہ پھر پیدا ہو جائے گا۔ جس کا کوئی علاج
کبھی ممکن نہیں ہو سکے گا!۔ وہ تو عارضی جذبہ اور جوش تھا! جس نے ایمن کو شام

کی مختصر سی صحت مند زندگی دینے پر اکسایا تھا!۔ شام کے لئے زندگی جنت بدوش تھی!۔ کیا کیا منصوبے اس نے سوچ رکھے تھے!۔ اور بے چینی سے منتظر تھی کہ کب یہاں سے اپنے گھر جائے اور کب ایک بہت بڑا جشن منائے۔

ایمن نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ ممی اماں کی وجہ سے خودبخود شام سے اس کا ملنا جلنا بند ہو گیا وہ تو اب خود بھی گھبرا رہا تھا!۔ مگر کوئی مداوا اپنی حماقت کا اس کے پاس نہ تھا!۔

عموماً روز ہی کے وقت سہ پہر ڈھلنے کے بعد وہ اپنے چیمبر سے باہر نکلا!۔ کرنل صاحب جا چکے تھے!۔ اس کے اسسٹنٹ نے شام کی طلبی کا پیغام سنایا تھا!۔ لیکن وہ سنی ان سنی ٹال کر چلا گیا!۔

جمشید منزل میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شجر و حجر در و دیوار سب کچھ اداسی اور سوگواری میں مدغم!۔ وہ بڑا اکھڑا اور سہمی سا برآمدے میں جا کر کھڑا ہوا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا! لیکن اسے کوئی چیز اچھی نہ لگی!۔ نہ تو باغ کی سرسبزی نہ چڑیوں کی چہکار، نہ فوارے کی مدھر آواز۔ ادھر ادھر دیکھ کر اس نے سگریٹ جیب سے نکالا اور لبوں میں دبا لیا!۔ پھر اسے سلگانے جا رہا تھا کہ کیا ڈنڈ سے فریال کی سہیلیاں آتی ہوئی نظر آئیں!۔ وہ ان سب سے متعارف تھا!۔ لیکن اس وقت انجان ہی بنے رہنا مناسب خیال کیا اور سائے کی مانند دیوار کی آڑ میں سرک گیا!۔ وہ ہمیشہ بڑی شوخ و شریر ہوا کرتی تھیں! مگر اب چپ چاپ اندر بڑھ گئیں!۔

غفار صاحب، مرزا صاحب کو لے کر کہیں چلے گئے تھے!۔ گھر پر نہ باری تھا نہ مشکور۔ عزت نے چائے بھجوا دی۔ کچھ دیر وہ اس کے بچوں سے باتیں کرتا رہا!۔ پھر ادھر فرحانہ آ گئی!۔ اور اس نے باتوں میں لگا لیا۔

"ایمن بھائی۔ یہ سب کچھ اسی نابنجار کی وجہ سے ہوا۔ وہ تو جلتا تھا آپ سے!۔"

"لیکن میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا!۔" میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ مشرف کی طرف تھا!۔

"آپ نے ان کے حق پر ڈاکہ ڈالا تھا!۔ بس اس کے پیروں تلے کوئلے سلگ گئے!۔"

"کیا مطلب۔؟!۔" ایمن متحیرانہ نظروں سے فرحانہ کو دیکھنے لگا!۔

"وہ سمجھتے تھے کہ فریال ان کی تھی۔ شروع سے کچھ خیال بھی ایسا ہی تھا! لیکن آپ سے منگنی ہو گئی اور مشرف صاحب جل جل مرے۔ اسی وجہ سے چاہتے تھے کہ ممی کی شادی بھی باری بھائی سے نہ ہو!۔ مگر وہ تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو گیا!۔ اور مفت میں ایک قیمتی جان گئی!۔"

"مجھ سے کسی نے نہیں کہا۔ ورنہ میں یہ اقدام ہرگز نہ کرتا!۔ اور امی کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتا!۔" ایمن پر اس انکشاف کا عجیب اثر ہوا۔" مجھے تو اب یہ بھی خیال ہو رہا ہے کہ شاید فریال انہی کو مجھ پر ترجیح دیتی ہوں! یہ تو زبردستی کا سودا ہوا!۔"

"بالکل نہیں!۔ امی اور ابا جان سب یہی چاہتے تھے کہ کوئی اچھا لڑکا ملے تو فریال کا جلد تر رشتہ طے کر دیں۔ خدا کا شکر کہ آپ آ گئے!۔ اگر نہ بھی آتے تو مشرف سے تو ہرگز فریال کی شادی نہ ہوتی!۔"

"لیکن۔ فرحانہ۔ ان سے پوچھنے میں کیا حرج ہے؟۔"

"لاکھ بار پوچھ لیجئے جواب اس کا بھی یہی ہوگا جو میں نے دیا ہے۔ مگر میں خواہ مخواہ چغل خور کہلاؤں گی!۔"

پھر فرحانہ تو اٹھ کر چلی دی اور ایمن کو نئی خلش میں مبتلا کر گئی! ۔ وہ دیر تک ٹہلتا اور سوچتا رہا؟ ۔ اب اسے کیا کرنا چاہیئے ۔ سب سے زیادہ آسان حل یہی تھا کہ پھر لندن چلا جائے! ۔ پھر وہ سکون اور تنہائی کی تلاش میں باغ میں چلا گیا خنکی زیادہ ہو چلی تھی لیکن اسے اس کا کبھی خیال نہ تھا! ۔ اناروں کے جھنڈ کے پاس پتھر کی سرد بنچ پر بیٹھ کر طائر خیال کو آزاد کر دیا! ۔ اسے وہاں آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس نے محسوس کیا! ۔ وہاں کوئی اور بھی ہے! ۔ نیم روشن جھاڑیوں سے نگاہیں دوڑائیں اور جلد ہی شمی تک جا پہونچا! ۔

کراٹا کی سخت اور ترشی ہوئی باڑھ سے ٹیک لگائے شمی بیٹھی تھی! ۔ ماحول اور موسم سے بے پرواہ ۔ جیسے جسم یہاں ہو اور روح کہیں اور ۔!

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پاس جا بیٹھا! شمی نے آنکھیں کھولیں! اور چپکے سے سیدھی ہو بیٹھی ۔ تمھیں یہاں سردی نہیں لگتی! ۔ اٹھو اندر جاؤ!" ایمن نے سیدھے سادے لہجے میں کہا! ۔

"پھر کوئی آسان طریقہ جلد مر جانے کا بتا دیجئے!" شمی نے تلخ لہجے میں کہا ۔

"اتنی بیزار ہو گئی ہو سب سے!" ایمن نے کہا! ۔

"اپنے آپ سے ۔ اور اس نامراد زندگی سے ۔ ڈاکٹر! ۔ شمی کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا! ۔" آپ نے ہزاروں کو زندگی بخشی! ۔ کیا کسی ایک کو موت بھی نہیں بخش سکتے!"

"میں زندگی کا نقیب ہوں ۔ شمی ۔ موت کا نہیں! ۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں مانگنے والوں کو صحت دیتا ہوں ۔ موت نہیں! ۔ زندگی دینا خدا کا کام ہے! ۔

میری زندگی ۔ موت سے بدتر ہے! ۔ ڈاکٹر!" شمی کا لہجہ ٹوٹنے لگا! "آپ نہیں جانتے، جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے! ۔ کتنے دکھوں کو گلے لگائے

میں جی رہی ہوں!۔ غم۔ غم۔ غم۔۔۔۔ بس اور اس کے سوا کچھ بھی میں نے اپنی تقدیر سے اور دینے والے سے نہیں پایا!۔"

"دینے والا اسی کو دیتا ہے۔ جسے مانگنے کا طریقہ آتا ہے!۔"

"کیسے مانگوں۔ کس سے مانگوں!۔" اب وہ رو رہی تھی!۔" میں نے کب دعا نہیں مانگی!۔ میرا دامن نہ جلے اور دل کی آگ بجھ جائے۔ مگر میں خود جل گئی!۔ آگ اور بھڑک اٹھی!۔"

"شمی!۔ انسان کی اپنی زندگی خود انسان سے قربانی مانگتی ہے!۔" ایمن نے رخ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔" میں تمہارے سارے احساسات سے باخبر ہوں!۔ اپنے راز کی تم آپ تشہیر بن گئی تھیں!۔ میں نے ہمیشہ یہی چاہا کہ نہ شعلے بھڑکیں نہ دامن جلیں!۔ لیکن انسان کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ شمی! پہلے پہل جب میں نے تمہیں دیکھا!۔ تمہاری بے مثال دلکشی۔ تمہارا حسن، اور تمہاری بے زبان محبت نے مجھے خرید لیا!۔۔۔۔ میں سب کچھ جانتا تھا! یہ کیسے ہو سکتا ہے!۔ کہیں آتشکدۂ محبت بھڑکے اور دور تک تپش نہ پہونچے!۔۔۔۔ لیکن میں نے سوچا۔ انسان اکیلا نہیں۔ وہ ہزار طرح کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے!۔ کہیں ماں باپ کی اطاعت کا فرض!۔ کہیں بھائی بہنوں کے حق کا سوال۔ کہیں معاشرہ میں سرخرو ہونے کا خیال۔ اور کہیں صرف اپنی محبت اور غرض کا واسطہ!۔۔۔۔ شمی!۔!۔ قربانی وہ قابل قبول ہے جو ہم اوروں کے لئے کرتے ہیں۔ ایثار وہ ہے۔ جو اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے کیا جائے! کتنی بڑی محرومی اور مجبوری ہے کہ مجھے میری پسندیدہ چیز عمر بھر نہ ملے وہ دوسروں کو عطا کی جائے اور مجھ سے میرے رونے اور آنسو بہانے کا حق بھی چھین لیا جائے! لیکن کیسی حسین اور دلکش وہ زندگی ہوتی ہے

جب ہم اپنی ذات کی قربانی دے کر دوسرے کی خوشی اور دوسرے کی زندگی کو رعنائی عطا کرنے کے لیے جیتے ہیں!۔ یہ تو اپنا اپنا ظرف ہے۔ کوئی دے کر خوش ہوتا ہے۔ کوئی لے کر۔ مگر کچھ لینے سے بہتر کچھ دینا ہے!۔ تمھیں کیا خبر کیسے کس کی ضرورت ہے!۔ شمعی!۔ رونا اور موت کی دعائیں مانگنا بزدلوں کا کام ہے!۔ زندگی گزارنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ اور پھر ایسی زندگی۔ جو صحیح معنوں میں زندگی نہ ہو!۔ موت کو زندگی کہہ کر گوارا کرنا کتنے ظرف کا کام ہے!۔"

شمعی نے آنچل آنکھوں پر رکھ لیا۔

"ہاں!۔ میں سوچتی ہوں!۔ ایک دل جلا کر، ایک ہستی کو تباہ کر کے کسی کا گلستان آرزو اجاڑ کر میں کبھی اچھی نہیں رہوں گی! وہ تو میری نرال ہے، جو میرے ساتھ ہنستی ہے اور میرے ساتھ روتی ہے!۔ اسی کی خاطر تو میں نے جانتے بوجھتے گھر کی بربادی دیکھی۔ بھیا کی مار کھائی!۔ مگر وہ نہیں چاہا۔ جو بھیا چاہتے تھے!۔"

"بھیا کی مار کھائی؟" ایمن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں!۔ "مشرف صاحب نے تمھیں مارا بھی تھا۔"

شمعی نے سر جھکا لیا!۔ "بھیا کا تھپڑ مجھے بستر مرگ پر بھی نہیں بھولے گا!۔ وہ بڑے غضب ناک ہو گئے تھے!۔ مگر آپ کو میں نے اپنانے کی خاطر نرال کی قربانی نہیں دی۔ وہ تو مر جاتی مگر بھیا سے شادی کرنے پر کبھی راضی نہ ہوتی میرے انکار نے بھیا کو آپے سے باہر کر دیا۔ اس دن مجھے تھپڑ مارا۔ جس دن آپ کی منگنی تھی!۔"

"تم نے کسی سے کہا نہیں؟" ایمن کو اس واقعہ سے بڑا صدمہ ہوا۔

"آپ بھی کسی سے نہ کہیئے گا!۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر حسرت سے مسکرائی!۔

"ثریا سے بھی نہیں!۔"

شمعی کا چہرہ زرد تھا!۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے۔ ہونٹ پژمردہ ایمن نے سوچا۔ اسی نرم و نازک رخسار پر ظالم ہاتھ اپنی پوری طاقت سے پڑا ہو گا!۔ وہ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے انگلیوں کے نشان ڈھونڈ رہا ہو۔ اس کا تبسم کراہ میں بدل گیا!۔

"کسی کے ظلم و زیادتی کا بدلہ اپنے آپ سے نہ لو۔ شمعی!۔" ایمن نے بڑے دل نشین اور جانسوز لہجے میں سمجھایا! تمھاری زندگی مسرتوں سے ہمکنار ہوگی!۔ باری میرے بچپن کا دوست ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے!۔ روحانی اور مادی خوشیاں تمھارے قدم چومیں گی! وہ بہت خوش نصیب ہے۔ حکومت کا نظم و نسق اس کے ہاتھوں میں ہوگا۔ وہ ایڈمنسٹریٹر ہو جائے گا!۔ میری دلی دعائیں اس کے اور تمھارے ساتھ ہیں!۔ شمعی۔ دل پر کوئی بوجھ نہ رکھو!۔ خدا سے جیسا گمان کروگی۔ وہ ویسا ہی معاملہ تم سے کرے گا!۔ آنسوؤں کی تلاش میں رہو گی۔ ہمیشہ بلکیں نم رہیں گی!۔ مسکراہٹ ڈھونڈو گی!۔ تبسم خود بخود تمھارے لبوں پر آ جائے گا!۔ یہ مت سمجھنا کہ میں صرف نصیحتوں کا انبار تمھارے سامنے لگا رہا ہوں!۔ نہیں شمعی!۔ میں تمھارا سب سے بڑا دوست ہوں!۔ جب تک میرے سینے میں آخری سانس باقی رہے گی! میں تمھارا اپنا رہوں گا!۔"

"اچھا؟" وہ بڑی معصومیت سے ہنسنے لگی!۔

"شمعی!۔ میں تم سے اعتراف کرلوں کہ۔ جب میں نے پہلے پہل تمھیں دیکھا ہے تو تمھاری محبت میری نیندیں اڑانے لگی تھی! میں نے امی سے کہا بھی تھا کہ شمعی کو میں مانگ لوں گی مگر امی نے کہا کہ تم باری کی ہو۔ اور میری محبت میرے دل ہی میں دفن ہو کر رہ گئی! شمعی۔ تم نہیں جانتیں۔ مجھے باری سے اتنی ہی محبت ہے

جتنی تمھیں زیال سے ہے۔ تم اس کی خاطر آرزوؤں سے دست بردار ہو سکتی ہو تو میں بھی باری کی خاطر ہر ممکن ایثار کر سکتا ہوں! میری تم سے التجا ہے شمی!۔ یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کے لئے کیا جذبات رکھتے ہیں کسی کو معلوم نہ ہو۔ زندگی کی آخری سانسوں تک ہم ایک دوسرے کے دوست رہیں گے اور بس!۔"

شمی کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ چھلک اٹھی۔ ویسے بھی دل کے طوفان کو کسی نے کب دیکھا ہے۔ ایمن نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بنڑے پرے اٹھا دیا خنکی ناگوار ہونے لگی تھی! جب وہ ڈھلوان سے آرہے تھے!۔ انھیں زیال اور اس کی سہیلیاں ملیں۔ نہ کوئی شگفتگی ان میں تھی نہ شوخی! بڑی سنجیدگی سے ملیں!۔ زیال اب بھی خاموش اور پریشان لگ رہی تھی!۔

"آپ لوگ کہیں سے واپس آرہے ہیں؟" شبنم نے پوچھا۔!

"نہیں تو!" شمی بولی۔ "ایسے ہی باغ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے!۔ کہیں جی نہیں لگتا!۔ موسم بھی بڑا خراب لگتا ہے!۔"

"میری ایک عرض ہے کہ اگر آپ سب پسند کریں تو میرے نئے گھر پر چلیں! زیال بھی متمنی تھی۔" ایمن نے کہا۔ ان سب نے اسکی تائید کی!۔ اور عزت سے یہ کہہ کر کہ کھانے کے وقت تک پھر واپس آجائیں گے!۔ ایمن ان سب کو لے کر نزنگار چلا گیا۔!

کوٹھی بڑی خوبصورت تھی اور سجائی بھی گئی تھی بہت نفاست اور مہارت سے! یہاں پہونچ کر گویا ماحول ہی بدل گیا۔ بہت دنوں بعد ان کے چہروں پر مسکراہٹیں چاندنی بن کر بکھریں!۔ آنکھوں کا چمک عود کر آئی ایمن نے ان سب کو اپنے گھر کی سیر کرائی!۔ اوپری منزل سے دور کا نظارہ بیحد دلفریب اور حسین تھا!۔ وہ انھیں باغ میں لے گیا!۔ اور پھر ملازموں نے اطلاع دی۔ ڈائننگ ہال

میں کھانا لگ گیا ہے!۔

"یہ آپ نے کیا تکلیف کی؟" فریال بولی۔ "گھر پر عزت آپا انتظار کرتی ہوں گی!"

"یہ بات تو ہمیں کہنی تھی!" شفاعت نے کہا۔ "تم تو خود بھی میزبان ہو!"

"بھلا میں کیسے میزبان ہو گئی؟" فریال نے پلکیں جھپکائیں!

"ڈاکٹر صاحب کو اور تم کو ہم الگ الگ کب سمجھتے ہیں؟" رضیہ نے کہا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں!" ایمن مسکرایا۔ "بہرحال تکلیف نہ کیجئے۔ تشریف لائیے!"

وہ سب سچ مچ محجوب تھیں! لیکن ایمن کے اصرار پر مجبور ہو گئیں! ایمن انھیں لے کر طعام خانے میں پہونچا اور ملازموں نے بڑی جلدی سب انتظام کیا تھا! لیکن بہت اچھا کیا تھا! بڑے خوشگوار ماحول میں کھانا ختم ہوا۔ اور تقریباً نو بجے رات کو وہ اپنے اپنے گھر واپس ہوئے!

فریال بھی بہت کچھ بہل گئی تھی! اور رشمی نے تو اپنے دل کا سارا لاوا ایمن کے سامنے نکال کر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنا شروع کر دیا تھا! وہ طوفان جو تہہ در تہہ برپا تھا! خود بخود ساکن ہو گیا۔ توکل اور قناعت بھی عجیب چیز ہے!

باری اپنے ساتھ شکور کو لے کر شام سے ملنے گیا تھا! واپسی پر اسے مشرف ملا! اور اسے دیکھ کر باری کو بھی ٹھہرنا پڑا۔ اور رسمی علیک سلیک کے بعد مشرف نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

"خالو ابا تو شاید مجھ سے ملنا اور بات کرنا بھی پسند نہ کریں! ورنہ خالہ بی کا!"

ابا جان آج کل کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ تنہائی انھیں اچھی لگتی ہے!" شکور بولا۔

"تم تو جہاں ہو۔ بخیریت ہو؟" باری نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس گاڑی چل رہی ہے۔ کسی نہ کسی طرح۔" مشرف نے کہا۔ "مشکور! کیا میں شمی سے بھی نہیں مل سکتا ہوں؟"

"دیکھئے! میں پوچھتا ہوں!" مشکور یہ کہہ کر اندر چلا گیا! باری اور وہ کھڑے باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ایمن دکھائی دیا! گرم اسٹر پہنے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا! اسے باری نے آواز دی اور وہیں سے پکار کر کہا۔

"کرنل صاحب کی صاحبزادی نے تمھیں یاد کیا تھا! آنندی! آج شام وہ گھر چلی گئیں! میں اور مشکور ملنے گئے تھے! کرنل صاحب بھی کئی بار تمھیں پوچھ چکے ہیں! کب سے نہیں گئے تم؟"

"عجیب اتفاق ہے! میں یہی سوچ رہا تھا!" ایمن نے کہا "خیر۔ میں جاتا ہوں!" وہ باہر سے ہی مڑ کر نکلا چلا گیا! باری نے مشرف سے اجازت چاہی! اور شمی سے ملے بغیر مشرف بھی چلا گیا! اس کے ذہن میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں! "کرنل صاحب کی صاحبزادی! اگر کوئی بات، ایمن پر حرف گیری کی مل جائے۔ تب!" اس کی موٹر سائیکل ایمن کی کار کے پیچھے تھی! اور اس وقت بھی وہ اس کے پیچھے ہی لگا رہا تھا۔ جب بارہ بجے رات کو ایمن گھر واپس آیا!!

ہفتہ بھر بعد کرنل صاحب نے بہت بڑا جشن منایا! جس دن شام اپنے پیروں سے چلنے کے قابل ہوئی! بیدریغ روپیہ بہایا گیا! کرنل صاحب نے سول اسپتال کے تمام اسٹاف کو مع نرسوں کے مدعو کیا تھا! ایمن اس دن چھوٹی موٹی ریاست کا بادشاہ لگ رہا تھا! اس تمام چلتی پھرتی مسرت کا اصلی سرچشمہ تو وہی تھا! جشن کیا تھا۔ جیسے آدم و حوا کو از سر نو بہشت ملی تھی! شور و غل

شادیانے قہقہے اور انبساط! زندگی رواں دواں تھی! کرنل صاحب کی مسرتوں کی انتہا نہ تھی!۔ اور شام کو اپنی خوشیوں کا اظہار کرنا بھی ناممکن لگ رہا تھا!۔

وہ مخمور و مسرور نظروں سے ایمن کو دیکھتی ہوئی فریال سے بولی!۔

"میرا دل چاہتا ہے۔ ان جاں بخش ہاتھوں پر اپنی زندگی قربان کردوں!"

اس نے اپنا دل تھام لیا۔ "آہ۔ فریال۔ وہ میرے آقا۔ میرے دیوتا۔ میرے مالک ہیں! کبھی میں نے اپنی زندگی میں مسرت کی اتنی فراوانی نہیں دیکھی تھی! اللہ اللہ میں کتنی خوش ہوں!۔ مجھے خود میری نظر لگ جاتی ہے!"

فریال دیکھ رہی تھی۔ شام احساسات کے بھنور میں گھری ازخود رفتہ ہو رہی تھی وہ ایمن کی محبت کے گیت گاتی رہی۔ مہمان جام صحت پی رہے تھے!۔ روشنی محبت اور خوشبو۔ زندگی عروج پر تھی!۔ اور ایمن ڈاکٹروں کے نرغے میں کھڑا شام اور فریال کو ایک جگہ دیکھ رہا تھا!۔ اور سوچ رہا تھا!۔ زندگی اور محبت۔ دونوں کی، نظر فریب اور دلکش ہے۔ لیکن ایک کی مصنوعی اور مختصر۔ دوسرے کی حقیقی اور طویل۔ پھر شام کو کچھ کہنے کا موقعہ دیے بغیر وہ مہمانوں میں گھل مل گیا!۔

شام، فریال، شمی اور باری وغیرہ کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی! مہمان اسے نئی حیات کی مبارکباد دیتے دیتے تھک گئے تھے۔ بے شمار تحفے اسے ملے تھے!۔ ان گنت پھولوں کے ہاروں سے اسے ڈھانک دیا گیا تھا! یہ لوگ بھی اس کے لیے بڑے قیمتی تحفے لے گئے تھے! جب فریال اسے اپنا تحفہ دینے لگی۔ اسکی نظریں اس پر یوں پڑی تھیں۔ جیسے فریال کو کسی بات میں خود سے محروم کھٹی رہی ہو!۔

سب کے جانے کے بعد مجبوراً ایمن اس سے رخصت ہونے آیا۔ اور آہستہ آہستہ قدم رکھتی وہ اس کے پاس آئی اور وفور جذبات سے بےخود کچھ سوچے سمجھے بغیر ایمن کے سینے سے لپٹ گئی!۔ آہوں کے دھوئیں اور آنسوؤں کے ہجوم میں گھری ہوئی

وہ کچھ عجیب سی ہو رہی تھی!۔ ایمن لڑکھڑا گیا! اس کا دل دھڑکنے لگا اور زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی!۔

"مس جبار۔ دیکھیے!" وہ ہکلایا اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا!۔

آفندی۔ آہ۔ میں تمھیں اپنی آنکھوں میں رکھ لوں۔ دل میں سمو لوں۔ تم نے مجھے نئی زندگی دی۔ چلنے پھرنے کی مسرت بخشی! مجھے محبت عطا کی ہے۔ ایمن... میں تو مر جاؤں گی۔! تمھارے قدموں پر میرے آقا! میں کیا کروں تمھارے لئے!۔ ہائے!۔ مجھے پروردگار اپنی دنیا بخش دیتا۔ اور وہ میں تم پر سے نثار کر دیتی۔"

پھر وہ چپکے چپکے سے رونے لگی۔ ایمن نے آہستہ سے اسے اپنے سینے سے الگ کیا اور ہنستے ہوئے صوفہ پر بٹھا دیا۔ "یہ تو میرا بہت چھوٹا سا کام تھا مس جبار جسے آپ نے اتنی اہمیت دیدی!۔ بس اب میری خواہش یہی ہے کہ آپ زیادہ تر خوش رہا کیجئے!۔ ویسے میری سمجھ میں نہیں آتا! میں آپ کو کیا نذرانہ پیش کر دوں!۔ یہ تو میں بھول ہی گیا!۔"

"آپ کی محبت میرے لئے سب سے بڑا اور سب سے حسین تحفہ ہے!۔"

مشام آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔

اور پھر دوسرے دن وہ سب دھک سے رہ گئے!۔

ڈاکٹر ایمن کے ہاتھ سے صبح کا اخبار چھوٹ پڑا۔ جس میں مس مشام جبار کی

خودکشی والی خبر نمایاں سرخی کے ساتھ درج تھی۔

"یہ کیا ہوا؟۔ ایمن!" باری کے ہاتھ سے پیپر گر گیا!۔

ایمن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا!۔ اور باری بدحواسی کے عالم میں مختصر سی تفصیل پڑھ رہا تھا!۔

آدھی رات کے وقت کرنل مسٹر جبار نے اپنی صاحبزادی کے کمرے سے آتی ہوئی غیر معمولی آوازیں سنیں!۔ وہ ننگے پیر دوڑے گئے!۔ مس شام جبار سکرات کے عالم میں ہاتھ پیر پھینک رہی تھیں اور سرہانے خواب آور پلز کی شیشی بالکل خالی پڑی ہوئی تھی!۔

مزید تفصیلات کا انتظار ہے!"

"تقریباً بارہ بجے تو ہم ہی واپس آئے تھے!" باری کہہ رہا تھا!" پھر یہ کیا واقعہ ہے؟۔ خدا کی پناہ۔!" وہ اٹھ کر کرنل جبار کو ٹیلی فون کرنے بھاگا!۔ واپسی پر اس کا منہ لٹکا ہوا تھا!۔ خبر کی تصدیق شام کی نرس مس روزانے کی تھی اور یہ بھی استدعا کی تھی کہ وہ اور آفندی صاحب جلد تر آئیں!۔

کسی سے کہے بغیر وہ دونوں فوراً بھاگے!۔ راستے بھر کسی نے ایک دوسرے سے بات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی!۔ ایمن گم صم تھا باری مبہوت!۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب کرنل صاحب کی کوٹھی پر پہونچ گئے وہاں تقریباً سارا اسٹاف اسپتال کا اکٹھا تھا!۔ ایمن کی حیثیت ان کے چیف کی تھی اور عبدالباری صاحب مس شام کے منہ بولے بھائی!۔ لہٰذا کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ انہیں روکتا!۔ سیدھے وہ دونوں اندر چلے گئے!۔

ایمن کا قلب الٹنے لگا!۔ رات کا جشن اس کی نظروں میں پھر گیا۔ چہچہے قہقہے شور و غل، اور اس وقت نالہ و فغاں، آہ و بکا۔ سب کے چہروں پر غم آلود

ایک ہی سوال تھا۔ یہ کیا ہوا۔ کیونکر ہوا۔ ؟!

کرنل صاحب کو دیکھنے کا کسی میں بوتہ نہ تھا!۔ ان کا چہرہ ضبط گریہ کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا! سر جھکائے ہوئے ایک صوفہ پر بیٹھے تھے!۔ ہشام کی لاش اندر کمرے میں تھی!۔ وہاں دو تین نرسیں تھیں مگر سناٹا طاری تھا! نہ آہٹ نہ آواز۔ وہ ہشام کے پائنتی چپ چاپ کھڑی تھیں!!۔

"آیئے۔ دیکھئے!" ڈاکٹر توفیق نے اشارے سے ایمن کو بلایا! وہ آگے بڑھ گیا!۔ اندر کمرے میں رات کا سازو سامان جوں کا توں تھا! بکھرے ہوئے پھول اڑتی ہوئی خوشبو۔ نرس نے ہشام کے چہرے پر سے شال ہٹائی! بے اختیار ایمن نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ برف ایسی پیشانی۔ نیلگوں لب۔ مگر وہ مسکرا رہی تھی! ہواؤں کے دوش پر اس کی آواز آئی!۔

تمھاری محبت میرا تحفہ ہے۔

میرے آفندی۔ میرے آقا۔ میرے مالک۔

تمھارے ہاتھوں پر میں اپنی زندگی نثار کر دوں گی!۔

آنکھیں بند کئے وہ ابدی خواب میں غافل تھی!۔ ایمن نے چپکے سے شال اس کے چہرے پر ڈال دی اور الگ ہٹ گیا! مونا اس کے پاس آئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔

"کرنل!۔ یہ دیکھئے!۔ بیگم صاحب نے ایک خط آپ کے نام چھوڑا ہے!۔ میں اسے کرنل صاحب کو دینے والی تھی مگر لفافہ پر آپکا نام دیکھ کر اپنے پاس رکھ لیا!"

ایمن نے لفافہ لیا اور ہال میں نکل گیا!۔ کرنل صاحب نے سر اٹھا کر ایمن کو دیکھا اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے: "آفندی۔ رُ: ٹھ گئی وہ تم سے بھی۔۔ پتہ نہیں کیوں خفا ہو گئی!۔ میری ہشام۔ میری مجبوب بچی۔ کیا وہ کہیں چلی گئی۔ میرے

بچے۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں۔ اسے جگاؤ۔ اس سے کہو۔ اپنے بوڑھے باپ کو یہ کیا انعام دیا۔ ایمن۔ وہ کہاں گئی۔ کہاں گئی۔ میری شام۔ میری بیٹی!" اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے!۔ ایمن کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے! باری رومال سے اپنی آنکھیں پونچھ رہا تھا!۔ ایمن کی طبیعت بگڑنے لگی!۔ شام کا نیلا چہرہ اسے گوشے گوشے سے دکھلائی دے رہا تھا!۔ در و دیوار سے اس کی.. آوازیں ٹکرا کر بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا! شام اس کے گلے میں بانہیں ڈالے اس کے سینے سے چمٹی ہوئی دھیمی دھیمی آوازمیں سرگوشیاں کر رہی ہو۔ میرے دیوتا۔ میرے آقا!!۔ نہ وہ کرنل صاحب کو سمجھا سکا نہ اس کے لبوں سے کوئی لفظ نکلا!۔ وہ ان کے پاس بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا!۔ پھر بڑی دیر گزر گئی!۔ صبح تیز ہوئی۔ دوپہر کا سوگوار وقت ان پر چھا گیا۔ پھر دوپہر ڈھل گئی اور سہ پہر کے قریب شام کا جنازہ اٹھایا گیا!۔

کرنل صاحب کے حواس ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے!۔ صبح سے اب تک وہ بچوں کی طرح روتے رہے تھے!۔ گہوارے سے وہ یوں چمٹ گئے جیسے بچہ ماں سے چمٹ جائے!۔ ڈاکٹر لال انھیں اپنے ساتھ لے گئے اور ایمن دباری جمشید منزل پہونچے!۔

"بیٹے!۔ کون گزر گیا!۔" بیگم حسن بڑی رقیق القلب ہو گئی تھیں!۔ "صبح سے اب تک کہاں رہے تھے؟" "پھوپھی جان!" باری نے کہا۔ "آپ نے اخبار نہیں دیکھا!۔ کرنل صاحب کی صاحبزادی مس شام جن کا آپریشن کچھ دنوں پہلے ایمن نے کیا تھا۔ وہ آج صبح ختم ہو گئیں!۔"

بیگم حسن دل تھام کر رہ گئیں!۔ ایمن اب بھی خاموش تھا۔ وہ ماں کے سامنے کبھی سگریٹ نہیں پیتا تھا مگر اب بالکل بے خیالی میں ایک سگریٹ نکالا اور لبوں میں

دبا لیا۔ پھر وہ اپنے خیالوں میں یوں گم ہوا کہ اسے سگریٹ جلانے کا ہوش باقی نہ رہ گیا!۔ فریال اور شمی بھی اخبار سے سب کچھ جان گئی تھیں!۔

"باری بھیا!۔ انھوں نے خودکشی کیوں کرلی؟!" فریال نے گلوگیر آواز میں پوچھا!

خیال خودکشی کا تھا!۔ مگر بعد کو پتہ چلا کہ وہ عرصہ سے بے خوابی کے مریض تھیں!۔ معمول سے زائد پلز لے لئے اور انہی نے یہ ستم ڈھایا!" باری بولا۔ وہ لوگ باتیں کرتے رہے!۔ ایمن وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا۔ دروازہ بند کیا اور جیب سے لفافہ نکال کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا!۔

میرے پیارے بے وفا!

کل رات کو آپ مجھ سے جدا ہوئے!۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ جدائی ابدی ہے!۔ آپ کہیں گے کہ میں مرنے کے بعد بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی!۔ آفندی۔ میں تاثیر محبت میں فنا ہو رہی تھی!۔ آپکے قرب کی آرزو نے مجھے پھونک ڈالا تھا! لیکن میں آپ سے آپ کو کبھی مانگ نہ سکی!۔ آپ میرے محسن تھے!۔ آپ نے مجھے صحت دی سلامتی دی اور زندگی دی! مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ میرا قاتل بن جائے گا! ۔ آہ مجھے یاد ہے کل رات میں نے آپ کے قدم چوم لئے تھے!۔ آپ کے سینے سے لگ گئی تھی!۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ بہت حقارت سے آپ نے مجھے برداشت کیا تھا!۔ اچھا ہی ہوا۔ آفندی۔ آپ کی موہوم نفرت مجھ پر عیاں ہو گئی ۔۔ ورنہ۔ مجھے مرنے میں بہت تکلیف ہوتی!۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ فریال کے ہیں!۔ ہمیشہ سے اسی کے تھے اور ہمیشہ اسی کے رہیں گے!۔ وہ بہت حسین ہے! بہت حسین چاند سے زیادہ پیاری ستاروں سے

زیادہ نازک! وہ آپ کو مبارک ہو! مجھے شکوہ یہی ہے کہ آپ نے مجھ سے کہا نہیں وہ آپ کی منگیتر ہے اور چند ہی دنوں بعد آپ سے اس کی شادی ہو جائے گی! ایمن خود غرض ہوتی ہے! میں اپنا شریک برداشت نہیں کر سکی! مجھے آپ کے ایثار کی بلندی پر رشک آیا۔ کاش! میرا ظرف بھی آپ ہی کے ظرف کے برابر ہوتا! لیکن میں بہت تنگدل ہوں! میری تقدیر میں محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میرے پیارے ایمن! مجھے آپ کی محبت جینے نہ دے گی! آج ایک کانٹا دل سے نکل گیا۔ آفندی۔ میرے آقا! میں ناشاد و نامراد نہیں جا رہی! مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے جنازے کے ساتھ ہوں گے! مجھے کندھا دیتے ہوں گے۔ اپنے ہاتھوں مجھے قبر میں سلائیں گے! آہ۔ یہ میری آخری مسرت ہے۔ میں مر رہی ہوں مگر آپ کی حسین شکل میرے سامنے ہے! اللہ اللہ اب آپ کا چہرہ قیامت تک کے لئے نظروں سے اوجھل ہو جائے گا! ایمن۔ جب تم میرے نہیں۔ فریال کے ہو۔ تو پھر میں جی کر کیا کروں گی! ہائے میرے ڈیڈی۔ میں انھیں بھی چھوڑ چلی انھیں تسلی دے دینا۔ میں محروم و مایوس نہیں جا رہی ہوں! ایمن پیارے! تم اداس تو نہیں۔ آنسو نہ بہانا۔ میرے آفندی۔ مجھے بہت دکھ ہوگا! کبھی کبھار مجھ سے ملنے آئیے گا نا! اکیلے ڈر لگے گا۔ ضرور آنا!

(مشام)

ایمن نے خط مٹھی میں دبوچ لیا! اور کھڑکی سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ جلتے جلتے دو آنسو اس کے گالوں پر ڈھلک کر فرش میں کھو گئے! پھر اس

کی بند آنکھوں کے آگے مشام اور فریال کی تصویریں متحرک ہو گئیں۔ فریال نے اس سے سب کچھ کہہ دیا ہو گا! وہ اس کے ساتھ رہی تھی! بڑا ہیجان انگیز وقت تھا! فریال اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی! آخر مشام کو کیسے پتہ چلا تھا؟! اسے مشام کی موت کا بہت صدمہ تھا! وہ تو جانتا ہی تھا کہ وہ مر جائے گی مگر خودکشی جسے زبردستی ڈاکٹر لال نے طبعی موت قرار دے کر پوسٹ مارٹم کی تباہیوں سے محفوظ کیا تھا! خودکشی؟! ... کیا ایسا ہی اسے شک پہونچا تھا!

اس کا شک رفتہ رفتہ یقین میں بدل گیا! اور رفتہ رفتہ اسے بڑا شدید غصہ اور طیش فریال پر آیا۔ کیا اس نے جان بوجھ کر مشام کی مجبور زندگی سے کھیلا تھا؟!

کسی نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا! اور وہ گہری سانس لے کر مڑا۔ فریال پیچھے کھڑی تھی۔ سر جھکائے ہوئے۔ اسکی پلکیں سوجی ہوئی تھیں لب کپکپا رہے تھے! ایک کے چہرے پر تلخی دوڑ گئی! خط جیب میں رکھ کر اسکی طرف دوڑا۔ جیسے زخمی شیر پلٹ پڑے! انداز ایسا تھا کہ فریال سہم گئی!

"آپ نے صبح سے۔ کچھ نہیں کھایا!" وہ ڈرتے ڈرتے بولی "چلیے۔ کچھ تو کھا لیجئے!"

"دعوت کر دی اس خوشی میں۔ تمھاری راہ کا کانٹا خود بخود ہٹ گیا!" اس نے برافروختہ ہو کر کہا۔

"جی؟!" فریال دھک سے رہ گئی!

"مجھے معلوم ہے۔ فریال" وہ دبی ہوئی آواز میں گرجا "جو کچھ تم نے کیا۔ اور جو کچھ تمھیں کرنا ہرگز نہ تھا۔ وہ تو یوں بھی مر ہی جاتی!"

"میں نے کیا کیا ہے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔؟" فریال کے آنسو بہہ چلے

"فریال میرے سامنے ایسی اداکاری نہ کرو۔ میں ان مردوں میں نہیں ہوں جو عورتوں کے آنسوؤں میں بڑی سے بڑی سچائی کو بہا دیتے ہیں! میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں اور سچ ہی سننا پسند کرتا ہوں۔"

"میں آپ سے سچ کہتی ہوں! میں نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ بھی نہیں کیا؟" وہ رونے لگی! "میرا، قسم کھاتی ہوں! کوئی بات ایسی میں نے نہیں کی!..."

"قسم جھوٹوں کا ہتھیار ہے!" وہ بدستور حقارت سے بولا۔ "میں جانتا تھا وہ مرجائے گی۔ تم جانتی تھیں۔ اور تم نے وہی کیا جس کا مجھے اندیشہ تھا! لوگوں نے کہا ہے کہ جب تمہارا راز تمہارے ہی سینے میں نہیں سماتا تو دوسرے کے سینے میں کیا سمائے گا۔ اور پھر عورتوں سے کہا ہوا راز۔ جیسے صحن میں کھڑا ہو کر کوئی چیخے۔!"

بڑی برہمی کے عالم میں اس نے کوٹ اتار کر فرش پر پھینکا! جوتے کھول کر اسٹینڈ پر اچھالے اور سر تھام کر صوفہ پر گر گیا! فریال متحیر تھی! آخر یہ سب کیا تھا!۔ آج تک اس نے ایمن کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا، غصہ، طیش اور برگشتگی!۔

"فریال...!" دفعتاً باری نے آواز دی۔ اور وہ سسک کر مڑی۔ باری نے حیرت سے دیکھا۔ ایمن مشتعل تھا اور فریال منفعل!۔

"کیا بات ہے؟" باری نے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا!

"باری بھیا!" وہ لپک کر اس کے بازو سے لگ گئی "میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ باری بھیا! میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"ایمن!" باری نے استفہامیہ لہجے میں پکارا۔

"باری۔ خدا کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو!" ایمن جھنجلا کر بولا۔ فریال باری کے

شانے سے چھوٹ کر اندر بھاگ گئی!۔ باری ہزار پوچھتا رہا مگر اسے کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ایمن کو خلاف معمول اس قدر غصہ کیوں آگیا تھا۔ ایمن تو مجسم محبت تھا!۔ باری سوچتا رہ گیا!۔

پھر رات کے کھانے پر پتہ چلا کہ ایمن اپنی ماں کے لئے یہ پیغام چھوڑ کر کہ وہ زرنگار آجائیں۔ گھر سے چلا گیا تھا۔

"بھیا۔ میں ان کا مزاج عجیب دیکھ رہی ہوں" بیگم حسن بولیں۔ "مجھے اب تو جانے دو۔ دیکھوں تو کیا معاملہ ہے؟!"

"بھابی۔ خدارا۔ وہیں کی ہو کر نہ رہ جائیے گا" مرزا صاحب لجاجت سے بولا "میرا وقت بھی بس قریب ہی ہے!۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپکی غیر موجودگی میں بلاوا آجائے!"

"بھیا۔ یوں نہ کہو۔ خدا تمہیں سلامت رکھے۔ عطیہ ہی نے بڑھاپے میں داغ دیا" بیگم حسن بولیں۔ رات کا کھانا وہ بھی نہ کھا سکیں!۔ سارا دل بیٹے میں لگا تھا!۔ حالانکہ عزت نے بہت روکا وہ بڑی عجلت میں وہاں سے گئیں!۔ باری نے ان کے ساتھ جانے میں مصلحت نہ دیکھی!۔

ایمن اب بھی گم صم تھا!۔ بیگم حسن کو دیکھ کر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اچھا ہوا امی۔ آپ آگئیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا!۔ آپ اپنا اسباب درست کرائیے۔ میں پاسپورٹ کی تجدید کراؤں۔ ہم ہفتہ بھر کے اندر اندر جہاز چلے جائیں گے!۔ مجھے بھی اپنے بابا کے وطن میں موت آئے!۔"

"میرے بیٹے!۔ آخر یہ کیسی دحشت تم پر سوار ہے!" بیگم حسن اس کا ہاتھ تھام کر بولیں!۔ اور اسے اپنے پاس صوفہ پر بٹھا لیا۔ پیار سے اس کے بال برابر کرتی ہوئی بولیں "میں تمہارا کہنا نہیں ٹالوں گی۔ مگر یہ تو کہو۔ آخر بات کیا ہوئی؟!"

فریال سے تم نے کیا کہا تھا وہ کیوں رو رہی تھی۔!"

"امی۔ بس اب کسی کا تذکرہ نہ کیجئے۔!" ایمن نے بیزاری سے کہا "میرا تو دل سرد ہو چکا ہے" بیگم حسن نے موضوع بدل کر پوچھا۔ "تم نے صبح سے اب تک کچھ کھایا پیا نہیں۔ اتنا سا منہ نکل آیا ہے!۔"

"نہیں۔ امی۔ نہ میں نے کچھ کھایا ہے اور نہ کھاؤں گا!۔ مجھ سے اصرار نہ کیجئے!۔"

"بچے۔ مجھے حیرت ہے!۔ بے شک اس لڑکی کی موت کا تمھیں افسوس ہوگا مگر کیا تمھارے اس سوگ سے وہ واپس آجائے گی!۔ کچھ کھاؤ پیو۔ حواس درست ہوں!۔ ماشاء اللہ تم ڈاکٹر ہو ایسے ہزاروں واقعات دیکھے ہوں گے!۔ یہ ضرور ہے کہ اپنوں کی بات ہی اور ہوتی ہے مگر جو ہوا سو ہوا۔"

"اس کی موت کا صدمہ تو الگ ہے امی۔ مگر۔!" ایمن کہتے کہتے سر تھام کر رہ گیا!۔ بیگم حسن بڑی موقعہ شناس اور تجربہ کار تھیں۔ کچھ نہیں پوچھا بلکہ خود جا کر کھانا لائیں!۔ اپنے ہاتھ سے اس کا منہ دھلایا اور اپنے آنچل سے چہرہ پونچھا۔ جیسے وہ ننھا سا بچہ ہو۔ خود ہی لقمہ بنا کر اسے کھلایا۔ وہ چپ چاپ ماں کے ہاتھ سے کھاتا رہا!۔ پھر اس کے حواس درست ہوئے۔ بیگم حسن نے کافی بنوائی!۔ اور کافی کے بعد ایمن کو محسوس ہوا وہ کسی بھنور میں چکرا رہا تھا اب ٹھکانے پر پہونچا ہے!۔ اس نے مشام کے خط کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کیا اُمیدیں ہری ہو چکی تھی!۔

"مگر بیٹے۔ سلگا دول!۔" بیگم حسن نے بے ساختہ پوچھ لیا تھا مگر ایمن شرما گیا۔

"نہیں۔ امی! میں زیادہ۔ نہیں۔ پیتا!۔" اس نے جھینپ کر کہا!۔ تھوڑی

دیر تک خاموش رہی۔

پھر ایمن نے کہا۔ "امی... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو ناگوار نہ ہو!۔"

وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں!۔ اور دوسری طرف رخ پھیر کر اس نے کہا۔

"میں چونکہ حجاز جانے کا ارادہ رکھتا ہوں!۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ محترمہ فریال سے میری شادی کی بات ختم کر دی جائے!۔ میں اب یہ نہیں چاہتا خواہ کچھ ہو جائے!۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ ایمن۔ چونکہ شام گزر گئی۔ جس سے تم نے اپنی پسند سے منگنی کی تھی!۔ اس لئے تم فریال سے منگنی توڑنا چاہتے ہو۔ جو میری مرضی اور پسند سے ہوئی تھی!۔ تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ میں مرزا بھائی سے کیا کہوں گی!۔ اور پھر یہ تو عطیہ مرحومہ کی وصیت بھی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ امی۔ خدا کے واسطے مجھے مجبور نہ کیجئے!۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔" ایمن نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر ان سے شادی ہو گئی تو میں انھیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

"بیٹا۔ یہ کیا دیوانہ پن ہے۔ کیا تم مجھ سے کسی بات کا بدلہ لے رہے ہو؟"

بیگم حسن سخت متعجب تھیں۔ "میں نے تو جو کچھ کیا تمہاری خاطر۔ ہمارے خاندان میں کبھی میل نہیں ہوا۔ اور میں چاہتی بھی نہیں۔ میری بہو کوئی باہر کی لڑکی آئے!۔ فریال اپنی بچی ہے۔ تعلیم یافتہ، دیکھی بھالی۔ اور پھر اتنی خوب صورت۔ ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ میرے قابل ہے۔ آپ نے مصر میں احمد جلال صاحب

کی لڑکی کو ایک مرتبہ میرے لئے پسند کیا تھا!۔ بی اے ے پھر گفتگو کریں گے!۔ میں واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ پھر خوامخواہ یہاں کی کسی لڑکی کو اتنی دور کیوں لے جائیں ؟" ایمن بولا۔

"خیر۔ یہ بات دوسری ہے" بیگم حسن بولیں۔ "مگر یہ تم نے کیا کہا کہ وہ تمھارے قابل نہیں ہے!"

"امی۔ محترمہ فریال نہایت خودغرض اور مفاد پرست ہیں!۔ اپنے نفس کی خاطر بہت رکیک جھوٹ بولتی ہیں!۔ اور پھر اتنی شاندار اداکاری اپنی معصومیت کی کریں گی کہ کسی کو ان کے جھوٹ کا گمان بھی نہ ہوگا۔ انھوں نے شام سے جاکر کہہ دیا تھا کہ میری منگنی ان سے بھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بے چاری نے زہر کھالیا اور قربان ہو گئی محترمہ فریال کی ناپاک خواہش پر۔!"

"کوری بکواس ہے یہ۔ فریال ہرگز ایسا نہیں کرسکتی!" بیگم حسن کو غصہ آگیا!۔

"کوئی ثبوت چاہتی ہیں امی۔ آپ!" ایمن نے اپنا غصہ تھام کر کہا۔

"لاؤ۔ دکھاؤ کہاں ہے وہ ثبوت" بیگم حسن نے برافروختہ ہوکر پوچھا۔ ایمن نے بڑے جوش میں خط قمیص کے جیب سے نکالا اور ماں کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ خط پڑھ کر بیگم حسن کا عجیب حال ہوا۔ کبھی کیوں اس قدر عاشقانہ خط پڑھا ہوگا؟ دنگ رہ گئیں!۔ یقین اب بھی نہ آیا کہ یہ سچ تھا!۔

"جشن کی رات محترمہ فریال گھنٹوں شام سے باتیں کرتی رہی تھیں!۔ یہ گل کھلایا!" ایمن بولا۔

"اچھا میں اس سے پوچھوں گی!" بیگم حسن بولیں۔ "اب اٹھو۔ میرے ساتھ چلو۔ تم نے بہت برا کیا۔ فریال کو سخت سست کہا۔ وہ غریب پہلے ہی دل شکستہ ہے۔ میرے پاس بیٹھ کر زاروقطار رو رہی ہے۔ کہتی جاتی تھی کہ

امی۔ میں نے کیا قصور کیا ہے۔ ایمن صاحب مجھ سے خفا ہو گئے!"
"آنسو معصومیت کو صیقل کر دیتے ہیں مگر اصلیت نہیں چھپا سکتے!" ایمن نے کہا۔
"بہر حال آپ سے میں نے کہہ دیا۔ میں اس شادی پر رضامند نہیں ہوں!۔ مجھے مجبور نہ کیجیے!۔ اب میں جمشید منزل کبھی نہیں جاؤں گا! یہ اپنا گھر ہے سامان منگوا لیجیے آئندہ یہیں رہیں گے!"
بیگم حسن نے لاکھ سمجھایا مگر وہ بھی اپنی ماں کا بیٹا تھا! ٹس سے مس نہیں ہوا۔ تھک ہار کر بیگم حسن کو اس کی مرضی پوری کرنی پڑی۔
تین چار دن تک جمشید منزل میں ان دونوں کا شدید انتظار کیا گیا! پھر آخر کار غفار صاحب اپنی بہن کی مزاج پرسی کے لیے دوڑے آئے!۔ عزت ساتھ تھی!۔
"ایمن بھائی۔ یہ کیا ستم ڈھا رکھا ہے آپ نے" عزت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "گھر چلیے میں آپ کو لینے کے لئے آئی ہوں!۔ آخر آپ ہم سب سے کیوں خفا ہو گئے ہیں!"
"خفگی کیسی؟" ایمن نے سرد لہجے میں کہا "میں اپنے گھر میں رہنا چاہتا ہوں اب کب تک کوئی مہمان داری کرے گا!۔
"ہائے ماموں جان تو بے چین ہیں آپ سے ملنے کے لئے" عزت نے تڑپ کر کہا "ہر وقت دروازہ تکا کرتے ہیں کہ آپ اب آئے کہ اب آئے!۔ چلیے ایمن بھیا۔ خدا کے لئے!"
"میاں۔ یہ کیا سودا تم پر سوار ہوا ہے!" غفار صاحب نے کہا "آخر کیوں ناراض ہو؟"
"ماموں بھیا۔ آخر میں نے یہ کوٹھی کس لئے خریدی ہے؟" وہ جھلبلا کر بولا

"اپنے آرام کے لئے نول لی ہے۔ یہ تو بڑا ستم ہے کہ مجھے میرے گھر میں رہنے نہیں دیا جاتا!"

"گھر تو وہ بھی ہے!" عزت بولی۔

"گھر تو یہ بھی ہے!" ایمن نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا!۔ وہ سب تعجب سے اسے دیکھتے رہ گئے!۔ بہر حال بے نیل مرام وہ واپس گئے۔ فریال ساری رات بیٹھ کر بہت روئی!۔

"شمعی۔ وہ صرف مجھ سے خفا ہیں۔ کوئی خطا میں نے کی ہے۔ کبھی انھیں مجھ پر غصہ نہیں آیا تھا۔ مگر اس رات وہ کتنی نفرت اور حقارت سے مجھ سے گفتگو کر رہے تھے!۔ ہائے شمعی!۔ میں یہ انداز سہار نہیں سکتی۔ میں تو مر جاؤں گی!"

اور وہ گونا گوں احساسات سے پریشان آنچل میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ دل رمیدہ شمعی اسے تسلیاں بھی نہ دے سکی۔

گھر کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا!۔ سہیل نے جویریہ کو بلا بھیجا۔ اب کی ان کا سفر بہت طویل تھا!۔ بچوں کو اسپتال میں چھوڑا اور دونوں چلے گئے!۔ غضنفر بھی پہلے ہی جا چکے تھے!۔ ایک سوگوار سناٹا گھر پر مسلط تھا!۔ عزت مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی!۔ اتنے میں اسے سعادت آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے دروازے ہی سے چیخ کر کہا۔

"ارے۔ ڈاکٹر صاحب کو کسی نے مار ڈالا۔ بیگم صاحب اکیلی ہیں۔ خدا کے واسطے باری میاں کو جلدی بھیجئے!" یہ کہہ کر وہ الٹے پاؤں بھاگا!۔

"مار ڈالا۔ ایمن بھائی کو!" عزت دل تھام کر چیخی۔ باری گھر پر نہیں تھا!۔ عزت نے دہائی ڈال دی۔ فریال بحال پریشان اندر سے نکلی!۔ شمعی جھپٹی۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پسینے میں نہائی ہوئی!۔ فریال کے لبوں سے نکلا

میرے اللہ یہ کیا ہوا۔! اور وہ ستون کے پاس ڈھیر ہو گئیں!۔

غفار صاحب اپنے کمرے سے نکلے!۔ دل ان کا بھی اڑا جا رہا تھا!۔ سب کو لے کر پہونچے!۔ زرنگار میں ایسا منظر دیکھا کر دل ہل گئے!۔

ایمن گاڑھے گاڑھے خون میں لت پت فرش پر پڑا تھا!۔ اور بظاہر اس میں زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی!۔ اس کے پاس بیگم حسن تھیں مگر بے ہوش!

غفار صاحب اس پر جھکے!۔ ہلایا ڈلایا پکارا مگر بے سود۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔ ان کی نظروں میں دنیا تاریک تھی!۔ سعادت ڈاکٹر کو لینے بھاگا۔ کسی میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے فرش سے اٹھا کر مسہری پر لٹاتا!۔ لیکن اٹھانا ضروری تھا!۔ غفار صاحب نے شانے پکڑے۔ شمعی اور فریال نے پیر تھامے۔ عزت نے کمر سے سہارا دیا اور مسہری پر ڈال دیا!۔ بیگم حسن کو ہوش آیا۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں!۔

"یہ کیسا دن میں نے دیکھا ہے کس نے میرے بچے سے اپنی دشمنی نکالی ہے! میرے لال۔ تجھ پر سے میں صدقے۔ میرے ایمن۔۔ کوئی دکھ نہ دینا مجھے۔ ہائے میں نے تجھے جھڑکا تھا!۔ برا بھلا کہا تھا!۔ اللہ میرے کلیجے پر چھریاں چل رہی تھیں!"

دفعتہ دروازہ کھلا اور باری اندر آیا۔ ایک گونجیلی چیخ اس کے لبوں سے نکلی۔

"ایمن۔!" وہ اس سے لپٹ گیا۔ اور سسکیاں لے کر رو پڑا۔

"میاں۔ بدشگونی نہ کرو۔!" غفار صاحب نے تسلی دی۔ "خدا نہ کرے رونے کی کیا بات ہے۔ فاطمہ بہن۔ اور باری۔۔ ذرا دوسرے کپڑے پہنا دو۔ بیٹی کپڑے نکال لاؤ۔!" وہ شمعی سے بولے۔

بہ ہزار دقت بیگم حسن اور باری نے مل کر اس کا لباس بدلا۔ اور خون آلود

کپڑے غفار صاحب نے جلدی سے سہری کے نیچے ڈھکیل دیے!۔ اتنے میں ڈاکٹر لال اور ڈاکٹر شہیر اندر آئے!۔ دونوں ایمن کے پاس جھپٹے۔ وہ جوں کا توں پڑا ہلکی ہلکی سانسیں لے رہا تھا!۔ ڈاکٹر لال نے شہیر کی مدد سے اس کا زخم دھو دیا داہنے شانے سے لے کر پسلیوں کے اوپر تک ایک شگاف تھا!۔ اور پیٹھ پر دو تین زخم تھے! جلدی جلدی مرہم پٹی کی گئی اور داہنا ہاتھ SPLINT کر کے (لکڑی کی تختیاں جو زخموں پر باندھی جاتی ہیں) SLING ہے (وہ پٹی جو ہاتھ کے سہارے کے لئے گلے میں ڈالی جاتی ہے) کر دیا گیا!۔ سب حیران تھے کہ آخر یہ گہرے زخم کہاں سے آئے۔ کس نے پہونچائے!۔ مگر بیگم حسن کو بھی کچھ معلوم نہ تھا!۔ کیا بتائیں!۔ ڈاکٹر لال نے اسے ایک انجکشن دیا اور ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے!۔ باری بہت پریشان تھے!۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

مسٹر باری۔ ضبط کیجئے۔ یا پھر یہاں سے چلے جائیے!" باری نے مضبوطی سے اپنے لب بھینچ لئے۔ بڑی دیر بعد ایمن کو ہوش آیا۔ اور بیگم حسن اس پر جھک گئیں!۔

"امی!۔ میرے لال۔ یہ کیا ہوا۔"

"آہ ...... امی ...... میں آپ سب کے درمیان ہوں.." ایمن نے رکتے رکتے کہا.. "اللہ۔ اللہ۔ اب مرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہائے۔ اُئے!" نہ جانے کہاں ٹیس اٹھی کہ وہ یکبارگی تڑپ گیا۔

"خدا کے واسطے۔ ایمن۔ ایسی باتیں نہ کرو۔!" باری نے اپنے ہونٹ ایمن کے سرد ہونٹوں پر رکھ دیے!۔

"بیوقوف دوست"۔ ایمن حسرت سے مسکرایا۔ "تم رو رہے ہو!۔ مسکراؤ۔

مجھے اپنے شعر سناؤ۔ میں نے آج۔ زندگی کو۔ کتنے بھیانک روپ میں دیکھا ہے
اُف فوہ۔ یہ درد۔ یا خدا۔ تھام لے یہ درد۔"

"مسٹر ایمن۔۔۔ ہوش کی باتیں کیجئے!۔ تہمیر نے کہا۔" آپ کیا محسوس کر رہے ہیں!"
اس کی آواز سن کر ایمن نے پوری آنکھیں کھول دیں۔" تم سب؟ تم کون ہو۔
میں کہاں ہوں؟" ثریا ستون سے لگی رو رہی تھی۔ شمی کا حال مردوں سے بدتر
تھا!۔ ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔

"مورفیا!" ڈاکٹر لال بولے۔" فی الحال سکون کی ضرورت ہے!" اندر
تہمیر نے دوبارہ ایک انجکشن دے دیا!۔ چند لمحوں بعد ایمن بالکل بے خبر ہو گیا
پلکیں بند۔ چہرہ زرد۔ ہاتھ۔ بینڈیج کئے ہوئے!۔ صرف اس کی سانسوں کے مدوجزر
سے اس کی حیات کا پتہ چل رہا تھا اور بس!۔

"مسٹر باری۔ پلیز۔ کم ٹومی۔" ڈاکٹر لال نے کہا اور باری اس کے ساتھ الگ
چلا گیا۔ تہمیر بھی ساتھ تھا!۔

"دیکھئے!۔ ڈاکٹر لال نے کہا۔" کرنل کے زخم گہرے ہیں۔ انھیں مطلق حرکت
کرنے نہ دیجئے۔ بخار بھی بہت تیز ہے۔ اگر احتیاط نہ کی گئی تو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ
بھی سکتے ہیں!"

"نہیں!" باری اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ اٹھا!۔

"میں اسپتال میں مصروف ہوں۔ لیکن ابھی جا کر اشرف اور اس کے ساتھیوں
کو بھیجتا ہوں!" ڈاکٹر یہ کہہ کر چلے گئے!۔ باری وہیں کھڑے کھڑے
رو پڑا۔

"نہیں۔ ایمن۔ نہیں۔۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ۔ میرا ساتھ نہ چھوڑنا!"
رات کو دس بجے تک۔ نواب صاحب بھی ملازموں پر گھر کو چھوڑ کر آ گئے!۔ ان

پھر ڈاکٹروں نے یہ خدمت بھی اپنے ذمے لے رکھی تھی!۔ خدا خدا کر کے کامل ہفتہ بھر بعد وہ مکمل طور پر ہوش میں آیا۔ لیکن بالکل بدل کر رہ گیا تھا!۔ نہ خوش مزاجی باقی رہی ۔ نہ زندہ دلی۔ غصہ ناک پر دھرا رہتا۔ ملازم تو در کنار۔ باری اور بیگم حسن بھی بات کرتے ہوئے ڈرتے!۔ وہ اسے حواسوں میں نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ کہاں ایمن اور کہاں غصہ۔ بیگم حسن نے کبھی اسے غضبناک نہیں دیکھا تھا!۔ اب تو کوئی چھینکے سے بھی کچھ پوچھتا تو وہ دھاڑنے لگتا!۔ اپنی ذات سے کبھی اسے دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ نہ کھانے پینے کا خیال۔ نہ نہانے دھونے کی پروا۔ داڑھی کا جنگل چہرے پر اگ آیا تھا! اور اپنے بڑھے ہوئے شیو میں وہ سچ مچ ایک خونخوار اور درندہ صفت عرب لگتا تھا!۔ جنگجوؤں سال کا پرانا عرب۔ جسے صرف مارنا اور مرنا ہی پسند تھا!۔

بیگم حسن نے صدقہ خیرات کے لئے تھیلیوں کے منہ کھول دیے!۔ وہ تھیں اور دعائیں تھیں!۔ دوسرے غمگسار باری اور فریال تھے!۔ لیکن اس کے مزاج سے خائف وہ بھی زیادہ تر دور ہی دور رہنا پسند کرتے!۔ فریال کو پتہ تھا وہ اسی سے خفا اور برگشتہ تھا!۔ وہ تو اس کے سامنے نہ نکلتی تھی! اور ایمن کو خبر بھی نہیں تھی کہ فریال اسی کے گھر میں رہتی تھی!!!۔

"بیٹی! یوں کب تک جان کھوتی رہوگی؟" بیگم حسن نے فریال سے کہا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ کیسی وہ زندہ درگور ہو گئی تھی۔ حسن سوگوار کی تصویر۔ اسے بڑا غم اس کا تھا کہ ایمن کی یہ حالت صرف اسی کی وجہ سے ہوئی تھی!۔ یہ اسے معلوم نہ تھا کہ اس نے

کیا خطا کی تھی؟ بیگم حسن کی ساری خدمت اس نے اپنے ذمہ لی تھی!۔ گھر سنبھالتی اور پھر ایمن کی خاطر کچن کی بھی نگرانی کرتی!۔ بیگم حسن کے دل سے دعائیں پھوٹتیں کاش وہ سچ مچ ان کی بہو کی حیثیت سے زرنگار میں چلے پھرے۔

"امی۔!" جواب میں اس کے آنسو چھلک آئے!" آپ کی محبت نے مجھے زندہ رکھا ہے۔ ورنہ میں تو خودکشی کر لیتی!۔ امی۔ میں کسی کی بدلی ہوئی نگاہیں نہیں برداشت کر سکتی!"

"میری بچی۔ یوں دل بھاری نہ کرو۔!" بیگم حسن نے اسے گلے سے لگا لیا۔ "میں جانتی ہوں۔ جو کچھ تم سوچتی ہو۔ تمہاری خدمتیں رائیگاں نہ جائیں گی!۔ وہ کچھ دوالوں میں آئیں تو میں پوچھوں گی کہ آخر ایسا کون سا قصور تم سے ہو گیا ہے!"

"نہیں۔ امی نہیں!" فریال نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں یہ نہیں چاہتی آپ کی محبت مجھے ملی ہے۔ مجھے اب اور کچھ نہیں چاہیے!"

دفعتہ دوسرے کمرے میں بھاری قدموں کی آہٹیں سنائی دیں!۔ فریال اٹھ کر بھاگ ہی رہی تھی مگر بیگم حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔! ایمن دالان میں آیا اور دروازے ہی میں رک گیا؟۔ فریال کا دل دھڑکنے لگا اور ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے! اس نے اس کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں کی!۔ رخ پھیر لیا اور اپنے آنسو دل میں اتارتی رہی۔ کیا یہ وہی ایمن تھا؟! حسین اور خوش مزاج۔ جس کی دید کی متلاشی جس کے قرب کی پیاسی وہ رہتی تھی! جس کے محبت بھرے بول اس کی زندگی کے سہارے تھے!۔ یہی ایمن تھا!۔ جس نے اپنی تڑپ اور بے چینی کا افسانہ اسے سنایا تھا!۔ یہی ایمن تھا جس نے بڑے پیار سے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا تھا! یہی ایمن تھا۔ جو ایک دن اس کے سامنے آنسو بہا رہا تھا۔ اور وہی ایمن ہے۔ اس کی صورت سے بیزار۔ اس کی آواز سے متنفر۔ اس کے قرب سے گریزاں

ثریاں نے ساڑی کا آنچل دانتوں میں دبا لیا اور خاموشی سے رونے لگی!۔

امین کا داہنا ہاتھ اب بھی ٹھیک نہ ہوا تھا!۔ لباس ملگجا اور ناصاف تھا۔ چہرے پر بے ترتیب بالوں کا جھنڈ بکھرا ہوا تھا!۔ تیوریوں پر بل، لب پر لرزش اور آنکھوں سے برہمی عیاں۔

بیگم محسن نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور پیار سے بولیں۔" میاں۔ تم اٹھ کیوں آئے۔ مجھے وہیں سے آواز دے لیتے!۔ اب تو چلنے میں کچھ تکلیف نہیں ہوتی!؟"

"میری تکلیفوں کا احساس آپ کو ہوتا تو امی آپ میرے ساتھ چلتیں اور یہ منحوس دن مجھے نہ دیکھنا پڑتا!۔" اس کی آواز بڑی گونجیلی اور رعوب کن ہو گئی تھی!۔ بہر حال میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میرا اور آپ کا پاسپورٹ آگیا ہے!۔ چلنے کی تیاری کیجئے یہاں کی سرزمین شریفوں کے رہنے کے قابل نہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں بے وفائی رچی بسی ہے!۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں!۔ امی چلئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو دفن ہوں!۔ یہاں مرنا بھی مجھے پسند نہیں!۔"

"جو تمھاری مرضی ہو۔ وہی کرو۔!" بیگم محسن بڑی موقعہ شناس تھیں!۔ اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ثریاں کے دل میں ہیجان برپا ہو گیا۔ بے نام سے خمار سے اس کی آنکھیں مندنے لگیں۔ اس کے قرب نے اس کی ہستی میں طوفان جگا دیے!۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا!۔ "اللہ کرے کہ تم بالکل صحت مند ہو جاؤ۔ ڈھنگ سے چلنے پھرنے لگو تو پھر میں رخت سفر باندھوں!۔" بیگم محسن نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا! لندن سے آئے ہیں تو سارا انتظام تم ہی نے کیا تھا!۔ میں ضعیف ہوں۔ مجھ سے تو تنہا سفر نہیں کیا گیا۔ مگر اب۔ ! تم کمزور ہو رہے ہو، اترنا چڑھنا اسباب کی نگرانی۔ راتوں کی جاگ۔ یہ سب کون کریگا! اس خیر سے غسل صحت ہو پھر دیکھا جائے گا!۔

"مجھے حیرت ہے۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟" امین نے سرد اور تلخ لہجے میں

کہا "نہ گیا میں مرنے کے لیے ٹرین سے جاؤں گا۔ سعادت سے میں نے کہہ دیا ہے۔ جیسے ہی ویزا مل جائے۔ وہ دو سیٹیں ہوائی جہاز میں بک کر دے!۔ ویسے آپ غسلِ صحت کا انتظار کریں گی۔ اور میرا غسلِ میت ہو جائے گا!"

بیگم حسن کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا! مگر انھوں نے خود کو سنبھالا! اور رانفتی ہوئی بولیں "اچھا ویزا آ جائے۔ میں تیار ہوں!۔ تمھارے لیے کافی لے آؤں!" یہ کہہ کر وہ چلی گئیں!۔ فریال کا دل شدت سے دھڑکنے لگا!۔ اور ایمن نے بڑی استہزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھا!۔ پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

"آپ کب تشریف لائیں؟۔ محترمہ فریال" اس نے بڑی سرد آواز میں پوچھا۔ "بڑا کرم کیا آپ نے مجھ پر۔ شاید آپ یہ واضح کرنا چاہتی ہیں کہ میری ناچیز ہستی سے اب بھی آپ کو اُنس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی اس اداکاری میں بھی کامیاب ہو جائیں مگر میں آپ کو اچھی طرح پہچان گیا۔ سنگدل۔ بے مہر۔ مفاد پرست۔ بلاشبہ آپ نے بے مثال خوبصورتی پائی ہے۔ مگر محترمہ فریال حسن سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی گناہ ہے!"

فریال سسکیاں لے لے کر رونے لگیں! اس کے منہ سے کوئی آواز ہی نہ نکلی!۔ وہ تو اس کی تمنی تھی!۔ وہ اپنی بے بسی سرد مہری اور دلشکنی کی اس سے معافی مانگے گا!۔ مگر وہ تو کچھ اور صلواتیں سنا گیا۔

"یقین کیجیے کہ آپ سے زیادہ میں رویا ہوں!۔ میں نے آپ کو پہچاننے میں اتنی غلطی کیسے کی تھی؟۔ کاش! آپ مجھ سے سچ سچ کہہ دیتیں!۔ میں آپ کو ایک بلند و برتر فراخدل و وسیع النظر ہستی مان لیتا!۔ مگر آپ نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ کسی کی بے پایاں مسرتوں کو آپ نے بے انتہا غموں میں کیوں بدل دیا۔ آپ کو ترس نہیں آیا۔ آپ کے لبوں سے نکلا ہوا ایک فقرہ کسی کی جان پر بن گیا۔ اور پھر۔ آپ متواتر جھوٹ بولتی رہیں!"

"یقین کیجیے!۔ میں نہیں جانتی۔ کسی سے میں نے کہا ہے؟" فریال اس کی طرف پلٹی اور آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی رحم طلب آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی!۔ "مجھے بحال

میں آپ کی خوشی منظور تھی۔ آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا۔ میں نے وہی کیا شمعی سے بھی میں نے آپ کا راز نہیں کہا۔ میری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں!۔ آپ کے لئے میں جان دے سکتی ہوں!۔ ہزار بار میری جان نکلے اور ہزار مرتبہ میں آپ پر سے نثار ہو جاؤں!۔ میری سانسیں آپ کے قدموں پر تمام ہو جائیں!۔ یہی میری تمنا ہے!۔ خدا نہ کرے۔ کیا میں آپکی اتنی تباہی چاہوں گی! آپ کو کس نے بہکا دیا ہے؟"

"نہ مجھے کسی نے بہکایا ہے اور نہ میں کوئی ننھا سا بچہ ہوں کہ بہک جاؤں گا!" ایمن کا لہجہ بدستور خشک اور پر تنفر تھا!" میں اپنی آنکھوں کو جھٹلا نہیں سکتا!۔ اور نہ ثبوت کو بے حقیقت سمجھتا ہوں!"

"آپ کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا۔ وہ بھی غلط تھا اور جو ثبوت ہے وہ بھی غلط!" فریال بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں جھوٹ بول کر اس پر سچ کا پلاسٹر نہیں کرتا۔ وہی کہتا ہوں جو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ چاہے کسی کو برا لگے کہ بھلا!" ایمن نے کہا اور آہستہ آہستہ اپنا بازو دبانے لگا! گیا تو فریال خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی گیا تو اس کی تکلیف پر بے قرار ہونے لگی!۔ مگر ہمت نہیں پڑی کہ خود بازو دبانے لگتی!۔ بہت کچھ اس کی آن اور خودداری پر چوٹیں پڑ چکی تھیں! چاہے دل پر خنجر ہی چلتے مگر وہ ظاہراً پتھر بن جانے کی کوشش کر رہی تھی!۔ پتہ نہیں!۔ ایمن کے کہاں درد تھا!۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور آہستہ آہستہ کراہنے لگا! فریال ضبط نہ کر سکی!۔ سب شکایتیں بھلا دیں اور بے تاب لہجے میں بولی۔ "کیا آپ کے زخموں میں پھر درد ہونے لگا؟!"

"آپ کن زخموں کی بات کر رہی ہیں۔ محترمہ فریال ... ؟" ایمن بولا! اور فریال خاموش ہو گئی!۔ ملازمہ کافی لے آئی!۔ چند لمحے خاموشی ہی رہی!۔ ایمن ہولے ہولے کافی کے گھونٹ اتارتا رہا۔ فریال نے انکار کر دیا۔ ایمن نے اصرار بھی نہیں کیا! چند منٹ

بیٹھا شاید منتظر رہا کہ فریال کچھ اور کہے گی مگر وہ چپ رہی تھی تو وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا باہر اپنے کمرے میں چلا گیا!۔

بیگم حسن نے سب کچھ سنا تھا مگر دونوں کی گفتگو میں مخل ہونا مناسب نہیں سمجھتی تھیں!۔ انھیں بڑا افسوس تھا!۔ ایمن کو اس قدر سنگدل نہیں ہونا چاہیئے تھا!۔ مگر وہ کیا کرتیں؟!۔ مجبور محض ہو کر رہ گئی تھیں۔

سہ پہر کو تقریباً جمشید منزل کے سارے مکیں اس سے ملاقات کرنے آئے!۔ مرزا صاحب کیلئے یہاں تک چل کر آنا بہت مشکل تھا مگر وہ بھی آئے تھے!۔ ایمن نے بڑی خندہ پیشانی سے سب کا استقبال کیا!۔ اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا تھا!۔

"میاں یہ حرکت کس کی تھی؟۔ واقعہ تم نے نہیں بتایا!۔" مرزا صاحب نے پوچھا "میں اب بھی اتنا اثر و رسوخ رکھتا ہوں کہ اس بدمعاش کو قانون کے حوالے کر کے مناسب سزا دلوا سکوں!۔ شکل ایک آدھ کی تم نے دیکھی تھی؟!"

"جی بس۔ ایک جھلک سی۔ پتہ نہیں کس کی تھی؟" ایمن نے ایک گہری سرد آہ بھر کر شمعی کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر اپنے کھردرے گال پر پھیرنے لگا!۔ "یونہی چہل قدمی سے واپس آ رہا تھا!۔ پرانے قلعے کے پیچھے چند لوگوں نے حملہ کر دیا۔ میں بے خبر تھا۔ ان کا حملہ کامیاب رہا۔ اپنی دانست میں تو وہ مجھے ختم ہی کر گئے تھے!۔ جب تک میرے حواس ساتھ دیتے رہے!۔ ڈرائیونگ کی! پھر مجھ پر غفلت طاری ہو گئی!۔ سعادت نے مجھے دیکھا وہ بازار سے واپس آ رہا تھا!۔ اس کے چیخنے چلانے اور ہلانے ڈلانے سے قدرے مجھے ہوش آیا۔ لیکن اتنا کہ گھر کی دہلیز عبور کر سکوں! پھر آنگن تک آیا اور گر پڑا!"

"بھائی۔ تم نے ویرانے میں تو کوٹھی لی ہے!۔" غضنفر نے کہا!۔ "مجھ سے تذکرہ نہیں کیا۔ ورنہ میں نئے شہر میں اس سے بدرجہا بہتر کوٹھی کی نشاندہی کرتا!۔"

میں کہتا ہوں اس کی ضرورت ہی کیا ہے ؟" سہیل بولے :" آخر وہ مکان بھی ایمن ہی کا ہے کیا یہ کوئی غیر آدمی ہیں ! ۔ اب بھی وقت ہے ۔ نکال دیں اس عمارت کو اور چل کر رہیں سب کے ساتھ !"

" میں بھی ۔ یہی مناسب سمجھتا ہوں ! ۔ ایمن نے کہا ۔" کوٹھی یہیں کسی کے نام کر دوں اور چلا جاؤں اپنے آبائی وطن ۔ بھر پایا میں نے یہاں ! "

" کیوں ۔ کیا کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے !" غفار صاحب نے حیرت سے پوچھا ۔

" ماموں بھیا ۔ اس سے زیادہ ناگوار واقعہ پیش آتا کرتے کرتے بچا ! ۔ ۔ ایمن ہنسا ۔

" بیٹے ۔ وطن کا قصد نہ کرنا !" مرزا صاحب بولے ۔" اب مجھ میں کسی کی جدائی کی تاب نہیں رہی ہے ۔ میں بڈھا آدمی ۔ عمر کے کم و بیش پچھتر برس گزار چکا ہوں ۔ تھوڑی میری آرزو پوری کردو کہ میری زندگی تک کہیں آنے جانے کا نام نہ لو اس کے بعد تمہاری مرضی ! "

ایمن خاموش رہا ! ۔

" میری تمنا تھی کہ میں اپنے بچوں کو گھر بار کا کر دیتا اور پھر ہم سب چلے جاتے کعبہ شریف " غفار صاحب نے کہا ۔" لیکن اللہ کی مرضی نہیں تھی ! مرحوم نے ایسے وقت ساتھ چھوڑ کر دل مسوس کر رہ گیا ! "

" ایسے اہم فرائض میں موت و حیات کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتی !" مرزا صاحب نے کہا :" ماں باپ کی بیٹیں پڑی رہتی ہیں اور لڑکیوں کا نکاح ہو جاتا ہے ! میری مرضی یہی ہے ! ۔ ہم سب اپنی روانگی کا سامنا کریں ! ۔ شادیوں میں کوئی دھوم دھام یوں بھی نہ ہوتی ! ۔ لڑکیوں کے فرض سے ادا ہو جائیں ! "

"مجھے بھی لے چلیئے۔ ماموں جان!" عزت دفعتہً بولی "یہاں میں کس کے پاس رہوں گی!" وہ تو تھی ہی زود رنج۔ یہ کہتے ہی کہتے آواز رندھ گئی!۔

"شوق سے بیٹی شوق سے!" غفار صاحب بولے "جمشید بھائی کی رائے صائب ہے! انشاءاللہ اگلے جمعہ کو دونوں عقد ہو جائیں! اور پھر — !"

"بس۔ بس ٹھیک ہے!" مرزا صاحب نے کہا۔ اور بہت دنوں بعد ان کے چہرے پر تبسم نظر آیا۔ باری خاموش بیٹھا امین کو دیکھ رہا تھا!۔ ان دونوں کو سہیل و غضنفر بھی تکنے لگے۔!

"ماموں بھیا!" اچانک امین کی آواز گونجی "معاف فرمایئے گا!۔ ابھی میں عقد کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔! کیونکہ امروزفردا میں یا ہفتہ عشرہ تک میں خود بھی جا رہا ہوں! پاسپورٹ آگیا ہے۔ کل پرسوں تک ویزا بھی آجائے گا!۔ میرے والد عرب تھے! میں بھی عرب لڑکی اپنے خاندان میں شامل کرنا چاہتا ہوں! گزشتہ منگنی میری والدہ کی پسند و مرضی کی تھی!۔ میں اسے فسخ کرنے کا پورا حق رکھتا ہوں!"

وہاں سناٹا چھا گیا!۔

"یہ کیا پاگل پن ہے!" بیگم حسن کمزور آواز میں بولیں۔ وہ یک لخت گھبرا گئی تھیں!۔

"خیر۔ تمہیں اختیار ہے!" مرزا صاحب کو بہت سخت غصہ آگیا! وہ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے!۔

"چچی اماں۔ یہ کیا قصہ ہے؟" سہیل نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"چچی اماں۔ آپ نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا۔ لڑکی کی اتنی توہین کی؟" غضنفر بولے۔ ان کی آواز میں بھی طیش کی لرزش تھی!۔ جویریہ اور فرحانہ بھی پیچھے نہ رہیں!۔

متحیر و تعجب ختم ہوا تو لعنت ملامت شروع ہو گئی!۔ عزت نے ایمن کا ہاتھ پکڑ کر کہا

"ایمن بھائی؟۔ یہ کیا حماقت کر رہے ہیں۔ آپ۔ آخر کیا برائی نظر آئی آپ کو منگنی میں؟!۔ کیا فریال آپ کو پسند نہیں!۔"

"ہشت!۔ کیا بکواس ہے؟" غضنفر نے حقارت سے کہا۔

"نہ منگنی میں کوئی برائی ہے نہ مجھے لڑکی ناپسند ہے۔ برا تو میں ہوں!۔ فریال کے قابل نہیں!" ایمن نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا!۔ بیگم حسن سر جھکائے بیٹھی تھیں غضنفر، سہیل، اور عزت بڑبڑاتے ہوئے برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ گئے!۔

"یہاں کیا کر رہی ہے۔ فریال" غضنفر دہاڑے۔ "اب اور کون سی ذلت اور رسوائی باقی رہ گئی ہے اس سے کہو، چلے ہمارے ساتھ!۔"

"شمسی!۔ سہیل بھی گرجے" نکلو باہر۔ لاؤ فریال کو اپنے ساتھ!۔"

"آتی ہے۔ آپ چلیئے!۔" جویریہ بولیں۔ وہ سب چلے گئے تو فرحانہ اور جویریہ بیگم ایمن کے پاس آئیں!۔ ان کا تو کلیجہ منہ کو آ رہا تھا!۔ ایمن نے کہیں کا نہیں رکھا! بے چاری رونے لگیں!۔

"بیٹی۔ جو کچھ تم سب نے کہا۔ سب ٹھیک کہا۔ میں اسی قابل ہوں! خودسر اور ضدی لڑکے نے مجھے کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رکھا!۔ مرزا بھائی مجھ سے خفا ہو گئے!۔ یا اللہ میں کیا کروں؟"۔

جویریہ اور فرحانہ اٹھ گئیں!۔ شمسی اور فریال پتھر کی مورت بنی اپنے کمرے سے سب کچھ سن رہی تھیں۔ دیکھ رہی تھیں۔ کیسے بھائی بند بہن بھاوج خفا ہو کر چلے گئے تھے۔ برسہا برس کے تعلقات یوں ایمن نے توڑ کر رکھ دیے تھے! فریال گم تھی جیسے روح بدن سے نکل گئی ہو! شمسی کا چہرہ سفید تھا!۔ وہ اس گھر سے جا رہی تھی!۔ بادل ناخواستہ!۔

"چلو۔ فریال۔" وہ بھرے دل سے بولی۔ مگر فریال نے اس کا ہاتھ چھڑا کر سر زانوؤں پر رکھ لیا۔ اور آہیں بھرنے لگی!۔

"اب چلو۔ فریال۔!" جویریہ اندر آئیں۔ "دل مضبوط کرو۔ آخر یہ کیا حرکت ہے؟۔ اس سے اچھی جگہ تمہیں ہم بیاہیں گے!"۔

"بیکار مت رو۔ فریال۔ اچھا ہوا شادی سے پہلے ہی جوہر کھل گئے!" فرحانہ نے کہا۔ "ورنہ یہ کہنے کو ہوتا کہ کاش اچھی طرح دیکھ بھال کر لیتے!"

بیگم حسن رفتاں۔ خیزاں اندر آئیں!۔ اور فریال کو لپٹا لیا۔

"میری بچی۔ دل بھاری نہ کر۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔ اس پر کسی نے سحر کر دیا ہے!۔ وہ کسی آگ میں اندر ہی اندر پھنکا جاتا ہے!۔ جب حواس درست ہوں تو وہ نادم ہوگا میری بیٹیا!۔ میں تجھے کبھی کسی حال میں نہیں چھوڑوں گی!۔ میں مرزا بھائی سے تجھے لے چکی!۔ فریال نہ رو۔ خدا کے لئے۔ مجھ پر رحم کر۔!"

"ابا جان خفا ہوں گے!۔ فریال!۔ دیر ہو رہی ہے!" جویریہ کو بہت غصہ تھا!۔

"اپی!۔ خدا کے لئے۔ آج نہ لے جائیے!۔ فریال پھپھک کر رو پڑی۔" میں پھچی اماں کو نہلا دھلا دوں۔ سر میں تیل لگا کر چوٹی گوندھ دوں!۔ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے کچھ نہیں کر سکتیں!۔ اب اس گھر سے میرا کیا ناطہ رہا!۔ اپی" ۔ میں کل ضرور آؤں گی!۔ ابا جان سے میری طرف سے کہہ دیجئے گا! وہ آج کی رات اور معاف کر دیں!"

"مگر تمہارا یہاں رہنا مناسب بھی نہیں ہے!۔ فرحانہ بولیں!۔

"بھابی.. امی نے ایک دن کہا تھا کہ ان کے بعد پھچی اماں میری ماں ہوں گی" فریال بولی۔ "مجھے یہاں کے کسی اور رہنے والے سے کیا مطلب....

میں اپنی ماں کے پاس رہوں گی!۔ مجھے میری ماں سے جدا نہ کیجئے بھابی پیاری
بھائی جان سے کہہ دیجئے مجھ سے نہ خفا ہوں! ہائے!۔ اپنے گھر کے در و دیوار مجھے
ڈس لیں گے!۔ وہاں میری امی نہیں ہیں! یہاں میری امی تو ہیں!" یہ کہہ کر ثریا بیگم
حسن سے چمٹ گئی اور ان کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پڑی "امی۔ چھپا لیجئے مجھے اپنے
سینے میں! سمو لیجئے مجھے اپنے دل میں۔ امی۔ مجھے معلوم ہے۔ آپ مجھ سے
محبت کرتی ہیں!۔ مجھے بچا لیجئے!"

"بیٹی۔ اس کا کہنا کر دو!" بیگم حسن نے اسے لپٹا لیا اور جویریہ سے بولیں "مرزا
بھائی سے ملنے میں کل خود ہی آؤں گی!۔ وہ تو ایک دیوانے کی بات پر بگڑ کر چلے گئے
کیا یونہی مجھ سے بھی ناطہ توڑ لیں گے!۔ کہہ دینا ان سے۔ منگنی کبھی ٹوٹ نہیں سکتی! اس
سے پہلے کہ میری بچی پر آنچ آئے! میں خود جان دے دوں گی! امین کو کسی بات
کا غصہ ہے۔! تم دیکھتی ہو کہ وہ مجھ سے بھی بگڑ بیٹھا تھا!۔ جب اسکے حواس درست
ہوں گے تو میں اسے بھی لاؤں گی!۔ انھوں نے میرے یتیم بچے پر ترس نہیں کھایا۔ یہ نہیں
سوچا کہ وہ خدا کے گھر سے پلٹا ہے!۔ بگڑ کر چلے گئے کیا یہی سب کچھ انھیں سزاوار تھا!۔
کیا ایک باپ کا وطیرہ یہی ہوتا ہے!؟"

"چچی اماں انھیں ذہنی دھچکا ایسا تھا کہ۔!؟" جویریہ کچھ بولنے چلی تھی کہ بیگم حسن نے کہا "مجھے
معلوم ہے جیسا دھچکہ لگا ہوگا۔ مگر یہ مرزا بھائی کو زیب نہیں دیتا کہ مجھ سے اور امین سے یوں
ہاتھ اٹھا لیں۔ اسکے بڑے ہیں! ہر طرح کا حق رکھتے ہیں! وہ اسے چھوڑ چکے!۔ مگر کیا میں بھی
انھیں چھوڑ دوں گی!؟۔ واہ واہ۔ برسہا برس کے تعلقات کا کیا پاس و لحاظ کیا ہے!؟"

غرضیکہ بیگم حسن نے ایسی بے نقط سنائیں کہ وہ چپ چاپ چلے گئے! حتیٰ کہ شمعی
بھی گئی! اور تنہا کمرے میں بیگم حسن اور ثریا رہ گئیں!۔

"بی بی اٹھو!۔ منہ ہاتھ دھو!۔ بہت رو چکیں!۔ اللہ پر نظر رکھو وہ سب اچھا کرے

گا!" یہ کہہ کر بیگم حسن نے فریال کو اٹھا دیا!۔ وہ بھی چپ چاپ اٹھ گئی!۔ شام کا اندھیرا در و بام پر مسلط ہو رہا تھا!۔ ایک ہمہ گیر اداسی زرنگار پر طاری تھی کہ خواہ مخواہ جی گھبرائے!۔ پھر مدھم سا چاند افق فلک پر نمودار ہوا اور پھیکی سی چاندنی اداسی میں گھل مل کر ماحول کو اور بھی سوگوار بنانے لگی!۔

بیگم حسن اور فریال کھانے کے بعد اندر کمرے میں جا بیٹھی تھیں!۔ بیگم حسن کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہشام کے خط کا تذکرہ کریں۔ مگر یہ سوچ کر ان کا دل دھڑکنے لگا کہ کہیں ایمن اسے بھی ناپسند نہ کرے!۔ وہ تو کسی قدر بیٹے سے ڈرنے لگی تھیں۔ لاکھ کچھ ہوتا وہ آخر ان کا بیٹا تھا!۔ ان کے بڑھاپے کا سہارا ان کی محبت اور ممتا کام کرتا۔ اسے خفا کرنا اس کی مرضی کے خلاف وہ کسی صورت پسند نہیں کرتی تھیں!۔ فریال بھی گم صم ایک ننھے سے تنکے سے اپنے دانت کرید رہی تھی نگاہیں فرش پر تھیں! چہرے سے ہویدا تھا کہ بہت کچھ سوچ رہی تھی!۔

گھڑی نے آٹھ بجائے! اور ملازمہ نے اطلاع دی۔ سہیل اور غضنفر آئے ہیں! فرحانہ اور جویریہ نے گھر جا کر بہت کچھ کہا تھا!۔ انھیں کسی صورت یہ گوارا نہ تھا کہ فریال زرنگار میں قیام کرے!۔

"امی۔ وہ مجھے لینے آئے ہوں گے!" فریال دہشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی!۔ بیگم حسن نے دونوں کو اسی کمرے میں بلایا۔ فریال کچن میں بھاگ گئی!۔ دونوں غصے میں بھرے ہوئے تھے مگر تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چپ چاپ کرسیوں پر بیٹھ گئے!۔ بیگم حسن ہی نے انھیں مخاطب کیا۔

"کیوں بیٹے۔ خیریت۔ اتنی جلدی پھر کیسے آئے؟!"

"چچی اماں!..." غضنفر نے کہا۔ "میں آپ کی خدمت میں کوئی گستاخی کرنا نہیں چاہتا۔ ایک عرض آپ سے ہے کہ فریال کو ہمارے ساتھ کر دیجئے! اپنی رسوائی

ہیں سر اٹھانے نہیں دیتی۔ شماتت ہمسایہ کا داغ زندہ در گور کردے گا!۔ آپ مجھ سے بڑھ کر جانتی ہیں۔۔۔ فرمائیے!۔ یہاں لڑکی کا رہنا مناسب نہیں ہے؟"

"نا مناسب بھی نہیں ہے!" بیگم حسن نے سرد لہجے میں کہا "جب نیا رشتہ ٹوٹ گیا تو پھر کیا باقی رہا۔ وہ میری بچی ہے۔ میرے پاس رہے گی!۔ دنیا کی اونچ نیچ اچھا برا تم سے بڑھ کر میں سمجھتی ہوں!"

"لیکن خاندان میں کوئی بات اٹھ کھڑی ہوگی تو طعنۂ اغیار کا جواب آپ نہیں دیں گی!۔ وہ تو ہمیں دینا پڑے گا۔!" ہمیں نے کہا۔ اور بیگم حسن برافروختہ ہوگئیں!۔

"طعنۂ اغیار" وہ زہریلے لہجے میں بولیں "کس کی مجال ہے کہ وہ مجھے طعنہ دے سکے!۔ کون ہے ایسا جو مجھ سے نگاہیں چار کرے!۔ تم ابھی کل اس خاندان میں شامل ہوئے ہو۔ امین کے باپ اور مرزا بھائی کی دوستی پچاس سال پرانی ہے!۔ جواب وہ ہیں ان کو ہوں!۔ تم سے کیا مطلب۔ تم لوگ کل کے بچے۔ ہمارے معاملات میں دخل دینے کا تم میں سے کسی کو کوئی حق نہیں ہے!۔ نہ میں تم سے ڈرتی ہوں نہ تمہارا کہا ماننے پر مجبور ہوں۔!۔ کہہ دینا مرزا بھائی سے کہ لاٹھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا ایک دیوار آڑ ہوتے ہیں دلوں کا بٹوارا نہیں ہو سکتا!۔ فریال میری بچی ہے۔ اس کا اچھا برا میں سمجھتی ہوں۔ اگر امین نے انکار کر دیا ہے تو کیا ہوا۔ ایک اچھا رشتہ تلاش کر کے میں خود اس کی شادی کروں گی!۔ اپنی عزت اور لاج پر میں جان دیدوں گی مگر یہ گوارہ نہ کروں گی کہ فریال پر آنچ آجائے!۔ جاؤ۔ کہہ دو اپنے باپ سے!۔ تمہارے مقابلہ پر کنیز فاطمہ ہے۔ جسے تم بھابی کہتے رہے اور بہن سمجھتے رہے!۔ اپنے ساتھ فوج لے کر آئیں اور نکال لے جائیں اپنی بیٹی کو یہاں سے تم لوگوں کی سردمہری سے اب مجھے بھی ضد ہوگئی ہے!۔ دیکھتی ہوں۔ فریال یہاں سے کیسی جاتی ہے؟ کس میں ہمت ہے کہ وہ اسے لے جائے؟!"

سہیل تو سٹپٹا کر چپ ہو گئے!۔ غضنفر کا چہرہ سرخ ہو گیا!۔ بہت سخت جواب زبان پر آیا تھا۔ ادب مانع تھا!۔ بیگم حسن سے وہ سب مرعوب و خائف رہتے تھے!۔ بڑی پر وقار اور دبدبہ والی خاتون تھیں!۔ غضنفر بڑے مہذب اور باتمیز تھے!۔ جان بوجھ کر بات نہیں بڑھائی!۔ ایک نظر ان پر ڈالی اور اٹھ کھڑے ہوئے!۔ اور سہیل کو اشارہ کیا کہ باہر چلیں!۔ دونوں کے آگے پیچھے کمرے سے نکل گئے!۔ مرزا صاحب بڑے سخت غصے میں واپس تو چلے آئے تھے مگر اب پچھتا رہے تھے سہیل نے ان سے من و عن سب باتیں کہہ دیں غضنفر اپنے گھر میں آکر شیر ہوئے!بہت چیخے چلائے گرجے برسے!۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ چاہے کچھ ہو جائے زرنگار جائیں اور کھینچ لائیں فریال کو۔ آئندہ سے کوئی تعلق بیگم حسن سے باقی نہیں رہے گا

"ابا جان آپ کی نرمی نے یہ گل کھلایا ہے!" وہ بولے "غضب خدا کا۔ اتنی زبردست توہین ہم شربت کے گھونٹ کی طرح پی جائیں!۔ ایمن نے آپ سے کہہ دیا کہ وہ منگنی منسوخ کرتے ہیں!۔ اور ماں نے ہماری لڑکی کو روک لیا۔ آخر یہ کیا پالیسی اور بدمعاشی ہے!؟"

"غضنفر!"۔ اچانک خلاف توقع مرزا صاحب دہاڑ اٹھے۔ "حواسوں میں رہ کر مجھ سے گفتگو کیا کرو۔ کسی نے بھابی اور ایمن کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے برا اور کوئی نہ ہوگا!۔ خبردار اب کوئی بیگم حسن کا نام نہ لے!۔ ان کا واسطہ مجھ سے ہے۔ تم میں سے کسی سے نہیں!۔ ان سے کچھ پوچھنے کا حق میں رکھتا ہوں!تم نہیں!۔ کیوں وہاں جا کر بات خراب کی!۔ سہیل اور غضنفر تم دونوں کان کھول کر سن لو اور تم بھی۔ جویریہ اور خرجانہ۔ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا اگر سنوں گا کہ اپنی خیر خواہی میں تم میں سے کوئی ایک بھی بیگم حسن سے گفتگو کرنے گیا ہے!۔ یہ میرا معاملہ ہے!۔ اور میں اپنے اختیارات تم میں سے کسی کو دینا نہیں چاہتا!"

"لیکن اپنی اس قدر اہانت۔!" غضنفر پر تو گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

"کچھ نہیں!۔" مرزا صاحب نے ہاتھ ہلا کر ان کی بات کاٹ دی۔ "اہانت اور توہین کا سوال فقیروں میں پیدا ہوتا ہے! بیگم حسن میری بہن ہیں۔ میری ماں ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گی جس سے میرے وقار پر اور ان کی آن پر حرف آئے! بس۔ تم لوگ جا سکتے ہو!" یہ کہہ کر وہ خود بھی بڑے جوش کے عالم میں کمرے سے نکل گئے!۔ ان کے جاتے ہی یہاں ہڑبونگ مچ گیا! ہزار منہ ہزار باتیں! سہیل اس گھر کے داماد تھے۔ وہ پھر کچھ نہیں بولے۔ فرحانہ بھی اسی موقف میں تھیں!۔ لیکن غضنفر اور جویریہ آپے سے باہر ہو رہے تھے!۔ مگر کچھ بس نہ چلتا تھا کہ کیا کریں۔ رات گئے تک وہ لوگ وہیں بیٹھے چہ میگوئیاں کرتے رہے!۔

ثریال کچن میں دبک گئی تھی!۔ اسے پتہ نہیں چلا کب وہ واپس گئے!۔ پھر بیگم حسن وہاں آئیں اور ثریال کو اپنے ساتھ لے گئیں!۔ ایمن پتہ نہیں اتنی دیر میں وہاں کب آیا تھا!۔

"یہ لوگ کیوں آئے تھے؟" اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"پھر بتاؤں گی!۔ کیوں آئے تھے!۔" بیگم حسن نے نرمی و سلاست سے جواب دیا۔ "تم بار بار بستر سے کیوں اٹھ آتے ہو؟۔ ڈاکٹر اشرف نے کہا تھا کہ ابھی ڈھنگ سے تمہارے زخم مندمل نہیں ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں پھر سے کوئی زخم کھل جائے آؤ چلو اپنے کمرے میں!۔"

"مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ آج میرے سارے بدن میں کل سے زیادہ درد ہے پیٹھ الگ ٹوٹی جاتی ہے۔ سر میں بھی تکلیف ہے۔ خدا غارت کرے۔ یہ میں خوامخواہ کن مصیبتوں میں پڑ گیا ہوں! کسی کی اچھائی برائی سے مجھے کیا واسطہ۔ شادی بیاہ سے مجھے کیا غرض۔ تقدیر میں جو نحوست ہوتی ہے وہ تو بہرحال پوری ہونی ہی ہے

کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا!"

"ڈاکٹر کو بلاؤں۔؟" بیگم محسن نے دریافت کیا۔" وہ دیکھئے بیٹھ کا زخم۔!"

"سعادت کو میں نے بھیجا ہے۔ احمد صاحب آتے ہوں گے۔" ایمن دالان ہی میں کین چیر پر بیٹھ گیا۔" کیا کہتے ہوں گے وہ لوگ دل میں۔ اتنے دن ہو گئے اسپتال نہیں گیا!"

"کیا انھیں علم نہیں ہے کہ تم مجبور ہو!" بیگم محسن بولیں۔" کس دن بے فائدہ ناغہ کیا تھا!۔ اچھے ہونا تو چلے جانا۔!

"اب مجھے بھلا اس اسپتال میں کیوں جانا ہے؟" ایمن نے آہستہ آہستہ اپنا کندھا دباتے ہوئے کہا اور سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک دیا۔" خدا مجھے لندن پہونچا دے۔ میں اپنا ذاتی اسپتال تعمیر کراؤں گا!۔"

سردی دالان میں زیادہ تھی! صحن سے ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی!۔ ایمن کے جسم پر کوئی گرم لباس نہ تھا!۔ اپنی جھنجھلاہٹ میں وہ جان بوجھ کر ہلکا لباس پہنے رہتا تھا!۔ گویا اسی بہانے ماں کو تکلیف پہونچانا چاہتا تھا!۔ بیگم محسن اس کے پاس آئیں اور چپکے چپکے اس کا سر دابنے لگیں!۔ فریال اندر سے اونی شال اٹھا لائی اور اس کے گھٹنوں پر ڈال دیا۔ ایمن نے نیم دراز آنکھوں سے دیکھا!۔ اس کی وہاں موجودگی سے وہ متحیر رہ گیا!۔ اس نے سہیل و غضنفر کی ایک ایک بات سنی تھی!۔ اور یقین تھا کہ فریال اپنے بھائی کے ساتھ جا چکی ہو گی!۔

یہ اس طرح مجھے متاثر کرنا چاہتی ہے۔ اس نے سوچا اور دوسرے لمحے پیروں پر سے شال ہٹا کر اندر دالان میں اچھال دی۔

"شکریہ!۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے!۔" اور یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں فریال چپ چاپ شال اٹھا کر اندر چلی گئی!۔

"بیٹے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ ایسا سلوک تو تم نے اپنے ملازموں سے بھی کبھی

نہیں کیا تھا؟" بیگم حسن بولیں۔ "مجھے تعجب ہوتا ہے۔ تم اتنے چڑچڑے اور غصیلے ہوگئے ہو۔ ایسا غیرانسانی برتاؤ اس سے نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ تو تمھاری ہی محبت میں یہاں پڑی ہوئی ہے تم نہیں جانتے مگر میں جانتی ہوں کہ اب سے دو روز جب خدا نہ کرے تمھارا جی اچھا نہیں تھا!۔ وہ ساری رات تمھارے پاس بیٹھی رہتی تھی!۔ روتی تھی اور تمھاری ہر اچھی بری سہتی تھی!۔ اتنی خدمت اس نے تمھاری کی ہے کہ تمھاری کوئی سگی بہن ہوتی تو نہ کرتی!۔ اس کا احسان ماننے کے بجائے تم الٹا خفا ہوتے ہو۔ یہ بڑی بری حرکت ہے۔ مر جائے گی بدنصیب بچی اس طرح!"

"ظالم مرتے نہیں۔ مارتے ہیں امی!" بیگم حسن کی طویل نصیحت کے جواب میں اس نے کہا۔

"افسوس۔ افسوس ...!" بیگم حسن مغموم لہجے میں بولیں۔ "یہ میں کیا سن رہی ہوں مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی!۔"

"غلط توقعات ہمیشہ دکھ پہونچاتے ہیں!" ایمن بولا۔ اتنے میں ملازم نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر صاحب آگئے ہیں!۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔

اشرف اور احمد نے زخم دیکھے!۔ اور دھو دھا کر از سر نو پٹیاں باندھیں!۔

"کرنل صاحب کا کیا حال ہے؟" ایمن نے پوچھا۔

"جی۔ بس زیادہ تر خاموش رہتے ہیں!" احمد نے جواب دیا۔ "اور جب ہوش میں آتے ہیں رونے چیخنے لگتے ہیں!۔ ڈاکٹر عمر کا خیال تھا!۔ انھیں مینٹل سنٹر میں ایکسچینج کر دیا جائے!"

"سر۔ آپ کب تشریف لائیں گے!۔" اشرف نے پوچھا "اب تو آپ قدرے ٹھیک ہیں!"

"میں بورڈ کے نام استعفا بھیج رہا ہوں!۔" ایمن نے سرد مہری سے کہا "کیونکہ

میرا ارادہ پھر لندن واپس جانے کا ہے!۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ حضرات کا ساتھ چھوٹ جائے گا!۔ لیکن میں مجبور ہوں!"

"ہم سے یا ہمارے کسی ساتھی سے کوئی غلطی ہوئی ہے جناب!...؟" احمد نے پوچھا۔

"نہیں۔ مسٹر احمد۔ آپ سے یا آپ کے ساتھی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ بس یہ سمجھئے کہ یہ میرا ایک ٹور تھا!۔ جو ختم ہوا اور اب میں واپس جانا چاہتا ہوں" ایمن نے کہا۔

"لیکن ہم سب نے آپ سے بہت زیادہ روشنی پائی تھی اب توقع نہیں ہے کہ آپ کا سا نرم دل مہربان اور شفیق آفیسر ہمیں دوبارہ مل سکے گا!" اشرف نے کہا "کرنل اپنے فیصلے پر نظر ثانی کیجئے!۔ مجھے اس خبر سے دلی تکلیف پہونچی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے جانے کے بعد میں بھی مستعفی ہو جاؤں!۔ کیونکہ کسی کی ڈکٹیٹر شپ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی!۔ آپ تو ہمارے چیف نہیں۔ ہمارے ہمدم دوست تھے!"

"اس حسن خلوص کا شکریہ۔ اشرف" ایمن نے کچھ مسکرا کر کچھ کراہ کر کہا۔ "لیکن آدمی کی مجبوریاں ارادوں کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں!۔ یہ معلوم کر کے مجھے بھی بڑی مسرت ہوئی کہ آپ حضرات اپنا دوست سمجھتے تھے!"

"کرنل!۔ کیا آپ مس جبار کی وفات سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں!" احمد نے یکبارگی پوچھا "مس جبار کی وفات...!" ایمن کے دل پر دھکا سا لگا!۔ "ہاں۔ دل برداشتگی کی بات بھی تھی کہ آپ سب کے ساتھ وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ جو یکبارگی کامیاب بھی رہا اور ناکام بھی!۔ لیکن ایک سرجن کی زندگی میں تقریباً روز ہی ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ ڈاکٹر اگر متاثر ہونے لگیں تو بیمار وقت سے پہلے ختم ہو جائیں!۔ بہرحال۔ مجبوری۔ میری ذاتی تھی۔ اس کا کوئی تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے!"

ملازم چائے لے آئے!۔ دونوں بڑے افسردہ تھے!۔ چائے پی کر رخصت ہو گئے
ایمن آج سخت بے چینی محسوس کر رہا تھا!۔ جیسے اس کے چارہ گر زخم پر مرہم رکھنے
کے بجائے کچھ اور زخم دے گئے ہوں! اس نے سگریٹ سلگایا اور دریچے میں آ کھڑا ہوا
ملگجی چاندنی میں پرانے قلعے کے آثار ڈراؤنے لگ رہے تھے! بے آب و گیاہ میدان
میں تند ہوائیں چیخ رہی تھیں!۔ اس نے سگریٹ پھینک دیا اور دریچہ بند کر کے بستر
پر آ بیٹھا! اس کا ذہن مختلف خیالات اور افکار کا آماجگاہ بن کر رہ گیا تھا! شام کی موت، کرنل
صاحب کا پاگل پن، فریال سے سوءِ ظن اور اپنی بیماری - وہ یوں پیچ و تاب کھا رہا تھا
جیسے کسی نے شیر کو زخمی کر کے پنجرے میں قید کر دیا ہو! پھر ذہنی پریشانی پر جسمانی
اذیت غالب آئی اور وہ کراہنے لگا!۔
پتہ نہیں۔ اسکی آنکھ کب لگی۔ نیند میں بھی کرب کا اظہار چہرے سے ہو رہا تھا۔!!!

سار ی رات فریال بھی سو نہ سکی! ایمن کی تمام تکلیفیں اسکے دل پر گزر رہی تھیں
بیگم حسن تھکی ہاری تھیں وہ عشاء کی نماز کے بعد چوکی ہی پر لیٹ گئیں۔ اور غیر ارادی طور پر
ان کی آنکھ جھپک گئی!۔ فریال وہیں بیٹھی تھی!۔ ساڑی کے آنچل میں خود کو چھپائے
وہ کانپ رہی تھی! اس نے بیگم حسن پر رضائی ڈال دی اور خود آرام کرسی پر بیٹھی
سوچتی رہی!۔
آخر کس توقع پر اس نے یہ ایثار کیا ہے؟! اب تو کوئی امید باقی نہیں رہی تھی
مجبوراً، مایوس وہ بڑی دیر تک یونہی بیٹھی رہی!۔ وسط شب کا مہیب سناٹا کائنات پر طاری

تھا!۔ باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی!۔ چاند پر ابر کا گہرا نقاب سنڈھا ہوا تھا!۔ تلخ و تند ہوائیں چل رہی تھیں ۔ انکار کی ہولناک آندھی اس کے ذہن میں بھی چل رہی تھی ۔

احساسات عجیب ہوتے ہیں ۔ محبت بھی ایک از خود رفتہ کر دینے والا احساس ہی تو ہے ۔ وہ محبت کو زندگی کے سفر میں کراسنگ میل نہیں ۔ سنگ میل سمجھتی تھی!۔ زندگی بھر کا سرمایہ ۔ اجو لٹ جائے یا چھن جائے تو انسان اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو تو بھی کنگال ہو جائے!۔ وہ تو خود کو بہلانے لگی خوش نصیب سمجھتی تھی!۔ مگر اب ۔

نہیں... وہ خود کو بہلانے لگی ۔ اسے ضبط نفس اور خود داری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے ۔ ایک بحر ذخار جس میں لاکھوں طوفان آئیں ۔ ہزار ہلچل مچے ۔ وہ اپنے مقام پر رہتا ہے!۔ نہ کی سیلابی ندی ۔ جس میں ذرا سا مد و جزر ہوا اور وہ کناروں پر سے چھلک اٹھی ۔

ایک مرد کی خاطر ۔ وہ اپنا آپ ہرگز نہیں کھوئے گی! چاہے ساری زندگی یونہی گزر جائے!۔ اگر وہ ایمن کی نہیں تو کسی کی نہیں!۔ وہ ڈاکٹر تھا ۔ سنگدل اور بے مہر!۔ لیکن فریال محبت کے بہت نرم لہجے لطیف احساسات اپنے دل کے نہاں خانے میں چھپائے ہوئے تھی!۔

گھڑی نے ڈھائی کا ادھا بجایا!۔ بیگم حسن بے خبر سو رہی تھیں!۔ فریال اٹھ کھڑی ہوئی!۔ وہ دریچہ بولٹ کر دیا جس سے ہوا اندر آ رہی تھی ۔ پھر دروازے کا پردہ برابر کر کے باہر نکلی!۔ اور چند لمحے وہ برآمدے ہی میں کھڑی سوچتی رہی ۔ اپھر ایمن کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے!۔

اس کی خواب گاہ میں ٹرانسفارم کی مدھم نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی!۔ کمرے کی ہر چیز بے ترتیب حالت میں پڑی ہوئی تھی! فریال دروازے پر ٹھٹھکی ۔

خواب آگیں روشنی میں ایمن کا اداس زرد چہرہ بڑا عجیب لگ رہا تھا! جس پر بیک وقت معصومیت اور بزرگی کی متانت چھائی ہوئی تھی!۔ بند پلکیں ۔ لب نیم وا ۔ شدید

سردی میں وہ کچھ اوڑھے بغیر سکڑا سمٹا لیٹا ہوا تھا۔ نہ جانے کہاں اسکے تکلیف تھی کہ نیند میں بھی وہ ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ فریال کے دل میں پھر وہی طوفان اٹھنے لگے جو ایمن کے قرب پر اٹھنے لگے تھے۔

"آہ۔ آہ ...." ہلکی ہلکی کرب آلود کراہیں اس کے دل سے ٹکرائیں۔ اور وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کے قریب چلی گئی۔ ہاتھ پیر سرد۔ دل کی دھڑکن کنپٹیوں میں گونج رہی تھی۔ ایسا لذت انگیز خمار آنکھوں میں تھا کہ سامنے کی چیزیں دھندلی نظر آ رہی تھیں۔ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے لحاف اٹھایا اور چپکے سے اسکے سینے تک اڑھا دیا۔ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی کہ بینڈیج ہاتھ ہمیشہ نرم تکیے پر رکھا جائے۔ مگر اب تکیہ الگ پڑا تھا اور ہاتھ بستر پر ٹکا ہوا تھا۔ شاید اسی پوزیشن سے ایمن کو تکلیف ہو رہی تھی۔ فریال نے آہستہ سے تکیہ اٹھایا اور اس کی کہنی کے نیچے رکھ دیا۔ اسکی آہیں کراہیں تھم گئیں۔ وہ سکون کی گہری نیند سو گیا۔

فریال پر تیمارداری کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ ایمن نے اپنے درد کا اظہار کیا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور بہت چپکے چپکے بالکل آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبانے لگی۔ اس کے دل میں سکر آمیز مسرت کی لہریں مچل رہی تھیں۔ ایک عجیب سرشاری تھی۔ مدہوشی سی جیسے وہ جو کچھ چاہتی تھی وہ اسے مل گیا تھا۔ کوئی گلہ کوئی شکایت اسے اب نہیں تھی۔ سب کچھ وہ بھول گئی۔ اسے ایمن کی پچھلی محبت یاد آئی۔ اور ایک نغمہ سا اس کے نہاں خانہ دل میں گونجنے لگا۔

"وہ سفر جو ہم نے ایک ساتھ کیا تھا۔ کبھی آپ کو یاد آتا ہے؟"

میری پہلی اور آخری رات ... جب آپ تھکی ہاری میرے بازو پر سر رکھکر سو گئی تھیں۔

"کاش وہ لمحے جاوداں ہوتے۔ لیکن لمحوں کو ثبات کہاں۔ وہ گئے تو گئے۔"

"فریال۔ پھر آجائے۔ ایک مرتبہ ویسی ہی نیند!"

ایمن کی ہنسی فریال کے دل میں گونجی بے اختیار وہ اپنے آپ مسکرائی!۔ اور مخمور نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی! پھر اسے گمنام سی موسیقی کی اٹھتی بیٹھتی لہروں میں سنائی دیا جیسے دور سے کوئی کہہ رہا ہو۔

"فریال۔ میری فریال۔ خدا کی قسم۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ میں تمہارا ہوں اور ہمیشہ تمہارا رہوں گا۔"

"تمہاری محبت کا شریک نہ کوئی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔"

پھر فریال کو محسوس ہوا جیسے اس کی باہوں میں وہ سمٹ گئی ہو۔ اس کی گرفت تنگ تر ہوتی گئی!۔ وہ بے خود بے اختیار ہو کر فریال اس کے قدموں سے لپٹ گئی!۔ رات کے پل بھاگتے رہے! سناٹا دھیرے دھیرے گہرا اور گمبھیر ہونے لگا!۔ ایمن بے خبر پڑا سوتا رہا اور فریال اس کے قدموں پر سر رکھے چپکے چپکے آنسو بہاتی رہی۔ اور اب پر محبت آوازوں کی بازگشت بڑی دل شکن ہو گئی تھیں!۔

"تم سنگدل ہو، مفاد پرست ہو۔ اپنے بے مثال حسن سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ یہ گناہ ہے"۔

"آپ کن زخموں کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ فریال صاحبہ ؟"

رات گزرتی رہی اور وہ اس کے قدموں پر سر رکھے آنسو بہاتی رہی! پھر اسی حالت میں وہ غافل ہو گئی۔ دفعتاً اسکی سسکیاں ایمن کے کانوں سے ٹکرائیں۔ اسے اپنے پیروں پر بوجھ کا احساس ہوا۔ نندا سی پلکیں خواب گوں روشنی میں مندی جا رہی تھیں! پہلے تو اسے کچھ دکھائی نہیں دیا پھر جب وہ اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوا تو عجیب منظر دیکھا! جس نے اسے مبہوت و ششدر کر دیا!۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا! جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے وہ حقیقت ہے یا غافل ذہن کا ایک وہم!۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا!۔ نہ تو آواز دی نہ زور سے سانس لینے کی ہمت کی

پھر فریال ہی چونکی اور اس کے پیر دل پر سے اٹھ گئی!۔ اس نے ایمن کو خواب غفلت میں گم دیکھ کر پھر سے اس کا جائزہ لیا۔ لحاف پہلوؤں پر برابر کیا۔ اور بڑے پیار سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھائیں!۔ ایک بے ضبط سی سسکی اس کے لبوں سے نکلی اور دوسرے لمحے وہ کمرے سے نکل گئی!!۔

رات کا دم ٹوٹ رہا تھا!۔ فریال نے بیگم حسن کے کمرے کا پردہ برابر کر کے وضو کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی!۔ بڑی خشوع و خضوع سے فجر کی نماز پڑھی! اور پھر موم بتی روشن کر کے تلاوت کرنے بیٹھ گئی!۔ خوامخواہ اس کے انگ انگ سے مسرت کے چشمے جاری تھے!۔ اپنی خوشیوں کی وجہ وہ خود بھی نہ تلاش کر سکی!۔

ایمن کی نیندیں اڑ گئیں!۔ وہ اپنے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ ذہن میں لاوا سا پک رہا تھا اور سانسیں دھونکنی کی طرح پھول رہی تھیں!۔ اس نے دانت پر دانت جکڑ لئے اور اندھیرے خلاؤں میں گھورنے لگا!۔ پردہ تیز و تند ہواؤں سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

کیا سچ مچ فریال یہاں آئی تھی!۔ وہ اب بھی فریال کی آمد کو اپنے خوابیدہ دماغ کا کرشمہ سمجھ رہا تھا!۔ اور سوچتے سوچتے اس کے اندر کا وحشی جاگ اٹھا!۔ اسے معلوم تھا فریال اپنے کمرے میں سو رہی ہو گی!۔ اس خیال نے اس کے انگ انگ میں شعلے بھڑکا دیے!۔ اپنے آپ پر قابو پانا دشوار ہو گیا! وہ تمام صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں!۔ جو اچھا برا یا گناہ ثواب کا خیال کرتیں! بستر سے اترا اور اندھیرے میں ننگے پاؤں چلتا ہوا برآمدہ عبور کیا!۔ اسے صرف یہی احساس تھا!۔ وہ فریال کے پاس جا رہا ہے!۔ عواقب سے بے پرواہ دل دھڑک رہا تھا! اس رات کے سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں!۔ صبر و ضبط دشوار ہو رہا تھا۔ اس رات کے معصیت آمیز اندھیرے میں ڈاکٹر ایمن مکمل طور پر سو گیا تھا اور ایک وحشی اور

نا عاقبت اندیش مرد اپنی تمام سفاکیوں اور بہیمتوں کے ساتھ بیدار ہو گیا تھا! فریال کی مکمل تباہی کا منصوبہ باندھے اس نے برآمدہ عبور کیا!۔ اور اس کے دروازے کے پاس چند لمحوں کے لئے تھم گیا!۔

فریال اپنے کمرے کا دروازہ بند نہیں کرتی تھی! پتہ نہیں کب بیگم حسن کو اسکی ضرورت ہو۔ اب بھی دروازہ نہیں تھا!۔ پردہ البتہ پڑا ہوا تھا؟!۔

ایمن نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا اور اپنی بے لگام خواہشوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرنے لگا جو سرکش ناگوں کی طرح پھن کاڑھے کھڑی تھیں!۔

اور ایک ہاتھ مار کر پردہ ہٹا دیا!۔

لیکن اسے یوں معلوم ہوا جیسے زمین نے اس کے قدم پکڑ لئے ہوں!۔ آنکھوں کے آگے پھیلا ہوا کہرا چھٹ گیا!۔ پردہ مٹھی میں دبوچے وہ دیکھ رہا تھا!۔

کمرے میں موم بتی کی پاکیزہ اور ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی! فریال قبلہ رو بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھی!۔ ننھا سا ہالہ اس کے چہرے کے گرد محیط تھا!۔ یوں معلوم ہو رہا تھا۔ روشنی اس کے تقدس و مطہر عارضوں سے پھوٹ رہی ہو! سفید آنچل سر پر لپٹا ہوا تھا اور پلکیں بھگی ہوئی تھیں! محدود سی فضا میں اس کی نرم و شیریں آواز گونج رہی تھی!۔

ایمن کے اندر چھپا ہوا سرکش اور سفاک مرد آہستہ آہستہ پھر سو گیا! شیطان پر فرشتے غالب آئے!۔ اس کی پیشانی پسیجنے لگی!۔ وہ لگاتار اسے دیکھے جا رہا تھا!۔

فریال نے تلاوت ختم کی!۔ آنکھوں سے بوسہ دے کر قرآن پاک کو رحل پر رکھا اور دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھا دیے!۔

پروردگار عالم! پھر تیری حقیر و ناچیز بندی تیرے حضور میں اپنی خالی جھولی پھیلائے ہوئے آئی ہے! سُن لے میری دعائیں میرے اللہ! اب دل

میں طاقت نہیں!۔ زبان سے کہنے کا یارا نہیں!۔ میرے دانا بینا!۔ میرے قلب کی حالت سے تو بہتر واقف ہے مجھے میری مسرتوں سے ہمکنار کر دے میرے اللہ!۔ اگر میری دعائیں راندۂ درگاہ ہو جائیں تو پھر مجھے بھی دنیا سے اٹھا لے!۔ ایک سسکتی ہوئی زندگی سے پرسکون موت بہتر ہے!۔ اللہ اے اللہ۔ واپس کر دے مجھے میری خوشیاں۔ میں جسے چاہتی ہوں!۔ اسے صحت دے۔ زندگی دے!۔ چاہے میری جان لے لے۔ انہیں میری عمر لگ جائے۔ وہ چاہے جو کچھ میرے ساتھ کریں۔ مگر ان کی خوشیاں ان کا سکون انہیں واپس کر دے۔ دبے جیتی۔ وہ تڑپ مجھ سے دیکھی نہیں جاتی!۔ جو میرا مقدر بن کر رہ گئی ہے!۔ اللہ! اے اللہ میرے ایمن کو زندگی دے اور مجھے بھی جلا دے!"

فریال نے آنسوؤں سے تر چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے اور ایمن جلدی سے پردہ چھوڑ کر واپس لوٹ گیا!۔ قدم رکھتا کہیں تھا اور پڑتا کہیں اور تھا! دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مگر اس کی دھڑکن پر ہیجان نہیں تھی!۔ تیز خنکی کے باوجود اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا!۔ اندھوں کی طرح گرتا پڑتا اپنے کمرے میں آیا اور کرسی میں گر گیا۔

"یا اللہ۔ مجھے معاف کر دے!... آج مجھے کیا ہو گیا تھا" اس نے کرسی کا ہتھا جکڑ لیا "میں اسے برباد کرنے پہونچا تھا!" اس نے ایک سسکی لے کر اپنے ہاتھ پر سر اوندھا لیا!۔ وقت گذرتا رہا! صبح صادق کی منور منور جھلکیاں افق پر تملا رہی تھیں! رنگ برنگی لہریے مدھم مدھم ستاروں کو اپنے دامن میں سمیٹنے لگے تھے!۔ مسجدوں میں اذانیں ہو رہی تھیں!۔ اور بڑی حسین و دلکش صبح قریب تھی!۔ ایمن نے چہرہ اٹھایا۔ پژمردہ اور اداس چہرہ۔ یک بیک اس کی نظر کھڑکی سے جھانکتے ہوئے آسمان پر پڑی!۔ اور

وہ سحور وبیخود سا اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ اپنی کوئی تکلیف اسے یاد نہیں تھی! نہ بازو کی ٹیسیں نہ پیٹھ کا درد۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ابھرتی ہوئی صبح کو دیکھ رہا تھا! اور سوچ رہا تھا! کیا ایسی خوبصورت، اور نئی صبح اسکی زندگی کے افق پر طلوع نہیں ہو سکتی ؟!۔

پھر آفتاب نکلا اور صبح اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ جلوہ گر ہوئی!۔

کسی نے کال بیل بجائی۔ اور دوسرے لمحے ملازم ناصر نے باری صاحب کی آمد کی خبر سنائی!۔ تھکن کی ایک گہری سانس لے کر ایمن کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔!

باری کی آواز باہر سے آرہی تھی!۔ اور وہ پھر کمرے میں داخل ہوا۔ اور ایمن کی شکل دیکھ کر جہاں کا تہاں کھڑا ہو گیا!۔ پھر اسے شرارت سوجھی!۔

"معاف فرمائیے گا!۔ مجھے ڈاکٹر آفندی سے ملنا ہے!۔ آپ کو میں نہیں پہچانتا!"۔

"بکومت۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم دائیوا میں بھی اچھی پوزیشن لائے ہو۔ تقرر کب ہو رہا ہے!" ایمن نے کہا اور صوفہ پر بیٹھ کر بڑے سولرپا نہ انداز میں نئی نویلی واڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا!۔

"او ہو!۔ میں تو پہچان ہی نہیں سکا کہ تم ہی سول سرجن بہادر ہو!" باری اس کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں تو تمھاری شکل دیکھ کر ڈر گیا تھا کہ چڑیا گھر وہ سے کوئی بن مانس نکل بھاگا ہے!۔ آخر یہ کیا وحشت طاری کی ہے تم پر۔ اب تو خدا کے فضل سے ٹھیک ہو گئے ہو

"کیا ماموں بھیا بھی آئے ہیں باری" ایمن نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور۔!" باری مسکرایا! اس کے کان کے پاس منھ لاکر رازداری سے بولا۔ "میری جنت نگاہ بھی!"

"ارے۔ تو تمھی نہیں آئے میرے پاس!" ایمن چونک کر بولا۔

"اب کوئی تمھارے پاس نہیں آئے گا!" باری نے کہا "سب تم سے خفا ہیں! ایسی شدید ترین حماقت آنجناب نے فرمائی ہے کہ خدا صورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا! وہ

تو پرانی دوستی کا خیال ہے کہ میں دل پر جبر کر کے چلا آتا ہوں!۔ ورنہ سچ پوچھو تو سب سے زیادہ تم سے ناراض میں ہوں!۔ ایسی اچھی لڑکی، صورت وسیرت میں بے مثال اور تم نے اسے ٹھکرا دیا۔ ایمن یہی جذباتی رشتے آخر میں خون کے رشتے بن جاتے ہیں!۔ تم نے اس کا کبھی کچھ خیال نہیں کیا!۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ باری۔ لیکن میں تمھیں بتاؤں گا۔ واقعہ کیا ہے؟۔ ایمن نے مضمحل آواز میں کہا۔" خیر۔ تم ناشتہ کرو۔ میں بھی ذرا ہاتھ منھ دھولوں۔ ناصر سے کہو۔ کافی لے آئے!

باری نے دروازے ہی پر جا کر کافی کی ہانک لگا دی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ پھر کافی آئی اور ساتھ ہی نہا کر ایمن بھی غسلخانہ سے آگیا!۔ کافی بناتے ہوئے باری نے پوچھا۔

"ابا میاں کہہ رہے تھے کہ پھر تم پر لندن جانے کا سودا سوار ہے۔ یہ کیا قصہ ہے؟" ایمن ہنسنے لگا!۔" ابا میاں کے سننے میں غلطی ہوئی ہو گی!۔ میں تو کہیں نہیں جا رہا!۔"

"سچ سچ؟"۔ باری اچھل پڑا۔

"بالکل!۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔ اور پیالی لبوں سے لگالی!۔

"مگر وہاں تو بڑا غل مچ رہا تھا کہ تمھارے دماغ میں عجیب کیڑا رینگا ہے!۔"

"ارادہ میں نے ظاہر کیا تھا! مگر اب سوچتا ہوں کہ ایک سرے سے سب کو اور خاص کر تم کو خفا کر کے چلا جانا مناسب نہیں ہے۔ پتہ نہیں۔ کس کس کی بددعائیں مجھے لگیں!۔" ایمن نے کہا پھر اس نے سنجیدگی اختیار کر لی اور بولا۔ میری کوئی بات تم سے چھپی نہیں ہے باری!۔ میں تم سے سب کچھ کہہ دوں گا۔ کیسے کیسے کرب و عذاب کے طوفان مجھ پر سے گزرے ہیں!۔ اچھا دیکھو۔ میری لائبریری میں جو ڈھانچہ کھڑا ہے اس کی کھوپڑی سے ایک لفافہ نکال لاؤ!۔"

"ڈھانچہ سے؟" باری نے کہا۔" اگر اس نے مجھے سلام کر کے مصافحہ کرنے کی کوشش کی تو؟"

"اچھا میں خود ہی جاتا ہوں!" امین جھنجلا کر اٹھے "جاتا ہوں بابا، جاتا ہوں!"
باری اٹھتا ہوا بولا "تمہارے عشق میں میرا تو کباڑا ہو گیا۔ روائتی معشوق کی طرح ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے!"

امین برا سا منہ بنا کر سگریٹ سلگانے لگا! اتنے میں باری ایک لفافہ ہاتھ میں لئے آ گیا! "پڑھو۔ باری۔ پھر تم مجھے بالکل بے قصور سمجھو گے!" امین نے کہا۔ باری نے لفافہ سے خط نکالا اور جلدی جلدی اس پر نظریں دوڑانے لگا! اور پھر خاتمہ پر وہ متحیر و متعجب نظر آنے لگا! امین نے ٹھہر ٹھہر کر اور رک رک کر ساری تفصیل اسے کہہ سنائی!

"میں نہیں کہتا کہ میں ہشام کے غم میں دیوانہ ہو رہا ہوں! باری۔ وہ تو ایک دن اچانک مرنے ہی والی تھی! لیکن مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ فریال نے مجھ سے جھوٹ کہا۔ ہشام سے ہمدردی کے پردے میں بیدردی کی! یقیناً آتنی بڑی میری رکاکت اور منافقت ہشام برداشت نہ کر سکی۔ فریال نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہشام کی مختصر سی زندگی تک مجھ سے تعاون کرے گی۔ مگر عورت کی فطرت۔ جیسے ہشام نے اسے برداشت نہیں کیا۔ اسی طرح فریال نے بھی اپنا شریک گوارہ نہیں کیا!"

باری نے خط لفافہ میں رکھ کر میز کے خانے میں مقفل کر دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا "امین۔ تمہیں دھوکا بھی ہو سکتا ہے! تم نے فریال سے تحقیق کی کہ اسی نے ہشام سے اپنی منگنی کا تذکرہ کیا تھا!"

اسی نے کہا ہوگا۔ باری۔ اور کون کہہ سکتا تھا!" امین نے کہا۔ "مجھے بہر حال اسی کا غم تھا کہ فریال کو اپنے اس قدر پست کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا!"

باری کی شوخی اور زندہ دلی پر سنجیدگی اور فکر مندی کا کہر چھا گیا! اسے بھی بہت افسوس ہوا تھا! فریال کو ان تمام احساسات اور رقابت کے جذبے سے وہ پاک و منزہ

اور بلند و برتر بھارہا تھا۔ چپکے چپکے پُر خیال انداز میں سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

"لیکن باری۔ اتنی درخواست تم سے میری ہے کہ یہ باتیں کسی سے مت کہنا!"

"مطمئن رہو!" باری نے کہا۔ اتنے میں شمی کمرے میں داخل ہوئی اور باری سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا!

"میں پھوپھی جان سے مل آؤں!"

بیگم حسن اور فریال دالان ہی میں تھیں۔ فریال سے غفار صاحب باتیں کر رہے تھے! اس سے انھیں بے پناہ ہمدردی تھی! فریال نے سر اٹھا کر باری کو دیکھا اور پھر مسکرا کر سر جھکا لیا...

"بچے۔ ایک بات سنو!" بیگم حسن نے باری سے کہا۔

"سنتی ہو!" باری فریال کو مخاطب کر کے آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تیس کم ساٹھ سال کی میری عمر ہو رہی ہے اور پھوپھی جان مجھے بچے کہہ کر مخاطب کرتی ہیں!" فریال ہنسنے لگی! غفار صاحب نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ وہاں سے بھاگا!

بیگم حسن اسے اپنے کمرے میں لے آئیں! وہ بڑی تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ ان سفید بالوں کے سائے میں ضعیف اور مغموم چہرہ بڑا شفیق مگر ساتھ ہی بیحد باوقار نظر آ رہا تھا۔

"پھوپھی جان! آپ نے ناشتہ کیا ہے یا میں کافی بناؤں آپ کے لئے!"

"بچے تیری عمر دراز ہو!" وہ غم آلود نرم لہجے میں بولیں۔ خود مسہری پر بیٹھتی اور باری کو اپنے پاس بٹھاتی ہوئی کہنے لگیں! "تو نے میرا بڑا ساتھ دیا۔ باری میاں! زندگی کی کڑی سے کڑی مصیبتوں میں اس قدر میں نے خود کو پریشان اور بے یار و مددگار محسوس نہیں کیا۔ جیسے اب کر رہی ہوں۔ خیر۔ مجھے بتاؤ۔ مرزا بھائی کے یہاں کیا حالات ہیں؟ وہ تو مجھ سے خفا ہو گئے! ایمن نے کوئی صورت میری کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رکھی! میں تو سمجھتی ہوں کہ ان کے حواسوں پر بھی اثر ہوا ہے۔ ورنہ ایسے دیوانے اور تیغ بے نیام

وہ کبھی نہیں تھے!۔ باری۔ پاسپورٹ اور ویزا بن کر آگیا ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ!؟"

"نہیں پھوپھی جان!" باری نے دیر تک انھیں مضطرب رکھنا گوارا نہیں کیا! "امین کے حواس بالکل درست ہیں!۔ اور وہ لندن وغیرہ جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے! ابھی مجھ سے اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے!۔ اگر وہ بالفرض محال ایسا ارادہ کر بھی لیتے تو میں کب جانے دیتا!"

بیگم حسن خوش ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگیں "بیٹا! تمھیں غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں!۔" باری ہنسنے لگا! "آپ مطمئن رہیئے!۔ اگر مجھے غلط فہمی ہوتی تو میں کبھی اتنی قطعیت کے ساتھ ان کے ارادے کا اظہار آپ سے نہ کرتا!"

"مجھے یقین نہیں آتا! باری بیٹے!۔"

"یقین کر لیجئے۔ پھوپھی جان!۔ وہ تو مجھ سے بالکل پہلے والے امین بن کر ملے۔ نہ تو غصہ نہ تو بر ہمی۔ ایک ایک وجدان آدمی پر سے مختلف حالتوں میں گزرتا ہے اسے انسان کا مزاج اور واقعی کردار نہ سمجھ لینا چاہیئے!"

بیگم حسن کو گویا نئے سرے سے زندگی ملی۔ یقین ہو گیا کہ اب وہ مرزا صاحب کو بھی راضی کر لیں گے۔ باری باہر نکلا! غفار صاحب شاید امین سے ملنے گئے تھے!۔ فریال دھوپ کے رخ پر بیٹھی کسی سوچ میں گم تھی!۔ باری کو دیکھ کر مسکرائی!۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا! اور بڑے بارعب لہجے میں بولا۔

"فریال میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم سے!"

"پوچھیئے!" وہ دلآویز طریق پر ہنسنے لگی! "مگر آپ تو ڈراتے ہیں۔!"

"اچھا سوچ لو کہ اس وقت میری پوزیشن تمھارے دوست یا بڑے بھائی کی سی نہیں ہے!۔ ایک استاد کی ہے۔ جو غلط جواب پر کان بھی کھینچ سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے!۔" باری نے کہا۔

"پوچھیئے نا!" فریال تنک کر بولی "خوامخواہ دھمکانے لگے آپ!"

"فریال... خدا کے لئے مجھے سچ سچ بتانا" باری نے نگاہیں جھکا کر پوچھا۔ "کبھی ایسا ہوا تو تمھاری شام کی گفتگو کے دوران میں آیا تھا کہ تم نے اپنی منگنی کا اظہار ان سے کر دیا ہو!"

فریال کا چہرہ تمتما گیا۔ اور اس کی پلکیں جھک گئیں!۔

"بے بی۔ تمھاری بات فقط مجھ تک رہے گی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری کسی فروگذاشت کا تذکرہ میں کسی سے نہیں کروں گا!" باری نے کہا اور اس کی ٹھوڑی تھام کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ دفعتہً فریال کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اور وہ دھیرے سے بولی۔

"باری بھیا! اگر آپ کو سچ مچ سب کچھ معلوم ہے تو یہ معلوم ہو گا کہ میں نے زندگی کی آخری سانسوں تک ایک راز کو راز رکھنے کا وعدہ کیا تھا!۔ اتنی کم ظرف اور سطحی آپ نے مجھے سمجھا کہ ایسا سوال مجھ سے کیا۔ شام سے میں بہت کم ملی۔ اور جب کبھی ملی صرف ان کی صحت و سلامتی کی دعائیں انھیں دیتی رہی۔ مجھے ان سے گہری ہمدردی اور محبت تھی!۔ میں نے اکثر سوچا تھا کہ اگر وہ مکمل طور پر صحت مند ہو جائیں تو ان کے حق میں اپنی آرزو سے دست بردار ہو جاؤں گی!۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو میرے قلب کی کیا کیفیت ہوتی!۔ آپ ہی بتائیے؟!"

"میں کیا بتاؤں۔ میری بہن۔ تم تو مجھے اتنی بلند دکھائی دے رہی ہو کہ تم تک میری نظر میں نہیں پہونچتیں!" باری نے بڑے سوتر اور مخلص لہجے میں کہا "مجھے معاف کرنا۔ میرا منشا تمھاری دلشکنی نہیں کسی غلط فہمی کا ازالہ کرنا تھا!۔ خیر۔ میں جا کر تمھارے صاحب بہادر کی نبض دیکھتا ہوں!" ایمن کے کمرے میں غفار صاحب۔ اور شمعی تھے شاید ان سے ایمن نے کہا تھا کہ وہ کہیں جا نہیں رہا ہے! غفار صاحب بڑے خوش تھے

آرہے تھے! اور شمعی بھی بظاہر مسرور ہی دکھائی دیتی تھی!۔ باری کو دیکھ کر شمعی کے چہرے پر حیا اور حجاب کی ملی جلی سرخی ابھری۔ جسے علانیہ سب نے محسوس کیا!۔ امین بڑی اپنائیت سے مسکرانے لگا۔

ابا میاں آپ غالباً مکان کی خریداری کے سلسلے میں جانے والے تھے!۔ باری نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ غفار صاحب کو غصہ بھی آیا ہنسی بھی آئی۔ اٹھتے ہوئے بولے "یہ بدمعاش نہیں چاہتا کہ میں تمہارے پاس بیٹھوں۔ خیر۔ میں جاتا ہوں۔ آج ہی کوٹھی کی بات چیت ہو جائے!۔ بیٹی۔ چلتی ہو؟!" انھوں نے شمعی سے پوچھا۔

"میں شام تک آ جاؤں گی!۔ ابا میاں!" شمعی مدھم لہجے میں بولی۔ وہ چلے گئے۔ شمعی ان دونوں میں تنہا اپنی حیثیت بڑی نازک محسوس کر رہی تھی! بوکھلا کر کھڑی ہو گئی!۔

"بیٹھو شمعی۔ بیٹھو!" امین نے بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا! "ابھی تو تم سے اچھی طرح باتیں بھی نہیں ہوئیں!۔

"میں فریال سے مل آؤں!" شمعی محجوب ہو گئی!۔ "پھر باتیں کروں گی آپ سے!"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے تم جا سکتی ہو!" باری جلدی سے بول اٹھا! شمعی ہنس کر اندر بھاگ گئی!۔

فریال کو کھٹک سی تھی!۔ باری بھائی نے یہ سب کیوں پوچھا تھا!۔ وہ چپکے سے برآمدے میں گئی اور کوشش کی کہ کسی طرح ان کی باتیں سن لے مگر وہ دونوں سگریٹوں کے دھواں دھار کشوں کے درمیان آتی کا رھی انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے کہ فریال کے پلے کچھ نہ پڑا وہاں سے آئی اور شمعی سے مڈبھیڑ ہو گئی!۔

فریؔ شمعی اور وہ دونوں برآمدے ہی میں کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگیں "کیا تم یہیں رہ جاؤ گی!۔ میرا اس قدر ... بے تدر ... بغیر کہ نہیں سکتی ؟"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔ شمی!" فریال بولی۔ "وہاں قدم رکھا نہیں کہ لعنت ملامت کی بوچھار شروع ہو جائے گی۔"

"کون لعنت ملامت کرے گا!" شمی نے کہا۔ "بھائی جان اور بھابی، دولہا بھائی اور اپی سب کے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے! عزت آپا کو ان کے دیور نے اپنے بچے کی گلپوشی میں بلا لئے گئے! ایک میں ہوں اور خالو بابا۔ دن رات میں آوارہ روح کی طرح گھر بھر میں سر ٹکراتی پھرتی ہوں۔ رہ گئے خالو بابا۔ وہ تو اپنے آپے میں نہیں۔ مجھ سے بڑھ کر بدحواس ہیں۔ فریال خدا کے لئے اب چلو۔"

"سنکو اور مشرب بھائی؟" فریال کا دل ڈوبنے لگا!۔

"سنکو بڑا شیطان ہے۔ وہ کہاں ہفتہ بھر ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک پر گیا ہے۔ اور ہمارے بھیا کی نہ پوچھو۔ شرم آتی ہے کہتے ہوئے! بھائی جان کہہ رہے تھے کہ نیا عہدہ ہے نئی نئی تفریح۔ روز ایک لڑکی ان کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ کرایے کی گاڑیوں میں اڑے اڑے پھرتے ہیں!۔"

"پھر تو کبھی تمھارے ساتھ زبردستی نہیں کی!" فریال نے پوچھا۔ "میں تو یہی ڈرتی رہتی ہوں کہ کب پھر سنک سوار ہو جائے اور تمھیں لینے کے لئے آ جائیں!۔"

"بس فریال۔ یہ بات منھ سے بھی نہ نکالو" شمی بولی۔ دونوں میں بڑی دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں!۔

دوپہر کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ غفار صاحب بھی گئے نہیں تھے!۔ بیگم حسن نے ایمن کو ٹھہرا لیا تھا۔ میز پر فریال بھی تھی!۔ سفید لباس میں لپٹی۔ سر پر آنچل اوڑھے۔ پلکیں جھکی ہوئی اس کے چہرے پر نظریں پڑیں اور پھر ایمن کے دل میں لاوے پگھلنے لگے!۔ رات کی ایک ایک بات یاد آ گئی! باری بہت مسرور تھا! انکے سن گھڑت لطیفوں کا دریا بہہ رہا تھا! کھانا بڑی دیر بعد ختم ہوا۔ چار بجے غفار صاحب اور باری چلے گئے!۔ انکا منشا تھا کہ بیگم حسن اور ایمن

کو بھی جمشید منزل جانا چاہیے تھا۔ بیگم حسن تو راضی بھی ہو گئی تھیں مگر ایمن نے کہا
کہ وہ سب کے ساتھ نہیں جائے گا۔ تنہا جا کر جمشید صاحب سے معافی مانگے گا۔ تاکہ
یہ کہنے کو ہو کہ وہ کسی کی زبردستی سے مجبور ہو کر نہیں آیا۔ خود سے آیا تھا۔ پارسی نے اس
کی مرضی سے شام کا خط تلف کر دیا۔
شمی کو مرزا صاحب کا بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ بھی فریال سے جلد تر واپس
آنے کی تاکید کر کے رخصت ہوئی۔

بیگم حسن کی مرضی یہ نہیں تھی کہ فریال جبراً جمشید منزل بھجوائی جائے مگر وہ بھی اپنو
کر رہی تھیں کہ بوڑھے باپ اور بھائی بہنوں کی مرضی کے بغیر اتنے دن ان کے یہاں رہ لے۔ وہ
جانتی تھیں کہ ان حالات میں لڑکی کا ہونے والی سسرال میں رہنا انگشت نمائی کا باعث
بن جائے گا جبکہ لڑکے نے منگنی بھی منسوخ کر دی۔ درحقیقت بیگم حسن نادم و منفعل تھیں۔
ایمن اگر دفعتہً یوں ایکسیڈنٹ کا شکار نہ ہو جاتا تو وہ اسے آڑے ہاتھوں لیتیں۔ اب دل ہی
دل ہی میں گھٹتی رہتی تھیں۔ لیکن نہ تو کچھ بیٹے سے کہتے بن پڑتی تھی نہ فریال سے۔ بے چاری ادھر
سے مجبور ادھر سے مجبور تا اپنی جگہ آپ خون کے گھونٹ پیا کرتیں۔ ویسے انھیں فریال سے
بے پناہ محبت تھی۔ اتنی محبت کہ اگر کوئی قسم دے کر پوچھتا کہ آپ کو ایمن سے زیادہ محبت ہے یا
فریال سے۔ تو وہ یقیناً فریال ہی کا نام پہلے لیتیں۔ دیکھتی ہی رہی تھیں کہ کس طرح وہ ایمن اور
ان کے پیچھے ستی ہوئی تھی۔ زرنگار کو آئینہ خانہ بنا رکھا تھا۔ زیادہ وقت کچن میں گزارتی
تھی۔ ہر کام یوں وقت وقت پر ہو جاتا جیسے مشینوں کے ذریعہ ہوتا ہو۔ وہ اٹھتے بیٹھتے دعا کرتی

مانگا کرتیں کہ خدا ایمن کا دل پلٹ دے!۔

سہ پہر کو فریال چائے لے کر ان کے پاس آئی۔

"امی۔ آپ کا پانی رکھ دیا ہے! دیر نہ کیجئے گا۔ سردی کے دن ہیں!۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں زکام ہو جائے"۔ بیگم حسن کو اسکے انداز پر بڑا پیار آیا۔ سینے سے لگا لیا۔ اور پیشانی چوم کر دعائیں دینے لگیں!۔ پھر چائے پی کر وہ غسلخانے گئیں اور فریال کچن کی خبر لینے چلی گئی۔

"میم صاحب۔ آپ جائیے میں سب کچھ کرلوں گی!" شبو بولی۔

تم جاؤ۔ صاحب سے پوچھ آؤ۔ رات کے کھانے میں کیا کھائیں گے!" فریال نے کہا شبو باہر نکلی اور دروازے کی طرف بیٹھ کر کے فریال انڈے وغیرہ پھینٹنے میں مصروف ہو گئی چند لمحوں بعد شبو کی آہٹ اپنی پشت پر سن کر اس نے کہا۔

"پوچھ آئی۔ کیا جواب دیا!" اور پھر اس کا جواب سنے بغیر پھر بولی "دیکھو شبو میں یہاں آج ہوں کل نہیں۔ یہاں سے جانے کا جی تو نہیں چاہتا مگر جانا تو پڑیگا!۔ تم یہاں بہت دنوں سے رہتی آئی ہو۔ سب کے مزاج پہچانتی ہو!۔ میں چلی جاؤں تو امی کو اور اپنے صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچنے دینا۔ آدمی وہی اچھا جو مالکوں کے تیور پہچانے۔ شبو ... وہ ... وہ اکیلے تمھارے نہیں۔ میرے بھی مالک ہیں!۔ ان کی رتی رتی بات کا خیال کرنا۔ خدمت انسان کی جیسی بھی ہو۔ ایک نہ ایک دن اپنی عظمت منوا لیتی ہے"۔ پھر وہ یہ کہتی ہوئی مڑی "یاد رکھے گی نا۔ میری باتیں؟!"

اور پھر جیسے ہی مڑی۔ دھک سے رہ گئی!۔ ہاتھ کانپے اور نازک سی طشتری ہاتھ سے گر کر چھن سے بکھر گئی!۔

دروازے میں ایمن کھڑا تھا!۔ اپنے اسی وزن و وقار میں جو اس سے مخصوص تھا! لب ایکدوسرے سے پیوست۔ آنکھوں سے گہری سنجیدگی عیاں تھی!! ایک ہاتھ اب بھی سلینگ میں تھا!۔ اور دوسرا ہاتھ: وہ دروازے میں اس طرح رکھے کھڑا تھا کہ بھاگنے کی کوئی

راہ نہ تھی!۔ ایک بار فریال کی خوف زدہ نگاہیں اس کی نگاہوں سے ملیں اور دوسرے لمحے اس نے پلکیں جھکا لیں اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے سر پر کمبل اوڑھ لیا۔

"فریال۔!" اس کی بھاری آواز کیبن کی محدود فضا میں گونجی اور فریال کے دل سے ٹکرا کر تھم گئی!۔

"جی۔!" فریال نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ اور ٹوٹی ہوئی طشتہ ہی کو تکنے لگی!۔

"تمہیں سفید لباس بہت پسند ہے؟؟!" ایمن نے سوالیہ انداز میں پوچھا!۔

"جی۔۔ جی نہیں۔ جی ہاں!" فریال اس غیر متوقع سوال پر گڑبڑا گئی!۔

"تو تم چاہتی ہو کہ میں جلد مر جاؤں!۔" ایمن نے پھر پوچھا اور فریال اس کے لہجے سے ڈر کر بے اختیار اس کی شکل تکنے لگی!۔

"ہائے اللہ۔۔ نہیں!۔۔" اور توبہ کرنے کے انداز میں اس نے ہاتھ گالوں پر رکھ لیئے۔ "میں یہ کبھی نہیں چاہتی۔ آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔! خدا کرے!۔

"پھر تم سفید کپڑے کیوں پہنتی ہو۔ ابھی تو میں زندہ ہوں!۔" ایمن نے کہا اور فریال کا دل بے ساختہ اس کے حلق میں دھک دھک کرنے لگا!۔

"ابھی تو میں زندہ ہوں!۔۔ یک بیک در و دیوار چیخنے لگے!۔ ابھی تو میں زندہ ہوں!۔ آپ سالہا سال۔ سلامت رہیں۔!" فریال کی آواز آنسوؤں میں گھٹ گئی!۔

"فریال۔!" ایمن نے بڑے محبت پاش لہجے میں پکارا!۔

"جی!" پھر فریال نے چپکے سے کہا!۔ اور کوشش کرنے لگی کہ ایمن سے اپنے آنسو چھپائے۔ کیسے بنے

"میرے قریب آؤ!۔" ایمن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ فریال یوں آگے بڑھی کہ کہیں ابھی کہیں لڑکھڑا ئی!۔ دفعتہً ایمن نے اسکی بانہہ تھام لی اور اپنے سینے سے لگا لیا!۔ وہ گرنے سے سنبھلتے ہوئے اس کے قریب ہو گئی!۔ ایمن نے اپنے ہونٹ اسکے

بالوں میں چھپالئے اور مدھم سے لہجے میں کہنے لگا۔

"فریال۔ میں نے بڑی زیادتی کی۔ مجھے معاف کر دینا... میں نے تمہیں پہچانا نہیں تھا!۔ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ تمہارے آنسوؤں کا سبب بنا ہوں نہ جانے کیا کچھ میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ میں اس قدر جانور ہو گیا تھا کہ امی کی خواہش کا بھی احترام نہیں کیا!۔ فریال۔ میں آدمی ہوں اور آدمی سے غلطی کا امکان بھی ہے! تم بہت اچھی ہو۔ بہت پیاری ہو۔ مجھے امید ہے تم میری کوئی بات اپنے دل میں نہیں رکھو گی!۔ دراصل ہر بات اور بات کا ہر پہلو مجھے تمہارے سامنے رکھ دینا چاہیے تھا۔ غلطی میری ہی تھی!۔ تمہاری نہیں!۔ باری نے میری آنکھیں کھول دیں! میں تم سے خفا نہ پہلے تھا نہ اب ہوں۔ مجھے صرف صدمہ تھا!۔ اور اب وہ بھی دور ہو گیا!۔ فریال کہو کہ تم نے مجھے درگذر کیا!۔ ورنہ میں ہمیشہ بے چین رہوں گا۔"

میں تو نہیں سمجھتی کہ آپ نے کوئی غلطی کی ہے۔ پھر معافی کیسی؟!" فریال پر مارے حیرت کے بخار سا سوار تھا!۔ "آخر کون سی بات ایسی ہوئی کہ کایا پلٹ گئی!۔ ورنہ کل تک صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے!۔

"پھر بھی کہہ دو تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے!" امین نے کہا۔

"اچھا!" فریال ہنسنے لگی! "چلیئے!۔ میں نے آپ کو معاف کیا!" یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے ہٹ گئی!۔

"اب تم چلی تو نہیں جاؤ گی؟"

"ضرور جاؤں گی!۔ ابا جان اکیلے ہیں!"

"میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا!"

"میں کیا جانوں؟!" وہ جان بوجھ کر شریر ہو گئی۔

"نہیں!۔ فریال۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گا!۔ اب تک میں نے تمہاری ضد دیکھی

ہے اور اب تم میری ضد بھی دیکھو!" ایمن کے لہجے میں چیلنج تھا!۔

"دیکھ لی میں نے آپ کی ضد۔!" فریال نے جواباً اسی لہجے میں کہا۔ "اور اب آپ دیکھئے گا کہ ضد کیسی ہوتی ہے۔ اچھا اب آپ جائیے یہاں سے!"

"میں تو جا رہا ہوں!۔ لیکن میں اپنے ساتھ تمہیں بھی لے جاؤں گا!۔" ایمن نے کہا۔ فریال انکار ہی کرتی رہ گئی اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا!۔

بیگم حسن اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس بیٹھی بال سکھا رہی تھیں!۔ انہیں یہی معلوم تھا کہ ایمن اپنے کمرے میں ہوگا اور فریال کچن میں!۔ سوچ رہی تھیں کہ صبح کو جمشید منزل جانا چاہیئے!۔ کہیں کوئی اور نیا شاخسانہ نہ اٹھ جائے!۔

ایمن نے اپنے سرہانے رکھی ہوئی آہنی الماری کھولی!۔ اور اس میں ایک بڑی قیمتی بنی ہوئی چھوٹی سی تجوری نکالی۔ پھر اس کا ڈھکن الگ کر کے تجوری بستر پر الٹ دی۔ کئی ایک طلائی اور مرصع زیور فرش پر بکھر گئے! فریال حیرت سے کبھی زیورات دیکھتی اور کبھی ایمن کو۔!

"یہ سب تمہارے ہیں!۔" ایمن نے کہا۔ "امی نے مختلف ممالک سے خرید کر اپنی بہو کے لئے اکٹھا کئے تھے۔ رشتے ناطے تو میں جانتا نہیں۔ لیکن اتنا ضرور مجھے معلوم ہے کہ۔۔!"

"امی نے اپنی بہو کے لئے خریدے تھے!۔" فریال نے اس کی بات کاٹ دی۔ "دے دیجئے گا امی کی بہو کو۔ مجھے کیوں بخش رہے ہیں آپ۔۔ میں بیچاری آپ کی اور امی کی کون ہوتی ہوں!؟"

"میری زبان سے سننا چاہتی ہو؟" ایمن نے ہنس کر کہا۔ "کہ تم میری دلہن اور امی کی بہو ہوتی ہو!؟"

"جی نہیں!۔" فریال نے سرد لہجے میں کہا۔ "سب رشتے ناطے آپ

نے ختم کر دیے! میں ایک سنگدل۔ بے مہر اور مفاد پرست ہستی ہوں! بھلا اتنی خوش نصیب ہیں کہاں کہ ۔!"

ایمن نے بڑھ کے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا "بھول جاؤ۔ فریال۔ خدارا بھول جاؤ۔ ورنہ ندامت اور شرمندگی مجھے اس قابل نہیں رکھے گی کہ میں تم سے نظریں چار کر سکوں! میں تم پر واضح کر دوں گا کہ ایک غلطی نے مجھے تمہاری دلشکنی پر نادانستہ مجبور کر دیا تھا! ۔ ویسے اب میرا دل صاف ہے تم مجھے بڑی بلندیوں پر نظر آتی ہو۔ تمہاری محبت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ میں تم کو ایک سطحی اور شریر سی لڑکی سمجھتا تھا۔ مگر اب پتہ چلا کہ تم مشرقی آداب و تہذیب سے آراستہ ایک ایسی ہستی ہو جس سے وابستگی پر ہر آدمی فخر کرے۔"

"اب آپ مجھے بنانے لگے!" فریال شرمانے لگی۔

"میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ فریال" ایمن نے سنجیدہ لہجے میں کہا "بہر حال تم مجھے باتوں میں الجھانا چاہتی ہو۔ اور میری التجا ہے کہ میری خاطر آج تم کوئی اچھا سا رنگین لباس پہنو۔ اور یہ حقیر سا نذرانہ قبول کرو۔ میری طرف سے نہ سہی امی کی طرف سے سہی! ۔ میں تمہیں بدرجہا حسین دیکھنا چاہتا ہوں اگر تم میری التجا ٹھکرا دو گی تو کہہ نہیں سکتا کہ کس قدر میری دلشکنی ہو گی!۔"

فریال بڑی خرم محسوس کر رہی تھی! ایمن نے بھانپ لیا۔ اسنے تمام چیزیں اکٹھا کر کے صندوقچی میں بند کیں اور صندوقچی اس کے حوالے کر دی! پھر اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔

"تمہیں میری قسم۔ یہ سب قبول کرنا پڑے گا!۔"

فریال نے بڑی خاص ادا سے اپنا ننھا سا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر اسے سلام کیا! اور جوابی سلام کا انتظار کئے بغیر وہاں سے بھاگ آئی! اگر آج ایمن خوش تھا! اسکی تمام

غلط فہمیاں رفع ہو گئی تھیں۔ تو فریال بھی بے پناہ مسرور تھی!۔ اس کی محبت اسے واپس مل گئی تھی!۔ جس کے حصول کے لئے اس نے خدا سے بہتیری بار دعائیں مانگی تھیں!۔

امین آکر ماں کے پاس بیٹھ گیا!۔ وہ اسے یکسر بدلا ہوا دیکھ کر بڑی خوش ہو رہی تھیں! لیکن اپنی مسرت کا اظہار نہیں کیا۔

"بیٹے اب زخموں میں تکلیف تو نہیں ہے؟..."

"جی نہیں۔ میری تمام تکلیفیں دور ہو گئیں اور اب کل پرسوں تک ٹانکے بھی ہٹا دیے جائیں گے۔ میں بدستور اسپتال جانے لگوں گا!۔ بالآخر آپ کی دعاؤں نے مجھے اس قابل کیا۔ امین نے کہا اور کچھ کہتے کہتے رک گیا!۔ پھر اپنا بازو ماں کی کمر میں حائل کر کے اور اپنا سر ان کی آغوش میں رکھتے ہوئے دوبارہ کہا" امی۔ اپنی گستاخیوں کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں!۔ پتہ نہیں، بدحواسی اور غفلت میں میرے منھ سے آپ کی شان میں کچھ نکل گیا!۔ دراصل امی۔!"

بیگم حسن پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگیں!۔ اس وقت اپنا کوہ وقار بیٹا انھیں بالکل ننھا سا بچہ لگا۔ لیکن بے پناہ مامتا کے ہجوم میں بھی انھوں نے تادیب ہاتھ سے جانے نہیں دی۔ نرم لہجے میں بولیں" بیٹے۔ میں تمھارے مزاج کو پہچانتی ہوں!۔ لیکن جن لوگوں کے سامنے تم نے اپنی سخت کوشی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا مجھے ضرور قلق ہے کہ مرزا بھائی اور ان کے بچے کیا سمجھتے ہوں گے!۔ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی تمھیں غلط سمجھے!۔ وہ سب میرے عزیزوں سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن تم سے خفا ہو گئے!۔" اور پھر تم نے حرکت ہی ایسی کی۔"

اسی لئے تو میں نے باری اور ماموں بھیا کے ہمراہ جانا مناسب نہیں سمجھا!۔ امین سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا" اب آپ کے ساتھ میں چلوں گا! کہیئے تو میں گاڑی منگوادوں

اس وقت نہیں۔ صبح کو چلیں گے!" بیگم حسن بولیں "مگر جاکر کہو گے کیا۔؟
مرزا بھائی تو مجھ سے وجہ پوچھیں گے!۔ اور میں ان سے شرمندہ ہوں گی کہ تمھارے بھروسے
پر ان کی لڑکی کا ہاتھ مانگا تھا۔ مگر تم نے میرا مان بھی نہیں رکھا!"

"اوہ!۔ امی۔ وہ سب بیکار بکواس تھی!" ایمن نے قدرے جھینپتے ہوئے لہجے
میں کہا "میں آپ کے کسی حکم سے سرتابی کی مجال نہیں رکھتا!۔ بابا کا کہنا مجھے ہمیشہ یاد
رہتا ہے۔ آخری مرتبہ مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی تم نے اپنی ماں کی دل آزاری کی یا ان
کا حق نہیں پہچانا تو حشر کے روز تمھارا دامن گیر ہوں گا۔"

بیگم حسن خلاف عادت کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ ایمن نے بیحد تعجب سے انھیں دیکھا
ہنستے ہنستے انھوں نے پیار سے اس کے داڑھی زدہ گال پر ایک ننھا سا تھپڑ رسید
کرتے ہوئے کہا "بیوقوف کہیں کا۔ ڈھنگ سے بہانہ بنانا بھی نہیں جانتا!۔ میں
سب کچھ جانتی ہوں!۔ اچھا تو کہہ دوں مرزا بھیا سے کہ وہ اپنی مرضی پوری کریں
پھر تو کوئی مین میخ نہیں نکالو گے؟"

"نہیں امی پیاری۔ ہرگز نہیں!" ایمن ان کی ہنسی میں شامل ہو گیا۔

مشکور صبح کو پکنک سے واپس آگیا تھا۔ وہ شام ڈھلے اپنی بہن سے ملنے
آیا۔ پھر ایمن تو اٹھ کر چلا گیا تھا اور مشکور دیر تک بیٹھا بیگم حسن سے ادھر ادھر کی
گپیں ہانکتا رہا تھا؟۔ ایمن منتظر تھا کہ اس کی التجا پر فریال بن ٹھن کر اب آئی کہ جب
آئی!۔ لیکن اب فریال کی باری تھی!۔ بیگم حسن سے اپنے جانے کی اجازت مانگی۔ وہ
بھی اب یہی مناسب سمجھتی تھیں کہ فریال واپس جائے! انھیں اس کا باپ سے اور بہن
بھائیوں سے بگاڑ گوارہ نہیں تھا!۔

"ہاں بیٹی۔ سدھارو!۔ انھوں نے اسے گلے سے لگا کر دعا دیتے ہوئے کہی
میں بھی بس صبح ہی کو تمھارے ابا سے ملنے آؤں گی!۔ خدا کرے کہ وہاں سے

واپسی یہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ۔ اتنا میرا ساتھ تم نے دیا ہے کہ میرے رو ئیں رو ئیں سے تمہارے لئے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تمہیں سا صاحب نصیب کرے!"

منکور ایمن سے ملنے پہونچا۔ اور اس کے زخمی ہو جانے پر بے انتہا مسرت ظاہر کی "کہیں سول سرجن بھی زخم کھا کر بیہوش ہو سکتے ہیں؟" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

"کیوں؟" ایمن ہنس کر بولا۔ "سول سرجن آدمی نہیں ہوتے؟ گوشت پوست کا جسم نہیں رکھتے؟"

"کیا زخمی ہو جانے کے بعد داڑھی مونچھیں بھی اس قدر طویل ہو جاتی ہیں۔؟" منکور نے پوچھا۔

"نہیں یار۔" ایمن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ میرا ایک ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بھلا کیسے شیو بناتا!؟"

"یہ کیا مشکل ہے۔ لایئے میں بنائے دیتا ہوں!" منکور بولا۔ پھر خود ہی موضوع بدل کر کہا۔ "ہاں۔ میں نے سنا تھا کہ چھوٹی باجی سے اپنی منگیتر کی" آپ نے ڈبل کراس کر دی۔ بہت اچھا کیا وہ اسی قابل ہیں۔ دن رات میرے کان خوامخواہ کھینچا کرتی ہیں۔ آپ کے بھی کھینچیں!"

"یہ کسی نے گپ اڑا دی ہے!" ایمن نے کہا۔ وہ قدرے جھینپ گیا تھا!۔

"نہیں؟" منکور حیرت سے بولا۔ "وہاں تو خوب دھوم دھاڑ مچی تھی!۔ آغا دولہا بھائی آئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ جب آفندی پاشا کو منظور نہیں تو ہمیں دس ہزار بار منظور نہیں! اس پر میں نے جواب دیا کہ آج آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ کل ڈھونڈتے پھریں گا انہیں چراغ رخ زیبا لے کر۔ بس وہ مجھے مارنے جھپٹے! بڑی مشکل سے میں نے

اپنی جان بچائی تھی!"

"بڑوں کے درمیان اسی لیے نہیں بولنا چاہیئے" ایمن نے سمجھایا "لیکن یہ تو بتاؤ، تم نے مجھے کس خوشی میں پاشا کا خطاب عطا فرمایا۔؟!"

"مصر میں ایسے ہی تو بولتے ہیں۔ جیسے مصطفےٰ کمال پاشا۔ بغلول پاشا اور...!"

"میں مصری نہیں ہوں۔ مشکور صاحب" ایمن ہنس پڑا "آئی ایم اے عربین! اور میرا نام بھی یہی ہے۔ محمد ایمن آفندی۔ سمجھے تم!"

"سمجھ گیا۔ لایئے میرا کیشن؟" مشکور نے بھولے پن سے کہا۔

"ہائیں!۔ کیشن؟ کیسا کیشن؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دولھا بھائی والی رپورٹ آپ کو پہونچائی تھی! آپ کی دافت کے لئے!" مشکور نے کہا۔

"اوہو۔ اچھا۔" ایمن ہنسنے لگا۔ "تو پھر بتاؤ۔ کیا کیشن لوگے۔"

"آپ کے کف اسٹڈ!" مشکور نے کسی جھجھک کے بغیر کہا۔ ایمن نے کف اسٹڈ نکال کر دے دیے اور آستین بازو پر الٹ دی!۔

مشکور ہنستا ہوا باہر نکل گیا!۔ فریال سر شام کے دھندلکے میں چھپی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی! مشکور نے بیگم حسن کو الوداعی سلام کیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دوسرے لمحے کار گیٹ سے نکل گئی۔

یہ تو بہت بعد کو پتہ چلا۔ فریال اپنے گھر چلی گئی تھی!۔ ایمن کا دل بیٹھنے لگا۔ یک بیک اسے محسوس ہوا اور در و دیوار بے رونق ہو گئے ہوں!، شام کی دلکشی دم توڑ گئی!۔ بیگم حسن مغرب کی نماز پڑھنے چلی گئیں گھر پر ہو کا عالم طاری تھا!۔

بڑا مکدر و مضمحل وہ اپنی لائبریری میں جا کر بیٹھ گیا!۔

کرنل جبار کے ضعیف دل پر اپنی بیٹی کی جواں مرگی کا بڑا کاری زخم لگا تھا!۔ ان کی ساری زندگی موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار ہستیوں کے درمیان گزری تھی بے شمار لوگوں کو انھوں نے دم توڑتے دیکھا اور کبھی موت کو اہمیت نہ دی!۔ لیکن یہ اپنی بات تھی کرنل صاحب نے اپنی حرماں نصیب بیٹی کا مردہ چہرہ بھی دیکھا تھا۔ جس پر موت کی سرد پرچھائیاں منجمد تھیں۔ شام کا چہرہ دیکھا تھا کہ کرنل صاحب کے دماغ کا توازن بگڑ گیا جب شام کا جنازہ اٹھا تھا۔ وہ قہقہے لگاتے رہے تھے!۔ ڈاکٹر لال اور ڈاکٹر شہیر انھیں اپنے ساتھ نرسنگ ہوم لے گئے!۔ بڑی تندہی اور جانفشانی سے آپ کا علاج کیا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور پھر تو یہ حالت ہو گئی کہ انھیں تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہا۔ پاگل ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر توفیق اور ڈاکٹر عمر کا خیال تھا کہ وہ مینٹل سنٹر میں داخل کر دیے جائیں!۔ ایمن نے اس کی مخالفت کی۔ اس کا دل دکھتا تھا۔ کرنل صاحب کے شاندار عروج کا یہ دردناک زوال اسے لرزہ براندام کر دیتا تھا!۔ انسان کی بے وقعتی اسے زندگی کی اہمیت سے منحرف کر دیتی ہے!۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کا علاج خود کرے! لیکن دماغی امراض کے ماہرین نے اپنا فیصلہ دیا کہ وہ کبھی اعتدال پر نہیں آ سکتے!۔ ہمیشہ کے لئے از کار رفتہ ہو چکے!۔ پھر یونہی دن گزرتے گئے!۔ جسمانی اور ذہنی تکالیف ان کی بڑھ گئیں!۔ لیکن قلبی تکلیف و اذیت کا مداوا کسی کے بس کا نہ تھا!۔ جب وہ ننھے بچے کی طرح دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر اور سسکیاں لے لے کر روتے!۔ رات کے سناٹے میں چیختے اور بے تاب ہو کر شام کو پکارتے تو اچھے اچھے ڈاکٹروں کو خود پر قابو

پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ انھیں عام وارڈز سے ہٹا کر بڑی دور رکھا گیا تھا تاکہ دوسرے
بیماروں کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ ڈاکٹر لال ان کے معالج رہ گئے ہیں اور بالکل برائے
نام، کیونکہ دوسرے تو ان کی خبر گیری کو تضیع اوقات سمجھنے لگے تھے۔ ڈاکٹر لال ان کے ...
کولیگ بھی تھے اور اسسٹنٹ بھی۔ عرصہ دراز تک ان کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ ان سے
انھیں دلی ہمدردی تھی۔ جانتے وہ بھی تھے کہ کرنل جبار پر وقت اور پیسہ خواہ مخواہ برباد کر
رہے ہیں۔ مگر انھوں نے رسمی علاج ہی سے سہی، ہاتھ نہیں اٹھایا لیکن بڑی مشکل تو اس وقت
درپیش آئی جب کرنل صاحب نے غذا اور خوراک لینے سے بالکل انکار کر دیا۔ اپنے ذہن
میں وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ کوئی انھیں بھی زہر دے دیگا۔ یہ نفسیاتی خوف کوئی ان کے دل
سے دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب بھی انھیں زبردستی کوئی دوا پلائی جاتی یا کچھ
کھا لینے پر اصرار کیا جاتا وہ سارا وارڈ سر پر اٹھا لیتے۔ اگر جبر کیا جاتا تو رونے لگتے۔ دونوں
ہاتھوں سے ہونٹ اس قدر سختی سے بند کرتے کہ ہٹانا ناممکن ہو جاتا۔ اس نئی افتاد نے ڈاکٹر
لال کو بھی بے دست و پا کر دیا ... ہزار ہزار انھوں نے کرنل صاحب کو سمجھایا منایا۔ تسلیاں دیں۔
لیکن کرنل صاحب تو ان کی شکل سے بھی بھڑکنے لگے تھے۔ یہ بھی فراموش کر بیٹھے تھے کہ کبھی ڈاکٹر
لال سے ان کی دوستی بھی تھی۔ تھک ہار کر ڈاکٹر لال نے بھی انھیں حالات کے رحم و کرم پر
چھوڑ دیا۔ اور پھر غم کی دیمک ان کے شہتیر جیسے جسم کو اندر اندر کھا گئی۔ بچھے بچھائے بستر
کی شکن بنے پڑے رہتے۔ پھر سب کچھ بھول گئے۔ نہ شام یاد رہی نہ اس کا غم یاد رہا۔
آخر ایک دن ان کی حیات کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

جب ڈاکٹر عمر اپنے چیف کی ہدایت پر اندر گئے تو کرنل صاحب کو سسکتے ہوئے دیکھا
آخری سانسوں پر تھے۔ ڈاکٹر عمر نے جھپٹ کر اپنے ساتھیوں کو خبر کی۔ اور دس منٹ کے
اندر اسپتال کا سارا اسٹاف وہاں اکٹھا ہو گیا۔ ان دنوں کرنل ایمن کی جگہ عارضی افسر ڈاکٹر
احسان تھے۔ انھیں ڈاکٹر لال نے تمام واقعات سے گوش گزار کر دیا تھا۔ انھوں نے

ایمن کو بذریعہ فون کرنل صاحب کی خبر دی اور خود ان کے پاس چلے گئے!۔

کرنل جبار پوست استخواں رہ گئے تھے۔ اتنے لاغر اور نحیف کہ پہچانے نہ جاتے!۔ ان کے پاس تقریباً تیس پینتیس ڈاکٹر کھڑے تھے!۔ لیکن موت کے طاقتور اور با اقتدار سفیر کے سامنے بالکل مجبور اور بالکل بے دست و پا۔ سب کے چہروں پر تاسف و ترحم کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ بہت آہستہ آوازوں میں بول رہے تھے!۔

ایک دو کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لرزش بھی تھی۔

ڈاکٹر عمر نے کرنل صاحب کے کھلے ہوئے لبوں میں بالکل آہستہ سے کورامن کے چند قطرے ٹپکائے۔ اور ان کی نبض تھام کر بیٹھ گیا!۔ پھر ڈاکٹر لال نے کرنل صاحب کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی! مگر ہاتھ ہٹا کر بڑی ناامیدی سے دوسروں کی طرف دیکھا!۔

"کرنل صاحب ابھی تک نہیں آئے!" ڈاکٹر ظہیر بڑبڑایا۔

"میں دیکھتا ہوں!" ڈاکٹر ظفر نے کہا اور کمرے سے باہر جانے لگا!۔

دفعتاً اردلی نے کرنل آفندی کی آمد کا پیغام سنایا۔ کمرے میں جتنے بھی لوگ تھے وہ سوائے احسان صاحب کے اٹھ کھڑے ہوئے!۔ ایمن روشوں پر تقریباً دوڑتا ہوا آرہا تھا!۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھول رہی تھی!۔

آن واحد میں اس نے بھانپ لیا۔ یہاں آنے میں اسے بڑی دیر لگی تھی!۔

وہ کرنل صاحب پر جھک پڑا اور پھر بھول گیا کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں!۔ یہ بھی بھول گیا کہ وہ ایک بہت بڑا ڈاکٹر تھا! اسے یہ یاد تھا کہ وہ اسے کس قدر چاہنے لگے تھے اپنا بیٹا بنا لیا تھا!۔ کتنی کسمپرسی اور بے بسی کی حالت میں وہ جان دے رہے تھے کہ اس بھری پری دنیا میں کوئی ان کی موت پر دو آنسو گرانے والا نہ تھا!۔

یہ دردناک خیال ایمن کو آیا اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے!۔

"کرنل صاحب... کرنل صاحب...؟" اس نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر آوازیں دیں۔ وجود مبدم سرد سے سرد تر ہوتی جا رہی تھی!۔

ایک بار اور آخری بار انھوں نے بند ہوتی ہوئی پلکیں کھولیں۔ اور ایمن کو دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے بند کر لیں!!۔

"دم توڑ لیا!۔" ایک سسکی کی صورت میں ڈاکٹر لال نے کہا اور رومال آنکھوں پر رکھ لیا۔ موت کے احترام میں تمام ڈاکٹر سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔

اور ان میں لندن ریٹائرڈ ماہر دہنر مند سول سرجن بھی تھا! جس کی آنکھوں میں آنسو تھے!۔ اور جو موت کے سامنے بالکل بے بس تھا!!۔

خدا کی مرضی پوری ہوئی!۔" بڑی دیر بعد کرنل احسان کے لبوں سے نکلا!۔

"مسٹر ایمن آپ ذرا میرے ساتھ آیئے!۔"

ایمن بڑا دلگرفتہ اور پریشان ہو رہا تھا!۔ کرنل صاحب کے احترام و تکریم میں وہ الٹے قدموں چلتا ہوا باہر آیا۔ دوسرے ڈاکٹر کرنل صاحب کو یہاں سے ہٹانے کا انتظام کر رہے تھے!۔ کسی کو اطلاع دینے کا کوئی سوال ہی نہ تھا کیونکہ دنیا میں ان کا کوئی نہ تھا! اسپتال ان کا گھر تھا۔ اور ڈاکٹر ان کی برادری۔! ڈاکٹر لال کا خیال تھا کہ اسپتال ہی سے ان کا جنازہ لے جایا جائے گا مگر ایمن نے ان کی یہ تجویز رد کر دی!۔

"نہیں۔ جناب... انھیں میرے گھر پہونچا دیجئے!۔ اپنے پورے اعزاز و عظمت کے ساتھ وہ میرے گھر سے رخصت ہوں گے!۔ اور آپ سب ابھی وہیں آیئے!!۔ ان کی روح یہ دیکھ کر تو شاد کام ہو کہ بالآخر وہ محروم و بدنصیب دنیا سے نہیں سدھارے۔ بلکہ اپنے چاہنے والوں کے آنسوؤں کا خراج عقیدت و محبت

بھی اپنے ساتھ لیتے گئے!۔

کسی نے اس کی تجویز کی مخالفت نہیں کی!۔ اور تھوڑی دیر بعد کرنل صاحب کی لاش زرنگار پہنچا دی گئی۔ ایمن نے باری کو بھی اطلاع دے دی اور یہ بھی تاکید کی کہ اگر کوئی یہاں آنا چاہیے تو اسے منع نہ کیا جائے۔ پھر منع کرنا تو درکنا ہمسیز منزل کے تقریباً سارے مکین باری کے ساتھ ہی زرنگار آ گئے!۔ اتفاقاً یہیں اور غضنفر بھی تھے!۔ ان دونوں کا تعلق عطیہ بیگم کی مسلسل علالت کی وجہ سے کرنل جبار سے بھی تھا!۔ مرزا صاحب بھی چلے آئے!۔

دیکھتے ہی دیکھتے زرنگار میں ایک اجم غفیر اکٹھا ہو گیا!۔ بیشتر جن میں ایمن کے کولیگ تھے۔ ایمن نے اپنے مصارف سے کرنل جبار کے آخری رسوم انجام دیے!۔ بڑے تزک و احتشام سے ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ اور بیٹی کے پہلو بہ پہلو باپ کو بھی دفن کر دیا گیا۔ ان کی موت کا سب کو بڑا صدمہ تھا!۔ وہ ایک رحم دل اور نیک آدمی تھے!۔ جو اپنے پرستاروں سے دعاؤں کا تحفہ بھی وصول کر گئے تھے!۔

گورستان سے واپسی پر کرنل احسان نے ایمن سے کہا۔

"اگر آپ تھک نہ گئے ہوں تو براہ مہربانی غریب خانے تک تکلیف فرمائیے! مرحوم کی آخری خواہش بھی پوری ہو جائے!"

ایمن بڑا خاموش اور متاثر ہو رہا تھا!۔ اسے ایسے موقعوں پر حیات کی گرم بازاری زندگی یا ہماہمی بالکل بے مقصد اور حقیر معلوم ہونے لگی تھی!۔ اس نے دیکھا تھا! کیسے چشم زدن میں ایک چلتا پھرتا ہنستا بولتا آدمی لاش میں تبدیل ہو جاتا ہے!۔ یہ تصور اسے اپنی ذات سے بھی بیزار کر دیتا تھا کہ ایک دن بستر مرگ اسے بھی نصیب ہونا ہے!۔ پتہ نہیں!۔ کیسے اور کس طرح موت آنی ہے!۔ یہ تو مرنے کے بعد دوسروں کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کی تقدیر میں اسی قسم کی موت لکھی تھی!

ایک دن وہ بھی ختم ہو جائے گا اور بالآخر دوسروں کے کندھوں پر اس کی زندگی کا سفر قبر کی تاریک و سرد منزل تک پہونچ کر تمام ہو جائے گا!۔

اس کے خیالات کی ترجمانی کرنل احسان نے کر دی۔" ہر انسان کو آخر کار ایک روز مرنا ہو گا۔ آپ غیر معمولی حساس معلوم ہوتے ہیں مسٹر ایمن۔"

"جی ہاں!" ایمن نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"مرحوم سے میرے تعلقات صرف ہم پیشہ ہونے کی حیثیت ہی سے نہیں تھے بلکہ وہ واقعی مجھے اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے!۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکا!۔ جس کا احساس مجھے عمر بھر رہے گا۔ دراصل انسان اپنی ذاتی پریشانیوں کے تحت اس قدر خود غرض ہو جاتا ہے کہ دوسروں کی پریشانی اور کرب و اضطراب کا اندازہ نہیں کر سکتا!۔ خدا مجھے معاف کرے!۔"

کرنل احسان نے اپنی کوٹھی پر پہونچ کر ایمن کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور لازم سے چائے جلد لانے کی تاکید کر کے ایمن کی طرف مڑے!۔

"دراصل۔ آپ کا یہ خیال ٹھیک نہیں ہے کہ کرنل صاحب آپ سے کچھ ناراض تھے یا پھر یہ کہ آپ نے ان کی خدمت نہیں کی!۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ اس قسم کا کوئی احساس ان میں باقی رہ گیا تھا!۔ اگر وہ ایسی کوئی بات سوچتے تو اپنی تمام املاک کا جائز حقدار و وارث کسی کی شرکت کے بغیر آپ کو نہ بنا جاتے!۔"

"میں نہیں سمجھا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"۔ ایمن متحیرانہ انداز میں انھیں تکنے لگا!۔ وہ ایک بے حد سنجیدہ متین اور بردبار انسان تھے۔ اس قسم کے مذاق یا کسی قسم کی دروغ بیانی کی توقع ان سے نہیں کی جا سکتی تھی!۔ وہ اٹھ کر اپنی الماری سے کچھ نکالنے لگے!۔ اتنے میں لازم چائے اور دیگر لوازمات لے آیا۔

"میری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں تھی۔ احسان صاحب... بیکار آپ

نے زحمت فرمائی!"

"طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ موت کی اہمیت کا خیال ذہن سے نکال دیجیے کوئی چیز بجائے خود اتنی ہیبت ناک نہیں ہوتی۔ جتنا ہیبت انگیز اس کا تصور ہوتا ہے!" کرنل احسان نے کہا۔ اور خود چائے بنا کر اسے پیش کی!۔

"شکریہ!" امین نے کہا اور ان کے ہاتھ سے کپ لے لیا!۔

چند لمحے خاموشی میں کٹ گئے!۔ پھر کرنل احسان نے کہا "میں نے کئی بار آپ سے ملنا چاہا تھا!۔ اس کا اظہار میں نے مرحوم سے کیا بھی تھا لیکن نہ جانے کیا مصلحت تھی۔ انھوں نے مجھے ہمیشہ روک دیا۔ اور ہر بار یہی تاکید کی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیت سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے!۔ اور آپ کی امانت آپ کے حوالے کر دی جائے!۔ مجھ سے انھوں نے تذکرتاً کہا تھا کہ ان کے وارث اب آپ ہی ہوں گے!"

انھوں نے ایک بڑا سا لفافہ سیل بند اس کے آگے سرکا دیا!۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ اس میں کیا ہے۔ کرنل صاحب کی حسب ہدایت آپ کو پیش کر دیا۔ اگر آپ کوئی مشورہ اس سلسلے میں دینا چاہتے ہیں تو بلا تکلف دیجیے!۔ میرا کام تو اسی ہفتہ کے آخر تک ختم ہو جائے گا۔ پھر میں اپنے مستقر پر واپس چلا جاؤں گا!"

"میرا دماغ پراگندہ ہے۔ کرنل صاحب۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے!" امین نے کہا۔

"تو پھر آپ آرام کیجیے!" کرنل احسان نے کہا "میں نے اس وقت اس لیے زحمت دی کہ کوئی اہم کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے!"

"تو پھر براہ کرم اب مجھے اجازت دیجیے!" امین نے اٹھتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ وہ بہر حال اس سے کئی سال سینیئر اور عمر میں بھی قدرے بڑے ضرور تھے!۔

کرنل احسان اس کے ساتھ ہی اٹھے اور بڑے مخلصانہ انداز میں اس سے مصافحہ کیا

اور کار تک آکر اسے رخصت کیا تھا! جب تک اس کی گاڑی گیٹ سے نکل نہیں گئی وہ لان ہی پر کھڑے اسے دیکھتے رہے تھے!

زرنگار میں ابھی سب لوگ موجود ہی تھے! ویسے سہیل اور غضنفر قبرستان سے سیدھے یہیں آگئے تھے کہ اپنے ساتھ خواتین کو بھی لے جائیں! یہ لوگ واپس جا ہی رہے تھے کو امین پہونچ گئے! ان میں سے کسی نے پچھلے واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ موقعہ بہر حال نہیں تھا!۔ کچھ دیر پہلے اسی گھر سے ایک جنازہ نکل چکا تھا! موت چاہے اپنے کی ہو یا غیر کی۔ ہولناک اور اثرانگیز ضرور ہوتی ہے اور پھر غضنفر بڑے مہذب اور سعادتمند تھے!۔ باپ کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کرتے! سہیل خود کو بے تعلق سمجھتے تھے!۔ عورتوں نے بھی بیگم حسن سے کچھ نہیں کہا!۔ مرزا صاحب البتہ بیگم حسن سے یوں ملے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو وہی خلوص۔ وہی گرمجوشی وہی یگانگت۔

امین کے پہونچتے غضنفر نے بیگم حسن سے کہا۔ "اچھا۔ اب ہم چلتا ہوں۔ چچی اماں!" سہیل بھی کھڑے ہو گئے! "مجھے بھی اجازت دیجئے!"

"تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے!۔ امین نے دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے!" آپ لوگ مجھ سے اس قدر خفا ہیں کہ مجھ سے ملنا اور گفتگو کرنا بھی نہیں چاہتے!"

"نہیں بھائی!۔ حاشا وکلا یہ بات نہیں ہے!" سہیل جلدی سے بولے۔ میں تو اماں کو رخصت کرنے جا رہا تھا!۔ وطن میں بہت دنوں بعد آئی ہوں اپنی کسی سہیلی سے ملنے جا رہی تھیں!۔"

مجھے بھی جانا تھا!۔ امین۔ ویسے ناراض میں بھی تم سے نہیں! کسی کی مرضی پر جبراً اپنی مرضی لادی تو نہیں جاتی!" غضنفر نے کہا۔

"یہی بات تو ناراضی کی ہے!" امین نے کہا۔ اور بڑا ہاتھ ادر کر کے انھیں بٹھایا۔

دراصل نہ غضنفر کو ایسا ضروری کام تھا نہ ہی سہیل کی والدہ کہیں جا رہی تھیں۔ یہ لوگ تو بس ویسے ہی بھاگنا چاہتے تھے۔

"تم لوگ آپس میں بھائی بھائی ہو" مرزا صاحب نے دخل دیا: "اور جس معاملہ کا تعلق تم میں سے کسی کو نہ ہو۔ خواہ مخواہ اس میں دخل دے کر اچھے دل برے نہ کر دا!"

"چچا میاں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کس معاملہ میں دل برے ہوں گے!" امین نے کہا۔ "ویسے آپ ہمیشہ سے میرے بزرگ رہے ہیں!۔ آپ کا ہر حکم میرے لئے لائق تعمیل ہے!۔"

"بیٹا۔ مجھے تم سے یہی توقع ہے!۔" مرزا صاحب خوش ہو گئے!۔

عزت کافی بنا لائی!۔ اور کچھ دیر کے لئے گفتگو موضوع سے ہٹ گئی اور کرنل جبار کا تذکرہ ہوتا رہا!۔ اسی اثناء میں امین نے ان کی وصیت کا ذکر کر دیا۔ اور اپنی جیب سے مہر شدہ لفافہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"میں کھول سکتا ہوں اسے؟" باری نے پوچھا۔ وہ بھی بہت سنجیدہ ہو گیا تھا!۔ شام کو اسے اپنی بہن ملا تھا!۔ قدرتی بات تھی کہ صدمہ بہرحال اُسے ہونا تھا!۔

"ہاں۔ ہاں ضرور کھولو!" امین نے کہا۔ باری نے مہریں اکھاڑیں اور کپڑے کا استر لگا ہوا لفافہ چاک کیا!۔ اس نے اندر کے کاغذات میز پر انڈیل دیئے!۔

"تین کاغذات دستاویز کی قسم کے تھے اور ایک چھوٹا سا لفافہ اور۔ اسکے کھولنے پر ایک خط برآمد ہوا۔ چونکہ لفافہ پر امین آفندی کا نام درج تھا!۔ امین قدرے بلند آواز سے خط پڑھنے لگا!۔

بے شمار آنکھیں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں!۔ سب ہمہ تن گوش تھے۔

"میرے بیٹے!۔ میں وہ وقت بھولا ہوں جب شام کو تم نے بستر علالت سے کھڑا کیا تھا!۔ اور نہ وہ وقت میرے ذہن سے محو ہوا ہے

جب تم شام کو ہمیشہ کے لئے قبر میں سلا آئے!۔ میں اس ننھے بچے کیطرح
بلک بلک کر رویا ہوں۔ جس کی ماں اسے چھوڑ کر کہیں چلی جائے!۔
مجھے معلوم تھا کہ وہ مرنے والی ہے۔ لیکن یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کی
خوبصورت زندگی جس کے لئے اس نے ہزاروں مرتبہ تمنا کی تھی خود اسکے
لئے اتنی تلخ اور ناگوار بن جائے گی کہ وہ جان بوجھ کر موت کی سرد آغوش
میں پناہ ڈھونڈے گی!۔ ایمن!۔ زندگی اتنی ذلیل، بے حقیقت اور حقیر
ہوتی ہے؟ مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ موت بھی نجات کا ایک ذریعہ بن سکتی
ہے!۔ میری بچی میرے سامنے سے چلی گئی اور اس کی ایک ایک حسرت میرے
لئے عذاب بن گئی!۔ کون سی بات میں یاد رکھتا کون سی بات بھلاتا؟۔
میرا حافظہ مجھے دکھ پہونچانے لگا۔ مجھے افسوس ہوا کہ کاش وہ اچھی نہ
ہوتی!۔ اس کی بیماری میری زندگی تھی!۔ اس کی صحت مندی میری
موت بن گئی!۔ آہ۔ آفندی۔ تم نے اس کی ایک عظیم ترین خواہش پوری
کردی۔ اسے صحت دیدی۔ لیکن خدا اسے زندگی نہ دے سکا!۔

ایمن!۔ اسے تم سے بے پناہ محبت تھی!۔ میں نے تم سے کہا نہیں تھا!۔
لیکن اب کہتا ہوں!۔ کتنے والہانہ انداز میں وہ تمھارا تذکرہ کرتی تھی!۔
اس کی زندگی، اس کی راحت و آرام اس کی مسرتوں کا مرکز صرف تم تھے!۔
کاش!۔ اس کی حیاتِ مختصر میں چند ساعتیں تمھارے قرب کی بھی اسے
نصیب ہوتیں!۔ میں مطمئن ہو جاتا کہ وہ بالآخر ارماں نصیب دنیا سے
نہیں گئی!۔ لیکن ایمن۔ جو کچھ اس کی تقدیر میں تھا وہ پورا ہوا۔ بیمار
تھی۔ جیتی رہی۔ اچھی ہوئی اور مر گئی!۔

آفندی۔ ہشام کے سوا کوئی اور اس دنیا میں ایسا نہیں جو میرا

اپنا کہلایا جا سکے!۔ تمہارے سوا۔ تم اگر اس کے محبوب تھے تو میرے بیٹے بھی!۔ تم نے اپنا فرض بخوبی پورا کر دیا۔ لیکن مجھے اپنا فرض نہیں ادا کرنے دیا۔

میرے بچے۔ اپنی ساری دولت سے میں نے روحانی مسرت خریدنی چاہی تھی مگر ناکام رہا!۔ میں نہیں سمجھتا کہ اپنی زندگی میں کبھی میں کامیاب بھی رہا ہوں!۔ اپنی قسمت سے میں ہمیشہ ڈرتا رہا اور زندگی نے مجھے ہمیشہ دھوکے دیے تقدیر نے مجھے ہمیشہ ان دیکھے غاروں میں ڈھکیلا۔ تم نے میرا نذرانہ مجھے واپس کر دیا اور مجھے سبق دیا کہ دولت سے دنیا کی ہر چیز خریدی نہیں جا سکتی!۔ دولت جتنی قیمتی چیز ہے اتنی ہی کم حقیقت اور نا چیز بھی ہے!

لیکن۔ اب میں سب سے بے نیاز ہو چکا!۔ حتیٰ کہ مجھے اپنی زندگی سے بھی دلچسپی نہیں رہی!۔ میں چاہتا ہوں جلد از جلد اپنی بچی کے پاس پہونچ جاؤں!۔ خدا مجھے اس مقصد میں کامیاب کرے۔ یہی ایک دعا ہے۔ جو قبول ہو جائے گی!۔ اور جس کی مقبولیت کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں!۔

میرے بیٹے!۔ میں نے تم پر واضح کیا ہے کہ ثنائم کے بعد سوائے تمہارے اور میرا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا جو کچھ میری ملکیت ہے!۔ اسکے جائز وارث اور مالک بلا شرکت غیرے اب تم اور صرف تم ہو۔ میری التجا ہے کہ یہ سب کچھ تم قبول کرو۔ ایک ذاتی اسپتال اور نرسنگ ہوم تم تعمیر کروانا چاہتے تھے!۔ اور تم نے وعدہ بھی کیا تھا کہ اسکے سارے مصارف تم مجھ سے لوگے!۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ میں اپنا . . .

مجھے خیال ہے کہ میری زندگی میں شاید تم اس پر راضی نہ ہو۔ لہٰذا یہ سب کچھ میری موت کے بعد تمھیں ملے گا! ... میں ایک بار پھر واضح کر دوں کہ میرے تنہا وارث تم ہو۔!

اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں! میرے بچے۔ مجھے تمھاری تمام خدمتوں اور محنتوں کا اعتراف ہے ... لمحہ بھر کی وہ مسرت جو تم نے میری بچی کو عطا کی تھی! اس کے سامنے ہفت اقلیم کی دولت بھی حقیر ہے۔ بجا یہ بے حقیقت سا نذرانہ۔! خدا حافظ۔

تمھارا

(کرنل) جبار حسین خاں!!

ایمن نے گلوگیر آواز میں خط ختم کیا اور کمرے میں سناٹا چھا گیا!۔ ان سب کے تاثر اور تحیر کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا! کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سے پیرایہ میں اظہار خیال کرے!۔ کچھ دیر بعد فرحانہ کے منہ سے نکلا: "افسوس بیچارے!"

"پتہ نہیں۔ کیا کچھ آپ کے نام کر گئے!" عزت نے کہا۔ اس کے اس طرح کہنے پر باری نے تمام کاغذات دیکھے!۔ ایک ان کی کوٹھی کا قبالہ تھا!۔ جس کی مجموعی قیمت دو لاکھ سے کسی طرح کم نہ تھی!۔ دوسری چیزیں بھی بہت قیمتی تھیں!۔ ان کے مختلف بینکوں کی پاس بکیں اور چیک بک۔ جن کے ہر ہر ورق پر ان کے دستخط تھے!۔ یا پھر بینکوں کو دستخط شدہ ہدایات تھیں کہ سب کچھ کرنل ایمن آفندی کے نام منتقل کر دیا جائے ان کا سارا سرمایہ لاکھوں پر مشتمل تھا!۔ جس کا مالک اب صرف ایمن تھا!۔

اور ایمن کو بالکل خوشی نہیں تھی!۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ کرنل جبار مرتے مرتے بھی انکے ساتھ ایک نہایت دل آزار مذاق کر گئے ہیں!۔ لاکھوں کی قیمت کے کاغذات میز پر ردی کی طرح پڑے رہے اور ایمن دونوں ہاتھوں سے سر تھامے خلاؤں میں گھورتا رہا

"یہ تو قیہ مبارکباد کا تو نہیں ہے!" باری نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ میری رائے یہی ہو گی کہ کرنل صاحب کی خواہش کے احترام میں سا تم وہی کرد جو وہ چاہتے تھے!"

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کرنل صاحب کے سرمائے کی ایک ایک پائی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو گی! بہت بڑا نرسنگ ہوم تعمیر ہو گا۔" اس کی آواز خواب آلود ہو گئی۔ "نہایت عظیم الشان اسپتال کرنل صاحب کے نام پر بنے گا!۔ غریبوں کا مفت علاج ہو گا!۔ آہیں کراہیں بھرتے مریض۔ درد سے کلبلاتے ہوئے ننھے ننھے بچے۔ یہ سب اچھے ہو کر اسپتال سے نکلیں گے۔ جہاں ہنستی کھیلتی زندگی سب کا خیر مقدم کریگی۔ جہاں کوئی نہیں مرے گا۔ کوئی نہیں مرے گا!"

"بڑا نیک خیال ہے۔ اس طرح تمھارے یہاں آنے کا مقصد بھی انشاءاللہ پورا ہو جائے گا!" اسے جذباتی ہوتے دیکھ کر غفار صاحب نے لقمہ دیا!۔

"ماموں بھیا!" ایمن نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "جتنا انھوں نے میرے ساتھ کیا میں اس کا عشر عشیر بھی ان کے ساتھ نہ کر سکا!"

"بیٹا۔ مقدرات اٹل ہیں!" اب کی مرزا صاحب بولے!۔

"ممی۔ بھوک لگی ہے!" دفعتہً غضنفر کا ننھا سا بچہ منمنایا!۔ اور ماحول... یکلخت بدل گیا۔ جیسے دم توڑتی ہوئی فضا میں بچے کی ننھی سی آواز نے نئی روح پھونک دی ہو!۔ ایک عجیب سی روشنی ان سب کے دلوں میں اترتی ہوئی معلوم ہوئی!۔ جیسے اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت صرف موت ہی نہیں!۔ بہت بڑی حقیقت زندگی... بھی ہے!!!۔

پھر ننھے ہمایوں کو کیا بھوک لگی کہ اور بچوں کو بھی لگ آئی!۔

"اچھا بھائی۔ اب تو جانے دو۔ بہت دیر ہو گئی ہے!" غضنفر نے ہمایوں کو گود

میں لے لیا اور اٹھ کھڑے ہوئے!۔ سب اٹھنے لگے!۔

"ممی۔ کھانا!" ابھی جویریہ کی بچی ٹھنکی!۔

"چل رہے ہیں۔ گھر چل کر کھانا!" جویریہ نے خاموشی سے اسے تنبیہہ کی!۔

"حوت ..." ایمن بڑی اپنائیت سے اس کی طرف مڑا۔ "بہن!۔ کھانا منگوا دو بھوک تو مجھے بھی بہت لگی ہے!۔ دس بجنے والے ہیں!! باتوں باتوں میں مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا!"

"اب یہ خواہ مخواہ کا تکلف رہنے دو۔ ایمن ..." سہیل نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر بیگم حسن نے ان کی بات کاٹ دی۔

"میاں، روزمرہ کے کھانے میں تکلف کیسا۔ آؤ چلو!۔ انھوں نے دو ایک بچوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ چند لمحے ان سب نے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھیں جیسے کش مکش میں ہوں!۔ پھر خاموشی سے بیگم حسن کے ساتھ چلے گئے!۔

کھانے ہی کے دوران میں رات کے گیارہ بج گئے!۔ بچوں نے تھوڑا بہت کھایا اور مزے میں پڑ کر سو گئے۔ بڑے لوگ تذبذب میں پڑ گئے!۔ پتہ نہیں۔ ایمن کیا سوچے؟ لیکن اس نے خود ہی غضنفر سے کہا۔

"اب اتنی رات گئے آپ سب کہاں جائیے گا!۔ اتنے ناراض تو آپ سب مجھ سے نہیں کہ ایک رات کا قیام بھی گوارہ نہ کریں۔ صبح سویرے ناشتے کے بعد دیکھا جائے گا!۔"

"خواہ مخواہ ناراضی، ناراضی!" باری ایمن پر بگڑا۔ "کوئی تم سے ناراض بھی ہو کہ تمھیں مالیخولیا ہو گیا ہے!۔ ویسے یہ خیال ہو کہ بچے رات کو جاگیں گے اور تمھیں دیکھ کر بھوت بھوت کہہ کر چلانے لگیں گے تو میں ابھی سب کو جگا کر لے جاؤں گا!۔"

"فضول باتیں کرتے ہو!" سہیل نے ہونٹ سکوڑ لیے!۔

"آپ ہی دیکھیے۔ اچھے خاصے علامہ ڈارون معلوم ہو رہے ہیں یا نہیں؟!"
باری نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ غفار صاحب نے اسے ڈانٹا۔" بڑی شاندار مردانہ شکل و صورت معلوم ہوتی ہے!۔ تم اپنی خبر لو۔ کلین شیو! دور سے لڑکی نظر آتے ہو!"

"داڑھیاں مردوں کے اُگتی ہیں!۔ میں بھی مرد ہوں!۔ میری کچھ میں نہیں آتا تم میری داڑھی مونچھوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔؟" ایمن نے جبلّا کر کہا۔

"میں کہاں پیچھے پڑا ہوں!" باری نے مسمسی شکل بنالی "میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ خیر سے مرد نظر آنے لگے!۔ ورنہ کوئی خاتون سمجھ کر حسن جہاں سوز کا دم بھرنے لگتا تو ابا میاں کو بڑی پریشانی ہوتی۔"

"ہٹاؤ یار" ایمن نے کہا اور غضنفر اور سہیل سے کہا۔ "آپ آیئے میرے ساتھ میرے کمرے میں آرام کیجیے!۔ انشاءاللہ صبح کو سب ساتھ چلیں گے!۔"

"تم بھی؟!" سہیل نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں میں بھی!" ایمن مسکرایا۔ "تم سمجھتے ہو۔ جمشید منزل پر تمہارا ہی حق ہے!۔ جناب والا آدھے کا حقدار میں بھی ہوں!"

"شوق سے!" سہیل نے خوش ہو کر کہا "اچھا چلو۔ میں نے اپنا حق بھی تم ہی کو سونپا!۔ مگر تم تو۔!"

"اور کچھ نہیں۔ آرام کرو!" ایمن نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

"کیا قصہ ہے؟۔ سہیل؟!" غضنفر نے مسہری پر لیٹتے ہوئے پوچھا "میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ یا تو وہ بے تکی تھی یا یہ شوراشوری ہے!!۔

"کچھ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہوگی!۔ ایمن ایسا آدمی نہیں۔" سہیل

نے کہا۔

"لیکن میں تو ہرگز گوارہ نہیں کروں گا کہ مجھے یا ابا جان کو جھکنا پڑے!" غضنفر بولے۔

"تو پھر جھکیں گے تو وہ بھی نہیں!" سہیل نے جواب دیا۔ "بہرحال اب سو جاؤ۔ صبح کو میں چچی اماں سے پوچھوں گا!" یہ کہہ کر انھوں نے بھی لمبی تانی۔ خستہ و خراب دونوں ہی ہو رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں بے خبر سو گئے!۔

سرکار عالی!۔ غریب اپنا بوریہ کہاں بچھائے؟!" باری نے ایمن سے پوچھا۔ "کوئی ایسی جگہ بتائیے۔ حضور!۔ جہاں سے تجوری قریب پڑے۔ عمر بھر سرکار کو دعائیں دیتا رہوں گا!"

"فیوچی کہیں کا!" ایمن نے باری کی پیٹھ پر ایک گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "اب کیا آدھی رات کو پڑ کے خراٹے لے گا!۔ موسم اتنا سہانا ہے! چاند ابھی ابھی نکلے گا!۔ برآمدہ معطر و معنبر ہو رہا ہے!۔ فریال اور شمعی سوئی نہ ہوں گی چلو برآمدے میں بیٹھ کر باتیں کریں!"

"اعلیٰ حضرت!۔ آپ تو جو تھے آسمان پر پہونچ گئے ہیں!۔ ذرا زمین پر اتریئے تو پتہ چلے گا کہ یہیں چچی اماں، چچا میاں اور ہمارے قبلہ و کعبہ بھی ہیں۔ شاید وہ دونوں تو کچھ نہ کہیں مگر لڑکیوں سے رات کو باتیں کرتے دیکھ کر ہمارے ذاتی سول سرجن قبلہ ایسا شاندار قسم کا پوسٹ مارٹم آپ کا اور میرا کریں گے کہ آپ نے بھی زندگی بھر نہ کیا ہوگا!"

"بڑی بکواس کرتے ہو باری۔!" ایمن نے برا سا منھ بنا کر کہا۔ "ماموں بھیا بہت پیارے انسان ہیں۔ وہ ہرگز کچھ نہ کہیں گے!۔

"تو پھر چشم ما روشن دل ما شاد!" باری نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بلوایئے۔

میں بھی تو سنوں جناب والا رومانی قسم کی گفتگو کیسے کرتے ہیں!۔

ہرگز نہیں!۔ رومان کا اس میں کیا دخل!۔ بس یونہی تھوڑی تفریح!۔

اچھا پیارے۔ یہ تو بتاؤ!۔ اب تو تمھیں کسی قسم کا خبط نہیں رہ گیا؟!۔

"نہیں بھائی!۔ میں تمھارا مشکور ہوں!۔ بڑا بوجھ تم نے میرے دل پر سے ہٹا دیا!"۔

پھر باری اور ایمن صبح تک برآمدے میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے فریال۔ شمعی اور عزت بھی تھیں!۔ ان سب کا دل چاہ رہا تھا! اس رات کی سحر کبھی نہ ہو!۔ لیکن باتیں کرتے ہی کرتے صبح کا تارہ ڈوب گیا!۔ اور صبح کی روشنی در و بام پر سونا بکھیرنے لگی!۔

ناشتے کے بعد مرزا صاحب مع بیگم حسن اور ایمن کے جمشید منزل واپس آ گئے!!!

غفار صاحب نے بڑی خوبصورت کوٹھی خریدی تھی! ان کی دیرینہ آرزو تھی کہ ریٹائر ہونے کے بعد بیٹے اور بہو کے ساتھ آرام سے بقیہ زندگی گزاریں اگرچہ الگ مکان لینے کی مرزا صاحب نے بہت مخالفت کی تھی!۔ وہ تو یہی کہتے تھے کہ جس طرح جویریہ اور سہیل زیادہ تر اپنا وقت جمشید منزل میں گزارتے رہیں۔ اسی طرح باری اور شمعی بھی گزاریں۔ باری اس پر آمادہ تھا!۔ اس نے کبھی مرزا صاحب کی کوئی خواہش ٹھکرائی نہیں تھی! لیکن غفار صاحب خلاف تھے!۔ وہ اپنی تمنا کو بار آور دیکھنا چاہتے تھے۔

ایمن کی زرنگار دیکھ کر ان کی خواہش اور شدت سے بھڑک اٹھی تھی!۔

چند دن بڑے دلچسپ گزرے تھے!۔ غفار صاحب نے اپنی نئی کوٹھی پر ایک شاندار ایٹ ہوم دیا تھا!۔ باقاعدہ کارڈز بھیجے گئے تھے!۔ اور بڑے تکلف واہتمام سے ان سب کو تقسیم کئے گئے تھے!۔

پچھلے ہفتوں کی ہل چل کے بعد پھر سب کی زندگی اپنے اپنے محور پر لوٹ گئی تھی!۔ باری سول سروس میں آگیا تھا!۔ اور بحیثیت ایک اعلیٰ ADMINISTRATOR (منتظم) کے اس کا تقرر اشرف آباد ہی کے ایک ضلع پر کر دیا گیا تھا! غفار صاحب اپنے اکلوتے ہونہار بیٹے کی ترقی اور کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے۔ دراصل مسرت مرزا صاحب کو بھی ان سے زیادہ تھی!۔ ان ہی کی توجہ اور دلچسپی سے باری اس عہدے پر فائز ہوا تھا!۔ لیکن باری نہیں کھا تھا کہ وہ کسی قابل فخر مرتبہ پر پہونچا ہے، اسے مغرور ہونا چاہیئے۔ جتنا سیدھا سادا پُر محبت اور مخلص وہ شروع سے تھا ویسا ہی اب بھی رہا تھا!۔

ایمن نے بھی کرنل احسان کے اپنے مستقر پر واپس چلے جانے کے بعد اپنا کام سنبھالا اس کے ساتھی اس کی واپسی پر بہت خوش تھے! کرنل جبار کی وفات کے بعد ایمن بڑی تندہی اور جانفشانی سے اپنے فرائض پورے کرتا تھا۔ اور اب تو اس کی ذمہ داریاں بدرجہا بڑھ گئی تھیں!۔ کرنل جبار کی وصیت کے مطابق بڑے اعلا پیمانے پر اسپتال اور نرسنگ ہوم کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا!۔

باری اپنی سروس پر چلا گیا۔ ایمن کی مصروفیت بڑھ گئی!۔ دونوں الگ الگ ہو گئے جسم بٹ گئے۔ مگر دل اب بھی ایک تھے!۔ ایمن کو تو اپنے پیشے سے شروع ہی سے محبت اور دلچسپی تھی مگر باری علحدگی اور تنہائی کی زندگی سے بڑا اکتا یا ہوا تھا!۔ بڑی مشکل سے ایک ڈیڑھ ہفتہ اس نے "شام نگرم" میں گزارا اور پھر واپس لوٹ آیا۔

اس کی کوٹھی آراستہ ہو چکی تھی!۔ غفار صاحب برائے نام ایک آدھ چکر ادھر کا لگا لیا کرتے تھے۔ باری کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے اور ایک ایک چیز بڑے شوق سے دکھائی۔

"ابا میاں ..... اس طرح تو ہم سب الگ الگ ہو جائیں گے!" باری پُر تشویش لہجے میں بولا۔ ایمن نے مکان خرید لیا۔ آپ نے لے لیا۔ ہم دونوں جدا ہو گئے! میرا تو یہ منشا تھا کہ ہم سب ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے!"

"میاں شادی کی تاریخیں نزدیک آ رہی ہیں!۔ ایمن فریال کو رخصت کر کے اپنے گھر لے جائیں گے۔ تم اپنی دلہن کو وداع کر کے کہاں لے جاتے!!" غفار صاحب چیں بجبیں ہو کر بولے۔

"لیکن یہ گھر تو یوں بھی خالی ہی رہے گا۔ میں یہاں رہ کیسے سکتا ہوں!" باری نے کہا "اگر میں ملازمت پر چلا جاؤں گا تو لا محالہ آپ چچا میاں کے پاس رہیں گے!"

"لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری مخالفت کی وجہ کیا ہے؟" غفار صاحب جھلا گئے۔

"جی کچھ نہیں ابا میاں۔ آپ نے اچھا کیا۔ اپنے رہنے کا ایک ٹھکانہ تو ہونا ہی چاہیئے" باری نے یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا!۔ پھر دونوں ساتھ ساتھ جمشید منزل واپس آئے!۔ اتوار کا دن تھا!۔ ایمن بھی موجود تھا!۔ باری اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اب ایمن انسانیت کے جامے میں نظر آ رہا تھا!۔ وہ وحشت اور سخت گیری کافور ہو گئی تھی۔ جس کے سب شاکی تھے یا پہلے کا سا ہنس مکھ اور خوش مزاج ہو گیا تھا!۔

مرزا صاحب، بیگم حسن اور غفار صاحب کی نشست الگ تھی!۔ اور بڑی سنجیدہ باتیں ان میں ہو رہی تھیں۔

"بھابی۔ اپنے مبارک ارادے میں آپ مجھے بھی شامل کیجئے!" مرزا صاحب کہہ رہے تھے!" عرصہ سے میری تمنا تھی کہ کسی طرح اللہ کے گھر تک پہونچ جاؤں!۔ نا کتخدا لڑکی کا فرض پیروں میں زنجیر ڈالے ہوئے تھا!۔ اب اس کا فرض بھی انشاء اللہ پورا ہو جائے گا!۔ میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا!"

"مجھے کیوں الگ کئے دیتے ہو؟" غفار صاحب نے گلہ آمیز لہجے میں کہا "یہاں

میرا کون بیٹھا ہوا ہے۔ کتنا بڑا خاندان میرا ہے کہ میرا یہاں قیام اتنا ضروری ہو میرا اجازت نامہ بھی بنواؤ!۔ یہاں رہ کر کیا کروں گا!۔

"کسی نہ کسی بزرگ کو تو یہاں رہنا ہی چاہیئے۔ غفار بھائی!" بیگم حسن بولیں!۔ "پتہ نہیں کب کیا ہو جائے آپ نے دیکھا ہی ہے کہ اتفاقی حادثے کیسے رونما ہو جاتے ہیں!۔ لاکھ یہ بڑے کہلائیں مگر ہیں تو ہمارے سامنے کے بچے ہی۔ اگر خدانخواستہ کسی میں ناچاقی ہو جائے تو کوئی صلح صفائی کرانے والا نہ ملے اور یہ ناچاقی پھر پشتینی دشمنی میں بدل جائے!۔"

"بلا سے۔ جو کچھ ہو!۔" غفار صاحب نے کہا۔ "باتوں میں بھی آپ سب کے ہمراہ چلوں گا۔ یا پھر کوئی نہیں جائے گا!۔ یہ تو تم مجھ پر ظلم کر رہی ہو فاطمہ بہن!۔ ہم سب عمر بھر ساتھ رہے ہیں اور ساتھ ہی انشاءاللہ مریں گے!۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے!۔" مرزا صاحب نے کہا۔ "میں غزنی سے کہہ کر پاسپورٹ حاصل کر لوں گا۔ مگر کیا اب تم اپنے مکان پر منتقل ہو جاؤ گے!۔"

"ابھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے!" غفار صاحب نے کہا۔ "ویسے اس مکان سے خوفزدہ نہ ہو۔ قمر میں نے بارہ کے لئے لیا ہے۔ میں تمہارے ہی ساتھ رہوں گا!۔"

"تو پھر آپ کہہ دیتے مرزا بھیا!۔" بیگم حسن بولیں۔ "لڑکیوں کے فرض سے بھی فراغت ہو جائے۔"

"لڑکے بھی تمہارے لڑکیاں بھی تمہاری فاطمہ بہن!" غفار صاحب نے جواب دیا۔ "میں نے تو آج تک سوائے اپنی شادی کے۔ اور کسی کی شادی کی ہے اور نہ شادی کرانے کا کوئی تجربہ رکھتا ہوں!۔ میری حیثیت تو مہمان کی ہوگی۔"

"لیجئے۔ بھیا۔ بھائی صاحب تو سستے چھوٹ گئے!۔ اب آپ ہی کہئے!" بیگم حسن ہنس کر بولیں۔

"مرزا صاحب ہنسنے لگے!" میں تو شروع سے یہی کہہ رہا ہوں۔ بھابی۔ جو اس وقت غفار نے کہا ہے۔ مرحومہ اگر زندہ ہوتیں تو آپ کا ساتھ دیتیں! میری حیثیت بھی یہی سمجھئے کہ مہمان کی سی ہوگی! بوڑھا اور بدحواس اتنا ہو گیا ہوں کہ مشورے بھی صائب نہیں دے سکتا! لڑکیوں کو آپ بلوا لیجئے! اور جو کچھ کرنا چاہتی ہوں وہ کیجئے! میں اپنی تمام رقم نکال کر جب کہئے آپ کے حوالے کر دوں گا!"

"بے شک۔ بے شک! یہی ارادہ میرا بھی تھا!" غفار صاحب نے کہا۔

"خیر۔ مجھے نہ آپ کی رقم کی ضرورت ہے نہ غفار بھائی آپ کی" بیگم حسن بولیں "بن ماں کی بچیاں دونوں ہیں۔ اپنی ماں کے برابر شمعی اور فریال نے مجھے سمجھا ہے! لڑکوں کو البتہ میں غیر سمجھتی ہوں! مرد بچے آخر مرد ہیں! میں بہویں بٹور کر نہیں لے جاؤنگی یہ سمجھ کر شادیاں کروں گی کہ نئے داماد لا رہی ہوں! خدا مجھے سرخرو کرے!"

"جزاک اللہ۔ فاطمہ بہن۔ بڑا ثواب کماؤ گی!" غفار صاحب بڑے متاثر ہو کر بولے "اب مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ جب چاہو تاریخیں مقرر کر دو اور ہمیں اطلاع دیدو بس"

"یہ کام تو آپ اور بھیا ہی کرتے تو ٹھیک تھا!" وہ بولیں۔

"مجھے تو علم ہی نہیں۔ امین کو فرصت کب ہوتی ہے اور باری اپنے مستقر سے کب واپس آتے ہیں" مرزا صاحب نے کہا۔

"ارے ان دونوں کی فکر نہ کرو" غفار صاحب بولے "جس دن میں کہونگا۔ وہ مان لیں گے" "بس تو پھر انشا اللہ!" مرزا صاحب نے کہا "دو ہفتے کے اندر اندر آج یکشنبہ ہے۔ اس جمعہ کے بعد اگلا جمعہ! تھوڑی بہت تیاری کے لئے ابھی وقت مل جائے میں سمجھتا ہوں کہ بہت کچھ مرحومہ دونوں لڑکیوں کے لئے جوڑ جمع کر گئی ہیں!"

"نہ بھی کی ہو تو ہو جائے گی!" بیگم حسن بولیں "فرحانہ اور جویریہ کو میں کل ہی پرسوں بلوا لوں گی!"

"بھابی۔ ایک کھٹک سی میرے دل میں ہے۔ وہ یہ کہ چند دن پہلے ایمن میاں اس نسبت پر راضی نہیں تھے۔ کیا آپ نے انھیں مجبور کیا ہے!۔ مرزا صاحب نے پوچھا۔

"نہیں بھیا!۔ حواسوں پر ان کے اثر پڑا تھا!۔ پتہ نہیں۔ منھ سے کیا نکل گیا! وہ تو دل و جان سے راضی ہیں!" بیگم حسن بولیں۔

"اچھا خیر۔ یہ تو ہوا۔" مرزا صاحب نے کہا اور کچھ سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں بولے "بھابی بھتیجی میرا دل عزت کا خیال کر کے بہت کڑھتا ہے!۔ بائیس سال کی عمر میں شادی کر دی تھی!۔ چھبیسویں سال غریب لڑکی بیوہ ہو گئی!۔ یوں میں اسے کبھی محسوس نہیں ہونے دیتا کہ وہ بے سہارا ہو گئی ہے مگر میرا سہارا ہی کیا۔ آج ہے کل نہیں!۔ کوئی ایسی از غیبی صورت ہو جاتی کہ اس کا بھی گھر بن جاتا۔"

"ہاں ہونا تو چاہیئے۔" بیگم حسن نے کہا۔ "کون سی عمر گئی ہے۔ بمشکل اٹھائیس تیس کی ہو گی۔ ننھے ننھے بچوں کا ساتھ پتہ نہیں کس وقت خدا نہ کرے کیا افتاد پیش آئے آپ کے دوستوں میں کوئی ایسا ہو تو دیکھئے!۔ اس کا بھی گھر بن جائے!۔

ایک بار اس قسم کا تذکرہ مرحوم نے کیا تھا!۔ مگر عزت نے رو رو کر برا حال کر لیا!" مرزا صاحب بولے۔ "کہنے لگی کہ ماموں جان پر میں بھاری ہو گئی ہوں تو بچوں کو ان کے دادیہال میں چھوڑ دوں گی اور میں کسی کنوئیں کھائی میں جا سوؤں گی!۔"

"سمجھانا چاہیئے!۔ عقد ثانی صرف بچوں کی تعلیم و تربیت اور اعلیٰ مستقبل کے خیال سے اگر کر لیا جائے تو معیوب نہیں!۔ آخر اس کی اجازت اسلام نے بھی دی ہے!۔" غفار صاحب نے کہا: "مجھے کہتے ہوئے لحاظ آتا ہے۔ ورنہ میں کہتا!۔ فاطمہ بہن۔ تم سمجھاؤ!۔"

"سمجھاؤں گی مگر کوئی لڑکا تو پہلے دیکھئے!۔ اگر وہ راضی ہو گئی تو پھر کیا کیجئے گا!" بیگم حسن نے کہا۔ دونوں خاموش ہو گئے!۔ نہ ان کے دھیان میں کوئی لڑکا تھا نہ ان کے خیال میں!۔ پھر ان میں مختلف تذکرے چھڑ گئے!۔

امین اور باری اپنے کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے!۔ چونکہ ایک دن کے بعد پھر جدا ہونا تھا!۔ باتوں کا خزانہ کم ہونے میں نہ آتا تھا!۔ اب امین بالکل صحت مند اور ٹھیک تھا!۔ بے فکر اور زندہ دل۔

فریال کے پاس اس کی سہیلیاں آگئی تھیں! شمی بھی تھی۔ وہاں قہقہوں کی پھواریں برس رہی تھیں! شمی اور فریال کو انھوں نے نشانہ بنا لیا۔!

"بھئی اللہ... کل کلاں کو تم دونوں بڑی آدمی بن جاؤ گی!۔" رضیہ بولی "پھر ہم غریبوں کو پہچاننے سے بھی انکار کر دو گی کہ نہ جانے کون سے کھیت کی مولی ہیں!۔ فورسٹ آفیسر کی بہو بیگم!!"

"کہیں سرخاب کا پر اگ آئے گا؟" شمی نے انجان بن کر پوچھا۔

لگ جائے گا"! شبنم نے کہا "سویلین عبدالباری صاحب کی زوجہ محترمہ اللہ اکبر!"

"جوزہ؟" شفاعت نے تعجب سے کہا "یعنے جوزہ نہیں؟!"

"مارے ہیبت کے الٹا سیدھا بولے دیتی ہوں!" شبنم نے روہانسی شکل بنالی۔

"بھئی اللہ سنا کہ نہیں!" شمی نے احتجاج کیا "مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا!۔ ایک میں ہی رہ گئی ہوں بنانے کے لئے!۔ پھر میں کہتی ہوں کہ غیر مردوں کا تذکرہ آخر ہم لڑکیوں کے بیچ کیوں آئے؟!"

ناز اور رضیہ نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"ائے اللہ ـــ غیر مرد" شفاعت منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی "دل میں چاہے کتنے ہی لڈو کیوں نہ پھوٹتے ہوں!۔ مگر منہ پر وہ غیر مرد ہو گئے۔!۔!۔!!!"

بھئی چھوڑو شمی کا پیچھا۔ مار کے چھوکریاں کنگلی ندیدی۔ چھی توبہ!" فریال بور ہو گئی "ہاں جی۔ چھوڑو شمی کا پیچھا۔! نوشابہ نے کہا "فریال کو کوئی کوڑی کو نہیں پوچھتا

یہ کھسیائی جا رہی ہے دل ہی دل میں۔!"

"چل دور!" ثریال نے خالص نسائیت سے کہا "میں کیوں کھسیاؤں! کوئی تیرا ڈر پڑا ہے۔ لاکھ بار کسی کا نام لو"

"ماشاءاللہ۔ جوان جہان لڑکی شرم و حجاب کی انتہا ہے!" شبنم نے طنزیہ لہجے میں کہا "مطلب یہ کہ تم ہزار بار دولھا میاں کا نام لو مگر شرمائے میری بیزار۔ میں تو مزے لوں گی"

"نہ ادھر چین نہ ادھر قرار۔ آخر چاہتی کیا ہو۔؟" شمعی ثریال کی کمک پر آئی۔

"اوہو! اتنی پاسداری۔ ابھی سے ہمیں دودھ کی مکھی کیطرح نکال پھینکا۔!" رضیہ بولی۔

"ایسا بھی نہ ستاؤ کہ آدمی رو دے!" ثریال بولی۔

"کبھی نہ بخشوں گی خدا قسم!" شفاعت تیز ہو کر بولی۔

"اچھا تو بکو فضول۔!" شمعی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

صنوبر اندر آئی اور شمعی کو دیکھ کر بولی "بی بی۔ آپ کو صاحب بلا رہے ہیں!"

بلاوا برجستہ تھا۔ سب میں ایک قہقہہ پڑا۔ شمعی پسینے پسینے ہو کر بولی۔ "سن تو۔ کون صاحب ہیں؟"

"باری میاں صاحب۔!" صنوبر کو نہ جانے کیا سوجھی وہ بھی ہنسنے لگی۔

"میں بہت پیٹوں گی صنوبر۔!" شمعی غیر معمولی طور پر شرما گئی۔

"کوئی میں جھوٹ بولتی ہوں۔ دیکھ لیجئے جا کر۔ وہ برآمدے میں تو کھڑے ہیں!" صنوبر یہ کہتی ہوئی چلتی بنی۔

"جاؤ دلہن بیگم۔" نوشابہ نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا "اب وہ بھلا کیوں گوارہ کرنے لگے!۔ تم یہاں اپنے جلوؤں کے خزانے لٹا دو اور وہ اکیلے بیٹھے مکھیاں مارا کریں!"

"میں بھی چلوں؟" رضیہ بھی ساتھ کھڑی ہو گئی!۔

"بیٹھ الگ۔ تیرا بلاوا ابھی نہیں آیا۔" شفاعت نے یوں کہا کہ وہ سب پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ شمعی چپکے سے چلی گئی۔ دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا۔ باری واقعی اس کے انتظار میں برآمدے کے سرے پر کھڑا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ شمعی کو دیکھ کر سگریٹ باغ میں اچھال دیا۔ اور رومال سے اپنے لب پاک کئے۔ آداب و مراتب کی چھوٹی چھوٹی فروعات کا اسے بڑا خیال رہتا تھا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا۔" سکڑی سمٹی سی وہ اس کے قریب آئی اور مدھم لہجے میں پوچھا
"ہاں شمعی۔ میں نے تمھیں بلایا تھا۔" باری اس کے بالکل پاس سرک آیا۔ اور شمعی کی سانسیں پھولنے لگیں۔ قریب ہی تو وہ سب موجود تھیں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو جینا دشوار کر دیں گی۔ باری کو اس کی خبر نہیں تھی۔ شمعی کی سراسیمگی کو وہ فطری حجاب پر محمول کر کے بڑا خوش ہو رہا تھا۔

"کوئی خاص مصروفیت تھی؟ میرا بلانا ناگوار تو نہیں گزرا۔" باری نے پوچھا۔ اور اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"جی؟۔ جی نہیں۔ مگر۔" شمعی بدحواس ہونے لگی۔

"بڑی دیر سے دل چاہ رہا تھا کہ تمھیں جی بھر کے دیکھوں۔ حتیٰ کہ تمھارے چہرے پر میری دید کی روشنی تمام ہو جائے۔ نہ پوچھو شمعی کہ۔ تم سے اتنی دور رہ کر میرے قلب پر کیا گزرتی ہے۔ خدا وہ وقت جلد لائے کہ تم میرے ساتھ چلو۔ اُف وہ۔ کتنی شدید حسین تم روز بروز ہوتی جا رہی ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ تمھیں کیسے دیکھوں؟ تمھاری نشیلی آنکھیں، تمھارے رسیلے لب۔ تمھارے۔"

شمعی نے گھبرا کر اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "چپ رہیے۔ نزدیکی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں۔ وہ سن لیں گی تو مجھے اجیرن کر دیں گی۔"

باری کو ہنسی آگئی۔ وہ اس سے قدرے دور ہٹ گیا پھر جیسے کوئی نیا خیال آیا ہو

جلدی سے کہا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔ دراصل میں یہی کہنے تو آیا تھا!۔ امین کا ارادہ تھا کہ آج تھوڑی دیر کے لیے تم اور فریال سبلیمنٹ (SUBLIMENT) چلتے!۔ سہ پہر کی چائے وہیں ہوتی!۔ پھر امین بھی کل سے مصروف ہو جائیں گے اور میں تو آج ہی شام کو چلا جاؤں گا۔ ہاں شمعی! غنیمت جانیے مل بیٹھنے کو۔ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے!"

"خدانخواستہ!" بے ساختہ شمعی کے لبوں سے نکل گیا!۔ لیکن باری تو اچھل پڑا۔

"اتنی سی جدائی تمہیں بھی گوارا نہیں ہے نا؟" اس نے بڑے بھرم سے پوچھا!۔ شمعی کیا بولتی!۔ اپنا سب کچھ وہ کسی اور کی محبت میں ہار بیٹھی تھی!۔ لیکن اب قانع تھی تقدیر کے ہر الٹ پھیر کے آگے بے بس اور شاکر۔ اسے باری کا دل دکھانا کسی قیمت پر منظور نہ تھا!۔ اس نے اپنے آپ سے ایثار کیا تھا!۔ اور اب باری کو وہ اپنا سب کچھ سمجھتی تھی!۔ جتنی محبت اسے امین سے تھی!۔ اتنی ہی محبت باری کو شمعی سے بھی ہوگی!۔ اسنے ہمیشہ یہی سوچا تھا!۔ اور اب خود کو باری ہی کی سمجھتی تھی!۔ اور باری کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ کن کن ہولناک طوفانوں سے اس کی شمعی گزر چکی تھی؟!۔

"فریال سے بھی کہہ دو۔ اور تم بھی تیار ہو جاؤ!" باری نے کہا "دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھائیں گے"۔ دفعتاً انھیں ایک سریلا قہقہہ سنائی دیا، پھر کسی کی شریر آواز آئی۔ سہ

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں — کاش، پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟!"

شمعی وہاں سے بھاگ آئی!۔

"باری بھائی۔ آپ تو چھپے رستم نکلے!" رضیہ نے ہانک لگائی۔

کیا مجھ سے دیواریں بول رہی ہیں؟!" باری نے ہنس کر کہا۔ اور ہنستی کھلکھلاتی وہ سب ادھر ہی اُمڈ پڑیں۔ باری سے ان کی واقفیت پرانی تھی۔ جب دورانِ تعلیم میں فریال باری سے انگریزی پڑھتی تھی!۔

"آپ بڑے کنجوس معلوم ہوتے ہیں!" شفاعت بولی: "یعنے کہ ملازمت کی اور ایسی اچھی کوٹھی کی خوشی میں اپنی شاگردوں کا منھ بھی میٹھا نہیں کیا!"

"میں نے اپنا منھ بھی کہاں میٹھا کیا؟" باری نے کہا۔

"وہ تو آپ میٹھا کر چکے۔ گستاخی معاف۔!" رضیہ نے کہا اور باری کو ہنسی آگئی!۔

"یہیں کھڑے کھڑے آسمان سے مٹھائی تو نہیں برسے گی" اس نے کہا۔ "ابھی بھی ایک شرط ہے کہ آپ سب غریب خانے پر چلیے!۔ کچھ سیر سپاٹے ہوں!۔ شعر و شاعری کی جائے کھانا اور چائے بھی دہیں ہو۔ پھر مٹھائی کھٹائی بھی کھلا دی جائے گی!"

"خدا کرے کہ کھٹائی آپ کسی اور کو کھلائیں۔ ہمیں تو بس مٹھائی دہ کار ہے!" شبنم بولی۔

"بس تو پھر جلدی سے چلنے کی کوشش کیجئے!" باری نے ہنس کر کہا اور وہاں سے بھاگ آیا۔ ذرا سی دیر بعد ثریال اور شمعی بھی آگئیں!۔ اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دونوں نمایاں لگ رہی تھیں!۔ وہاں سب کے لباس الگ الگ نوعیت کے تھے!۔ بالوں کا اسٹائل بھی حیرت انگیز تھا!۔ لیکن یہی دونوں ہر قسم کے فیشن کی لعنت سے دور تھیں۔ سیدھا سادا لباس، سیدھے سادے بنے ہوئے بال!۔ گر اپنی پرانی معاشرت ہی میں وہ خوب سج رہی تھیں!۔

ملازم بہت کچھ لوازمات اور ضروری اسباب لے کر جا چکے تھے!۔ ایک بورچہ ... کھڑا تھا!۔ اور وہ دیر سے ان سب کا انتظار کر رہا تھا!۔ پھر سب اندر سے نکلے! زینے کے پاس عزت ملی۔ چنبیلی کی معطر کلیاں چن چن کر دامن بھر رہی تھیں!۔ انھیں دیکھ کر وہ مسکرائی نہ جانے کیوں اس کی مسکراہٹ میں پنہاں کوئی حسرت انہیں کے دل میں کسک بن کر سما گئی! باری کا نے فوراً اس کی کیفیت بھانپ لی!۔

"ہائیں!۔ تم یونہی کھڑی ہو۔ عزت!" وہ حیرت سے بولا: "میں تو سمجھا تھا کہ تم سب

سے پہلے چلو گی۔ ہاں بھئی۔ تمھیں غریب کا جھونپڑا دیکھنے کی فرصت کہاں ہے!۔"

"باری بھیا۔ دل تو بہت چاہتا ہے۔ مگر بچے!۔" عزت افسردہ ہو کر بولی۔

"بچوں کو پھوپھی جان اور ابا میاں کے پاس ہنکا آؤ!۔" باری نے سرگوشی کی۔ "اچھا ہے کم از کم انھیں پہلے ہی سے بچے کھلانے کی پریکٹس ہو جائے!۔"

ایمن ہنسنے لگا!۔ عزت ہنستی ہوئی بھاگی!۔ پھر اس نے یہی کیا۔ اپنے بچوں کو بیگم حسن کے حوالے کر کے آ گئی!۔ وہ ان سے مانوس تھے!۔ اس کے علاوہ بیگم حسن بھی خندہ پیشانی سے انھیں رکھنے پر آمادہ ہو گئیں!۔ عزت ان سب کے ساتھ چلی گئی!۔

بیلمنٹ۔ واقعی اسم باسمی تھی!۔ نہایت شاندار اور خوبصورت عمارت آبادی سے دور ہٹ کر واقع ہوئی تھی!۔ یہاں کا سناٹا اور ویرانہ ہولناک نہیں خوشگوار اور پرسکون تھا!۔ عمارت کی دلکشی ہرے بھرے لان سے اور زیادہ ہو گئی تھی! عمارت کے عقب میں خوشنما باغ تھا اور سامنے بہت خوبصورت لان جس پر مخملی گھانس لہریں لے رہی تھی!۔

"اللہ۔ یہ تو جنت ہے!۔" رضیہ کار سے اترتے ہی بولی۔

"جی ہاں۔ جس میں حوریں بھی آ گئیں!۔" باری نے کہا۔ "بہر حال تعریف کا شکریہ!۔"

وہ سب لان پر چلے گئے!۔ موسم بیحد خوشگوار ہو گیا تھا!۔ دوپہر تھی لیکن دھوپ کا پتہ نہیں تھا!۔ آفتاب سرمئی بادلوں کے اندر اندر پگھل رہا تھا!۔ غیر محسوس پھوار برس رہی تھی! جہاں جہاں نگاہیں پہونچتیں سبزہ زار میں الجھ کر رہ جاتیں۔ گلاب اور چنبیلی کی تیز مہک سے برآمدہ مہک رہا تھا!۔ سرسبز اور بلند درخت نرم و لطیف ہوائیں

جھوم رہے تھے۔!

شکور نے اپنا ٹرانسسٹر آن کر دیا اور کوئی فلمی نغمہ فضا میں گونجنے لگا!۔

ملازم طعام خانے میں کھانا لگا رہے تھے!۔ باری انھیں بڑے ہال میں لے آیا اور فانوس آن کر دیا۔ ملگجی اندھیرا یکبارگی خوشنما اُجالے میں بدل گیا!۔

لڑکیاں یہاں آنے کو آ تو گئی تھیں مگر بالآخر لڑکیاں ہی تھیں!۔ ایمن و باری کی ہم نشینی انھیں محجوب کرنے لگی تھی!۔ شکور پیانو ٹرانسسٹر رکھے مزے میں سُن رہا تھا!۔ روشن و منور ہال میں اکٹھا جھینپی شرمائی ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"بیٹھیے نا۔" باری نے کہا۔ پھر ثریاں سے بولا۔ "ارے بھئی ثریاں۔ میری بہن ہونے کے رشتے سے مدارات کرو اپنی سہیلیوں کی۔ ورنہ پھر تم ہی کو طعنہ سننا پڑے گا کہ لے گئے تھے بڑی شان سے مگر بیٹھنے کو بھی نہیں کہا!۔"

ثریاں تو خود ہی شرما رہی تھی!۔ دن کے سے تیز اجالے میں ایمن سے اس قدر قریب ہونے کا خیال اسے گھبرائے دیتا تھا!۔

"ہم اندر آجائیں۔ باری بھیا!" بالآخر وہ بولی۔

"اندر؟۔ اندر کون ہے؟" باری نے تعجب سے پوچھا۔

"اں۔ سب یہیں تو ہیں!۔" شبنم نے معصومیت سے کہا۔ باری اس کا مطلب سمجھ کر ہنسنے لگا۔

"یہ غلط ہے۔" اس نے کہا۔ "سب ساتھ بیٹھیں گے! باتیں کریں گے۔ اگر بارش نہ ہو رہی ہوتی تو دور پہاڑوں پر گھومنے چلتے۔ خیر پھر کبھی سہی۔!

بہرکیف کچھ دیر بعد ان کی جھجک دور ہوئی اور وہ سب ادھر ادھر ٹک گئیں!۔ ایمن کھڑکی کے پاس بیٹھا باغ کی سیر کر رہا تھا!۔

"ڈاکٹر صاحب۔ آپ پر کوئی شعر نازل ہو رہا ہے!؟" شجاعت بول پڑی۔ "ادھر تو فرمائ

نہیں چاہتی تھی وہی ہوا۔ ایمن کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر ان کے پاس آبیٹھا۔
منگور نے آواز ذرا اونچی کر دی۔ رفیع بڑے مزے میں نغمہ سرا تھے ؎

پیام الفت قبول کر لو۔ مری محبت قبول کر لو

لاحول ولا قوۃ!" ایمن ہنس پڑا۔ "جہاں دیکھئے جدھر دیکھئے۔ یہ واہیات محبت؟"
"ایک اٹل حقیقت کی آپ نفی کر رہے ہیں!۔ رضیہ نے کہا۔
نفی سے اثبات کا پہلو نکلتا ہے۔ میں تو محبت کے اس ٹائپ سے نالاں ہوں۔!" ایمن نے بحث کے انداز سے کہا۔" میں نے آپ سے وقت پوچھ لیا اور آپ کا دل گھڑی کے پنڈولم کی طرح دھک دھک کرنے لگا یا آپ نے مجھے ایک پیالی چائے پلا دی اور میں نے اپنا دل خالی پیالی میں رکھ کر آپکے حوالے کر دیا۔ محبت کی بھی قدریں ہوتی ہیں!۔ محبت نام خیال کا ہے۔ اور خیال نام ہے اس خلش کا کہ میرے ذہن سے اپنے چاہنے والے کبھی محو نہ ہو سکیں وہ بہ نظام گئے۔ یہ دنیا کے چکر۔ یہ باہمی عزیز داریاں۔ یہ ہمارے آپ کے تعلقات سب محبت ہی کے مرکز پر تو گھومتے ہیں!۔ لیکن اس مرکز پر گردش کرنے والا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ اب ٹوٹنے کے قریب پہونچ گیا ہے۔ ہر چیز کم مقدار میں لذت انگیز ہوتی ہے!۔"
وہ ابھی کچھ اور کہتا کہ ناز نے بات کاٹ دی۔
"معاف کیجئے۔ آپ ڈاکٹر ہیں۔ محبت کے لطیف جذبے کا بھی آپ نے پوسٹ مارٹم کر کے رکھ دیا ہے!۔ ورنہ یہ وہ احساس ہے۔ جس سے زندگی عبارت ہے!۔ اور آپ دن رات اوزاروں سے کھیلنے والے اس جذبے کی اصلیت سے واقف ہیں نہ اس کی قدر کر سکتے ہیں!۔"
"نہیں محترمہ۔!" ایمن نے ہنس کر کہا۔" میں جانتا ہوں! محبت کیسی ہوتی ہے۔ محبت کس کو کہتے ہیں!۔ ایک جانگداز رعنائی قلب مضطر کی۔ احساس کا ولولہ۔ جذبے کی فراوانی، اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔ جسے محسوس کیا جائے مگر اظہار جس کا نہ کیا جائے!۔"
"آپ نے بھی کبھی کسی سے محبت کی ہے؟ ایسی ہی شدید اور ولولہ خیز؟!۔ رضیہ نے پوچھا۔

"اب تم راز کی باتیں پوچھنے لگیں!۔" شبنم بولی۔

"میں جانتی ہوں وہ راز۔!" شفاعت نے غماز مسکراہٹ سے کہا۔

"تو پھر ہمیں بھی مستفید فرمایئے!" باری نے ہنس کر بحث میں دخل دیا۔

"یوں کہنے کی نہیں ہے۔ سب آنکھیں بند کرلیں میں ڈاکٹر صاحب کی ہتھیلی پر لکھ دوں گی!۔" شفاعت بولی!۔

ایمن کی ہنستی ہوئی آنکھیں پل بھر کے لیے فریال کے چہرے پر رکیں پھر اس نے اپنا ہاتھ شفاعت کے آگے پھیلا دیا اور ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر لکھ دیجئے!۔ ہم بھی دیکھیں۔ روحانیت کے مدارج آپ نے کہاں تک طے کئے ہیں!۔" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ سب نے پلکیں چندھیا لیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگے کہ شفاعت کیا لکھ رہی ہے۔ مگر اس نے ہاتھ موڑ لیا۔

"جلدی لکھ چکیئے۔ آپ تو گدگدا رہی ہیں!" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا! شفاعت نے ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ہاں۔ اب دیکھئے!" وہ سب ایمن کے ہاتھ پر جھک پڑے۔ ہلکی سفید ہتھیلی پر جلی قلم سے فریال کا نام لکھا ہوا تھا!۔ ایمن کی مغربیت عود کر آئی!۔ سب کے ہنسنے پر اس نے اپنی ہتھیلی ہونٹوں سے لگالی!۔ فریال کا چہرہ شرم کے مارے سرخ ہو گیا!۔

"اب آپ فرمایئے!۔ باری صاحب!۔ میری بیعت کیجئے گا کہ نہیں!" شفاعت نے اکڑ کر پوچھا۔

"معاف کیجئے گا!۔ جو نام آپ میرے ہاتھ پر لکھنا چاہتی ہیں وہ میرے دل پر لکھا ہوا ہے!۔" باری نے کہا۔ سب نے ہنس کر اس طرح شمعی کو دیکھا کہ وہ جھینپ کر ایک ایک سے نظریں چرانے لگی!۔

"صاحب کھانا لگا دیا!۔" باری کا ملازم حنیف کمرے میں آیا۔

"چلو بھئی!" ایمن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پہلے کھانے سے فراغت پالیں۔ پھر اگر بارش تھم جائے تو آبشار دیکھنے چلیں گے!۔" وہ لڑکیوں کی طرف مڑا۔ تشریف لے چلیے! آپ کا گھر ہے۔ تکلف

اور غیریت کی بالکل ضرورت نہیں!"

باری نے لنچ میں غیر معمولی اہتمام سے کام لیا تھا! نہ جانے کیا کچھ لمبی لمبی میزوں پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک چنا ہوا تھا۔ ملازم اسٹوپ جلائے گرم گرم گرلڈ چکن تیار کر رہا تھا۔

واہ باری بھائی" مشکور نے تالی بجا کر کہا "مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے آج آپ کا ولیمہ ہے!"

"چپ شیطان!" شمعی نے چپکے سے اسے جھڑکا!۔

مشکور بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور بلند آواز میں بولا "آپ سب نے سنا! میں تو شمعی آپا سے کچھ بولا نہیں تھا! مگر چور کی چوٹی میں تنکا! میں نے باری بھیا سے کہا تھا کہ آپ کا ولیمہ ہے تو اتنے لوگوں میں صرف شمعی آپا مجھے ڈانتی ہیں کہ چپ شیطان! بھلا آپ سے مطلب۔؟!"

شمعی کو گلنار ہوتے دیکھ کر ایمن نے اسے ڈانٹا "مسخرہ پن کرتے رہو گے!۔ خاموشی سے بیٹھ کے کھاؤ۔ تم مچھلی شوق سے کھاتے ہو۔؟!"

اگر عمدہ پکا ہوا ہو تو میں مگرمچھ بھی شوق سے کھا لوں گا! لیکن یہاں تو انواع و اقسام کی مہکیں آرہی ہیں۔ کیا کھاؤں کیا نہ کھاؤں؟" مشکور بولا پھر اپنی کرسی پر ڈٹ گیا۔ میز پر بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ مشکور نے لطیفے سنائے۔ ایمن اور باری دل کھول کر ہنستے رہے۔ لڑکیوں کے لئے نوالے اٹھانا دشوار ہو گیا۔ بہر حال بڑے اچھے موڈ میں لنچ ختم ہوا۔ اور سب پھر بڑے ہال میں آ بیٹھے۔ بارش کا زور بڑھتا جا رہا ہے؟۔ ملازم کافی لے آئے اور ایمن نے کافی کے گرم گرم گھونٹ سپ کرتے ہوئے کہا۔

اچھا مشکور میاں!۔ لطیفے تو آپ نے ہم سب کو سنا دیے!۔ اب آپ کی علمی استعداد بھی ہم دیکھیں۔ سنایئے۔ چند اچھے اشعار کہ طبیعت پھڑک اٹھے!۔"

"امین بھائی۔ ڈاکٹری اور شاعری؟ ... یعنے کہ ایں چہ بوالعجبی است!" شکور نے بڑی حیرت سے پوچھا!۔

"اس گنوار کو بھلا اچھے شعر کہاں یاد؟" رضیہ بولی۔

"واہ رضو آپا۔" شکور برا سا منھ بنا کر بولا "گریجویشن کر رہا ہوں کہ گھاس چھیل رہا ہوں!۔ ایسے ایسے اشعار دں سے آپ کی ضیافت طبع کروں کہ باری بھائی کی ضیافت شکم بھی گرد ہو کر رہ جائے!۔

"ارے جا جا!۔ دیکھ لی تیری قابلیت" شفاعت ہنس پڑی "شعر کی جمع اشعار دں بنا رہا ہے۔

"وہ تو مجھے یاد تھا کہ شعر کی جمع اشعار۔ مگر چونکہ یہاں معاملہ بہت شعروں کا ہے لہذا میں نے اشعار دں کہہ دیا تھا!۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ اس قدر ذکی الحس ثابت ہونگی کہ اتنی سی بات بھی گوارا نہ کریں گی!" شکور بولا۔ اچھا۔ خیر آپ سنیئے امین بھیا۔ ؎

قاصد یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے ان کا پیام دل کے سوا کون لاسکے

"بھئی۔ ٹیسٹ د مذاق تو اچھا ہے!" امین نے کہا "اور سناؤ!۔"

شکور بھی موڈ میں آگیا تھا!۔ چہک کر بولا "سونیٹ (S N N E T) سناؤں؟!

"بور کرو گے۔ بس ہلکے پھلکے شعر!" رضیہ نے کہا۔

"اچھا تو سنیئے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ جدید دور کے علامہ اقبال سے سابقہ پڑا تھا!" شکور بولا اور پھر کھنکار کر شعر عرض کیا ؎

کب تک یہ طول فرقت، تاثیر دے الٰہی
اس آہ نارسا کو اس اشک بے اثر کو

امین اور باری نے داد دی۔ لڑکیوں نے بھی تعریف کی!۔

ملازم اور کافی لے آئے۔ ماحول بے حد دلچسپ ہو گیا تھا!۔ باہر رم جھم ہو رہی تھی اندر

گپ شپ اور لطائف کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کی محفل آراستہ تھی!۔

"میں کب تک سناتا رہوں گا۔ آپ سب بھی اچھے اچھے شعر سنائیے نا!" مشکور بولا

"بس ختم ہو گیا اشعاروں کا خزینہ؟" شبنم ہنس پڑی "ارے۔ تم کیا سناؤ گے۔ دیکھو میں سناتی ہوں!۔ داد دیجئے گا ڈاکٹر صاحب!"

"ارشاد!۔ میں ہمہ تن گوش ہوں!" امین نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"صرف ڈاکٹر صاحب کو مخاطب فرمایا آپ نے!" باری نے شکوہ کیا "آپ کے خیال میں میں بالکل ہی کندہ ناتراش ہوں!۔ حالانکہ اس کا ذوق میں نے ہی آں محترم کو دلایا ہے!"

"اللہ۔ آپ تو برا مان گئے!" شبنم بڑے ناز سے ہنسنے لگی "اچھا تو آپ بھی سنیئے اب مجھے کیا پتہ تھا!۔ فرمائش تو اس کی امین صاحب ہی نے کی تھی!" یہ کہہ کر اس نے سنایا ؎

ما بارگہ دادیم این رفت ستم برما
بر قصر ستم گاراں آیا چہ رود خذلال

امین تڑپ اٹھا!۔ باری نے بے ساختہ واہ واہ کا نعرہ بلند کیا۔

"سچ مچ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں تلے پھر جاتا ہے!" باری نے کہا۔ پھر ان میں اچھے شعر کا مقابلہ شروع ہو گیا!۔ امین کو بھی سب نے مجبور کیا۔

"آخر آپ کی پسند کا پتہ بھی تو چلے!" ناز بولی "یہ تو نا انصافی ہے کہ بقول غالب کے شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے۔ آپ اندازہ لگالیں کون کتنے پانی میں ہے!۔ پہلے آپ سنائیے!"

"آپ فارسی میں سننا چاہتی ہیں تو عرض ہے کہ ؎" امین نے کہا۔

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی
چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی

دردت چہ درد بود کہ چوں من تمام شب
سر را بسنگ می زدی و می گریستی

سب نے بڑا شور مچایا۔ سچ مچ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لہریں سر پٹک رہی ہوں بارش سر دھن رہی ہو۔ اور آسمان کی آنکھیں برس رہی ہوں۔!

"شمعی کچھ تم بھی کہو۔!" رضیہ اس کی طرف جھکی۔!

مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔ رضیہ!۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ مگر لڑکیوں نے ایسا گھیرا کہ وہ چپکے سے بول ہی دی ؎

دل ٹوٹنے سے تھوڑی سی تکلیف تو ہوئی لیکن تمام عمر کو آرام ہو گیا

اور دفعتاً کسی ارادے کے بغیر اس کی نگاہیں ایمن کی نگاہوں سے مل گئیں شمعی نے پلکیں جھکا لیں مگر ایمن کو کئی خواب اس کی آنکھوں میں ٹوٹتے دکھائی دیے!۔ اس نے اپنے حسب حال شعر سنا دیا تھا!۔ ایمن کی زبان پر بے ساختہ آگیا ؎

اپنی تباہیوں کا مجھے کوئی غم نہیں
تم نے کسی کے ساتھ محبت نبھا تو دی

"واہ ایمن بھیا واہ۔!" شجاعت جلدی سے بول پڑی۔ پھر فریال کو دیکھ کر کہا۔

بے خبر مجھ کو زمانے سے کیا ہے جس نے
کچھ اُسے میری تباہی کی خبر ہے کہ نہیں

"اچھا محترمہ اب اپنے ذوق کی بلندی کا ثبوت دیجئے!" رضیہ نے فریال سے کہا۔ اور اس خیال سے کہ کب اسی کو گھورنے لگے ہیں۔ اس نے جلدی سے بوجھ اتار دیا ؎

نقش ہے پریشاں حالی کا غم ہم کو نہیں پامالی کا
مٹنا تھا برنگ نقش قدم تقدیر کا شکوہ کیا کرتے

اچانک راہداری میں فون کا بزر پوری آواز سے چلا اٹھا!۔

"ہائیں؟!" باری چونک پڑا۔ "بھلا یہاں کس نے مجھے فون کیا!" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ ایمن اب بھی گنگنا رہا تھا ؎

یادش بخیر! عہد محبت کی شاعری
اک آہ تھی کہ گیت کے سانچے میں ڈھل گئی

دو منٹ بعد باری کمرے میں آیا۔ چھچلتی نظر شمعی پر ڈالی اور غیر اطمینانی سانس لے کر ایمن سے کہا۔

"اچھا۔ ایمن۔ بس اب چلنا چاہئے!۔ فون پر چچا جان تھے۔ تمھیں جلد تر واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے۔ کوئی ایمر جنسی کیس ہے!۔"

ایمن اپنا ہر قسم کا عیش و آرام دوسروں کی تکلیف پر قربان کر دینے کا عادی تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پیانو پر پڑی ہوئی شیروانی پہننے لگا!۔

"اتنا تیز بارش میں کیسے جایئے گا؟!" بے اختیار شمعی نے پوچھ لیا۔ ایمن کے اٹھتے ہی محفل بھی درہم برہم ہو گئی!

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں!" ایمن نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "مگر جانا ضروری ہے پتہ نہیں۔ کون شخص کیسی حالت میں لایا گیا ہے!۔ تم سب یہیں انتظار کرو۔ واپسی پر یہیں آنے کی کوشش کروں گا!۔"

"نہیں نہیں۔ پلیز ڈاکٹر۔ اب ہمیں بھی اجازت دیجئے" رضیہ بول پڑی۔ "بارش کے رکتے ہی ہم بھی چلے جائیں گے!۔ پھر کبھی تفصیل سے ملاقات ہو گی!۔"

"اچھا تو پھر۔ خدا حافظ!" ایمن نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ یہاں پہلے ہی سے باری اس کا منتظر کھڑا تھا۔ سر کے اشارے سے اسے الگ بلا لے گیا!۔ اور ادھر ادھر دیکھ کر مدھم لہجے میں کہا۔

"کال چچا جان کی نہیں تھی!۔ میرے ایک ساتھی کنٹریکٹر ہاشم صاحب کی تھی!۔"

"کوئی خاص خبر دے رہے تھے وہ؟" ایمن نے پوچھا۔

"ہاں!" باری نے کہا "بڑی خاص خبر کہہ رہے تھے کہ۔ ہمارے دیرینہ کرم فرما

مشرف صاحب کسی ایکسیڈنٹ کے شکار علاقے کے اسپتال میں لائے گئے ہیں!۔ حالت دگرگوں ہے!۔ ہاشم صاحب ہی جائے واردات پر موجود تھے وہی انھیں اسپتال لے گئے!۔

"انھیں فوراً فون کردو باری!" ایمن نے کہا۔ "کیس جلد از جلد سول اسپتال ٹرانسفر کر دیا جائے!" "میں تو ہاشم صاحب کا فون نمبر بھی نہیں جانتا ایمن غالباً انھوں نے کسی بوسے (BOOTH) سے مجھے مطلع کیا تھا۔ بہرحال میں جارہا ہوں!۔ تمھیں وہاں پہونچ کر حالات سے آگاہ کردوں گا۔" باری نے کہا۔ "میں یہ جانتا تھا کہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا! کئی بار میں نے دیکھا کہ فرنیٹر میل کی طرح گاڑی اڑائے لیے جارہے ہیں!۔ پہلو میں روز ہی تقریباً نئی لڑکی جلوہ افروز ہوتی تھی!۔ ایک مرتبہ پہلے بھی چالان ہو چکا ہے۔ مگر انھیں ہوش کہاں؟

سہیل صاحب وغیرہ کو اطلاع دے دینی چاہیئے!" ایمن نے کہا۔

"انھیں تو دے ہی دوں گا مگر شمعی!۔ لاکھ کچھ ہو۔ وہ آخر اس کے بھائی ہیں!" باری نے کہا۔ "پہلے تم انھیں ایک نظر دیکھ تو آؤ۔ حالت خراب نہ ہو تو شمعی سے تذکرہ کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں!۔ میں تو ابھی یہاں موجود ہوں!۔ وہ سب یہیں سے چلی جائیں گی۔ میں شمعی اور فریال کو جمشید منزل پہونچا دوں گا!۔"

اس اثناء میں بارش قدرے کم ہو گئی تھی! باری نے رین کوٹ پہنا اور دونوں کاریں ان سب کے لئے چھوڑ کر ٹیکسی پر چلا گیا!۔

ایمن باہر ہی کھڑا تھا!۔ اور سوچ رہا تھا کہ اس کا قرب اور اس کا علاج مشرف صاحب گوارہ بھی کریں گے یا نہیں؟۔ اتنے میں لڑکیاں بھی باہر آگئیں!۔ مشکور اپنا ٹرانسسٹر سنبھالے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی!۔ اور ہاتھ بڑھا کر مشکور نے ہی ریسیور اٹھا لیا۔ ایمن کا ماتھا ٹھنکا!۔ یقیناً پھر وہی خبر کوئی اور دے رہا ہے جو ہاشم نے دی تھی! مشکور خدا جانے کیا سن رہا تھا!۔ آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ لب کھلے ہوئے تھے۔ حیرت و استعجاب کی تصویر نظر آرہا تھا!۔ پھر ریسیور رکھ کر وہ بول پڑا۔

"امین بھائی ۔ غضب ہو گیا ۔ فوراً چلیے!"

"کیا ہوا ۔ کیا بات ہے! خدا کے لئے بولو مشکور ۔ فون پر کون تھا!؟ فریال اور شمعی دونوں ہی پریشان ہو گئیں! ۔ اور امین سوچ کرتا رہ گیا ۔ مشکور نے کہہ دیا ۔

"شمعی آپا ۔ فون پر دولہا بھائی تھے ۔ شرف بھیا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ۔ بچنے کی کوئی امید نہیں!"

"ہائے میرے بھیا!" ایک غم آلود چیخ شمعی کے لبوں سے نکلی اور وہ فوراً بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی ۔ سر چوکھٹ کی بولسٹ سے ٹکرایا اور خون کی لکیر بہہ نکلی! لڑکیاں چیخ کر جھپٹیں ۔ لیکن وہ سب بھی بدحواس ہو گئی تھیں ۔ کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا ۔ امین نے جھک کر شمعی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اندر کمرے میں بستر پر لٹا دیا ۔ وہ غفلت میں سسک رہی تھی! ۔ فریال نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی ساڑی کا آنچل پھاڑا اور امین نے خون صاف کر کے جلدی سے زخم پر پٹی باندھ دی ۔

"تمہیں احتیاط لازم تھی مشکور میاں!" امین نے نرم لہجے میں کہا ۔ "تم سے پہلے یہ خبر مجھے مل گئی تھی ۔ لیکن میں نے کسی سے کہا نہیں ۔ باری اسی سلسلے میں گئے ہیں!"

"پتہ نہیں ۔ اب وہ کیسے ہیں؟" فریال خشک لبوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی ۔ "لاکھ کچھ ہو ۔ ہزار وہ بڑے ہوں ۔ مگر شمعی کے سگے بھائی ہیں ۔ خدا کوئی غم میری شمعی کو نہ دکھائے!"

"ڈاکٹر صاحب، پھر چلیے نا!" شفاعت بولی ۔ سب کی شگفتگی اور زندہ دلی کافور ہو گئی تھی! مشکور بے حد گھبرایا ہوا اور ساتھ ہی بہت شرمندہ نظر آ رہا تھا! ۔

امین کی تدبیروں سے شمعی کو جلد ہی ہوش آ گیا ۔ وہ دیوانوں کی طرح بستر پر اٹھ بیٹھی ۔ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھا کی پھر ایک جگر خراش چیخ مار کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا ۔

"شمعی! ۔ دل کو سنبھالو ۔!" فریال نے گلوگرفتہ آواز میں تسلی دی ۔ "ابھی کسی کو حالات کو پوری خبر نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے شرف بھائی بالکل اچھے ہوں! ۔ یہ تو تم بدشگونی کر رہی ہو!"

"باری کا فون آتا ہوگا!" ایمن نے ہاں میں ہاں ملائی "اگر کوئی بات خطرے کی ہوتی تو ماموں بھیا یہاں بھاگے آتے!۔ فون پر اطلاع دینے کا مطلب یہی ہے کہ کوئی اندیشے کی بات نہیں!۔ ویسے بھی ہم ابھی چلتے ہیں۔ تم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی!"

"مگر دولھا بھائی تو کہہ رہے تھے کہ بچنے کی کوئی امید نہیں!" شکور نے روہانسی آواز میں کہا۔ ایمن کو غصہ آگیا۔ آخر یہ ایسا احمق کیوں ہے؟۔ مگر وہ ضبط کر گیا!۔

"پتہ نہیں دولھا بھائی نے کیا کہا اور تم نے کیا سنا؟" شبنم نے کہا اور بڑی قہر آلود نظروں سے شکور کو گھورنے لگی!۔

ان میں باتیں ہو رہی تھیں کہ برساتی میں ایک گاڑی رکی اور کوئی دروازہ کھول کر لان پر کود گیا۔ ایمن باہر نکلا!۔ نو وارد بہت پریشان نظر آرہا تھا!۔

"براہ کرم مجھے سرجن آفندی کے پاس لے چلیئے۔ خدا کے لئے۔ میں بہت بری خبر لے کر آیا ہوں!۔ مجھے نجمی کہتے ہیں اور مشرف صاحب نے مجھے بھیجا ہے!۔ یہاں کا پتہ مسٹر باری نے دیا"

"فرمایئے!" ایمن گھبرا گیا: "آپ آفندی ہی سے مخاطب ہیں!"

"اوہو۔!" نجمی اسے سر سے پیر تک دیکھ کر رہ گیا: "آفندی صاحب... شکر ہے کہ آپ مل گئے۔ مشرف صاحب کا دو گھنٹے قبل ایکسیڈنٹ ہو گیا!۔ سخت زخمی حالت میں انکو باری صاحب نے آپکے اسپتال میں داخل کر دیا ہے۔ وہ وہیں موجود ہیں۔ ڈاکٹروں کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں!۔ چند منٹ پہلے مشرف صاحب کو ہوش آیا تھا!۔ انھوں نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی!۔ براہ کرم چلیئے۔ پتہ نہیں۔ اب تک وہ کچھ کہنے سننے کے قابل بھی رہ گئے یا نہیں۔

اچھی بات ہے میں چلتا ہوں!" ایمن نے کہا۔ اور شکور و فریال سے یہ کہہ کر وہ سب جمشید منزل پہونچ جائیں!۔ اور شمعی کی دلدہی کی جائے۔ وہ نجمی کے ساتھ ہی روانہ ہو گیا۔

گاڑی تیزی سے اسپتال کی طرف بھاگ رہی تھی!۔

لیکن یہ حادثہ ہوا کیسے؟!" ایمن نے پوچھا۔

"بدبختی!" نجمی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مشرف صاحب نے اپنی ہی گرل فرینڈ کو راستے میں کسی اور کے ساتھ دیکھ لیا تھا! جیسے ہی اسکی نظریں ان پر پڑیں۔ وہ ٹیکسی کرکے اپنے دوست کے ساتھ بھاگی۔ انہیں غم وغصہ کا طوفان پاگل کرگیا۔ ایک ٹیکسی میں خود بھی اسکے پیچھے دوڑے اور کسی سنسان کراسنگ پر پہلی گاڑی کو وہ زبردست سائیڈ ماری کہ اگلی گاڑی تو کچے میں اتر ہی گئی مشرف صاحب کے قابو سے ان کی گاڑی نکل گئی! وہیل چکنا چور ہوا اور گیر سینے میں دھنس گیا پھر سٹیرنگ کے بغیر گاڑی تھوڑی دور چل کر الٹ گئی! پتہ نہیں کیسے کسی اور راہگیر کا گزر ادھر ہوا اس نے حادثے کی اطلاع پولیس کو دی اور مشرف صاحب کو پہچان کر قریبی ہاسپٹل میں پہنچا دیا! یہ پولیس کیس بن جائے گا! خدا ہی رحم کرے!"

اگلی گاڑی کے مسافروں کا کیا حشر ہوا؟" ایمن نے طویل سانس لے کر پوچھا!

لڑکی تو جائے حادثہ پر ہی ہلاک ہوگئی! مرد البتہ مجروح حالت میں شفاخانے لایا گیا!"

بہرحال رقابت ہلاکت کا بہانہ بن گئی!" ایمن نے کہا۔ گاڑی اسپتال کے وسیع وعریض کمپاؤنڈ میں رکی۔ ایمن اتر کر آگے بڑھ گیا! نیچے ہال ہی میں غضنفر دکھائی دیے! اور ناامید ہوکر ہاتھ ہلایا۔

"معاملہ ختم ہونے کو ہے۔ ایمن! ڈاکٹروں نے طبی امداد سے ہاتھ اٹھالیا!"

"خدا ان کے حال پر رحم کرے!" ایمن کے منہ سے نکلا! "اور سب لوگ کہاں ہیں!!"

"ڈرائیور کو بھیجا ہے کہ سب کو اطلاع دیدے!" غضنفر نے کہا۔ پھر ایمن کو لے کر مشرف کے پاس جا پہونچے۔

فوری طور پر آپریشن کرکے اسکے زخم سی دیے گئے تھے! لیکن خون بہت بہہ گیا تھا! سینے پر سخت چوٹ آئی تھی! جس کی بنا پر ڈاکٹروں کا خیال تھا وہ جانبر نہ ہوسکے گا!

"خون کی فراہمی کی کوشش کیجیے۔ مسٹر احمد!" ایمن نے مرتعش لہجے میں کہا: "دیکھیے اپنے اسٹاک میں کتنے قسم کے خون موجود ہیں! آخری مرتبہ میں بھی کوشش کرتا ہوں!"

حکم کی تعمیل میں احمد چلا گیا۔ ایمن تدبیر کرنے لگا۔ تھوڑی سی دیر کے لئے ہی اسے ہوش آجائے۔ پتہ نہیں۔ وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

فوراً سے پیشتر اسے مصنوعی سانس پہونچانے کا انتظام کیا گیا۔ دو دو ڈاکٹر گلوکوز چڑھانے لگے۔ اور احمد خون کے مختلف اقسام کی فہرست لے آیا۔ ایمن حیرت انگیز پھرتی سے وہ تمام تدبیریں کر رہا تھا جو اس کی دانست میں مفید ہو سکتی تھیں۔ اُس نے مشرف کا خون ٹسٹ کیا اور دوسرے خون سے ملایا۔ لیکن اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"افسوس۔ اسکے لبوں سے نکلا۔" مشیت کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ کوئی خون ان کے خون سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بے میل خون دیا جائے گا تو فوراً ڈیتھ واقع ہو جائے گی۔"

"خدا رحم کرے۔ یہ کیسا سانحہ ہو گیا۔ اب کیا ہوگا؟ ہم بھی آگئے تھے۔ بہت متاسف تھے۔ شمعی کا خون شاید مل جائے۔" غضنفر نے مایوس لہجے میں کہا۔

"یہ بھی ناممکن ہے غضنفر بھائی۔" ایمن نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ اس قابل نہیں ہیں کہ کم از کم ایک پونڈ خون دے سکیں۔ بھائی اگر زندہ ہوا تو بہن مر جائے گی۔"

اتنے میں وہاں سب پہونچ گئے۔ شمعی میں چیخ کر رونے کا یارا بھی نہ رہا تھا۔ وہ غفلت میں سسک رہی تھی۔ سب نے خاموش مشرف کو دیکھا اور چپ چاپ بستر کے پاس سے ہٹ گئے۔ شمعی نے بھی دیکھا اور اس کے پائنتی گر کر رونے لگی۔

"بھیا۔ مجھے چھوڑ کر۔ آپ اکیلے اکیلے۔ اماں اور ابا کے پاس جا رہے ہیں۔ بھیا لے چلئے مجھے بھی اپنے ساتھ۔ ائے میرے بھیا۔ عمر بھر میں دکھ اٹھاتی رہی۔ مگر ایسا دکھ آپ مجھے نہ دیتے بھیا۔ میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ مجھ سے کچھ بولیے۔ ہنس کر نہیں۔ خفا ہو کر بولیے۔ خوش ہو کر نہیں ناراض ہو کر بولیے۔ مگر کچھ تو کہیے۔ یا اللہ یہ میں کون سا ہولناک خواب دیکھ رہی ہوں۔"

شمعی کی حالت ابتر تھی۔ ثریا نے اسے اپنی بانہوں میں لیا اور باہر نکال لے گئی۔

شمعی کو دیکھ کر ایمن کا رہا سہا ضبط رخصت ہو گیا۔

ہر ممکن ایثار۔ جو میں کر سکتا ہوں۔ وہ میں ضرور کروں گا!۔ وہ اپنے آپ بڑبڑایا۔
یہ ننھی سی یتیم رسیدہ مظلوم لڑکی ۔ میں تو اسے انجانی مسرتیں بخشوں گا!۔ خوشیوں بھرا پیغام
سناؤں گا شمی!۔ تمھارا بھائی تمھیں مبارک ہو!۔ وہ اچھا ہو گیا۔"

اور یک بیک ایک دھند سی ایمن کی آنکھوں کے آگے چھٹ گئی!۔ شیروانی اتار کر الگ
پھینکی اور آستین بانہہ پر الٹ کر ہاتھ ڈاکٹر توفیق کے سامنے بڑھا دیا!۔

"میں اپنے خون کا نمبر جانتا ہوں!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: جلدی کیجئے"
شاید اسی طرح ان کی جان بچ جائے!۔"

لیکن۔ سر! ابھی ابھی تو آپ خود بھی بستر علالت سے اٹھے ہیں!۔ توفیق ہکلایا۔
"شٹ اپ!" وہ دیوانوں کی طرح چیخ اٹھا۔ "یہ میرے سوچنے کی بات ہے۔ تم
وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں!۔"

توفیق تو بہر حال اس کے حکم کا پابند تھا!۔ جلدی جس قدر ممکن ہو سکتا تھا ایمن کا
خون مشرف کے جسم میں پہنچا دیا گیا!۔ غضنفر اور سہیل وغیرہ اس کے سخت خلاف تھے
بار بھی یہ سن کر وحشت زدہ ہو گیا کہ ایمن نے یہ خطرہ مول لیا تھا لیکن ایمن کو
اپنی تکان اور نقاہت کا بھی احساس نہ تھا!۔ شمی کی پژمردہ شکل اس کی نظروں تلے
پھر رہی تھی اور وہ ماحول سے یکسر بے خبر نظر آرہا تھا!۔

پھر سننے میں آیا کہ وہ آدمی جو مشرف کے ساتھ ہی اسپتال میں داخل کیا گیا تھا
زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ اس خبر سے ایمن کا دل بیٹھ گیا!۔ مگر وہ اب بھی حالات
سے شکست قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا!۔

"میں موت سے لڑتا رہوں گا۔ شمی کے لیے!" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان
کہا اور اپنی پیشانی سے پسینے کے قطرے ہتھیلی میں سمیٹتا ہوا بولا۔ "میں نے اس سے وعدہ
کیا تھا!۔ زندگی میں۔ ہر قدم پر۔ اس کے کام آتا رہوں گا!۔

مرزا صاحب اور سہیل وغیرہ جا چکے تھے۔ وہ لوگ محض رسمی طور پر آئے تھے۔ کوئی خاص دلچسپی انھیں مشرف کی زندگی یا موت سے نہیں تھی! شمعی کو فریال لے گئی!۔ البتہ ایک یاری تھا جو شمعی کی محبت سے مجبور ہو کر امین کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا! جلد یا بدیر۔ بری خبر اسے سننی ہی پڑے گی!!۔

جمشید منزل میں دونوں شادیوں کی اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں شروع ہو چکی تھیں! بیگم حسن نے باقاعدہ پرچہ لکھ کر جویریہ اور فرحانہ کو ایک ایک مہینے کے لئے بلوالیا تھا غضنفر اور سہیل بھی خوش تھے۔ کسی نے انھیں روکا نہیں بلکہ وعدہ کیا کہ شادیوں سے ہفتہ بھر قبل خود بھی رخصت لے کر آجائیں گے!۔

عطیہ بیگم اتنی دور اندیش اور سلیقہ شعار خاتون تھیں کہ سارا سامان وہ اپنی زندگی ہی میں کر گئی تھیں۔ بڑے قیمتی ملبوسات، نقرئی و طلائی زیورات اور ظروف بڑے کمرے میں مقفل تھے۔ جویریہ نے ماں کی کنجیوں کا گچھا بیگم حسن کو پیش کر دیا۔

"بیٹی۔ سب کچھ اپنے سامنے نکلواؤ مجھ میں رکھنے اٹھانے کی سکت کہاں ؟" "آپ ہی دیکھئے چچی اماں" "مجھ میں بھی یارا نہیں۔" جویریہ نے کہا۔ "امی کی ضعیف شکل آنکھوں میں پھر رہی ہے۔ کتنا ارمان تھا انھیں شمعی اور فریال کی شادی کا یہ حسرت بھی وہ اپنے ساتھ لے گئیں!"

"آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے بھابی!" مرزا صاحب نے بھی جویریہ کی تائید کی "میں سمجھتا ہوں جو کچھ آپ کریں گی وہ عطیہ مرحومہ بھی نہ کر سکتیں!"

ہر کیف بیگم حسن مجبور ہو گئیں! جویریہ ان پر بڑی ہوشیاری سے ساری ذمہ داریاں ڈال کر سبکدوش ہو گئیں! اب فقط ان کے مشوروں میں شامل ہو جاتیں۔ وہ بھی ایسی دانشمندی سے کہ ذمہ دار بیگم حسن ہی ہوتیں۔ بات جویریہ اور فرحانہ پر ایک نہ آتی!

مرزا صاحب اور غفار صاحب کی خواہش تھی کہ دونوں لڑکیوں کے ساز و سامان میں سر مو فرق نہ ہو۔ اس کا التزام خود عطیہ بیگم نے بھی رکھا تھا! کپڑے اور زیورات دونوں کے بالکل ایک ہی سے تھے! ویسے اور ضروری چیزیں جو بیگم حسن نے منگوائیں وہ بھی کم و بیش ایک ہی سی تھیں!"

جمشید منزل پر راج مزدور لگے، پینٹرز آئے، انگریز ڈیکوریٹرز بلوائے گئے اور شادی کی تیاریاں دھوم دھام سے شروع ہو گئیں کہ دفعتہً خوشیوں بھرے گلستاں پر بم پھٹ پڑا۔ فضا دھواں دھار ہو گئی اور یک لخت سارے ولولے سرد ہو گئے!

مشرف کی مستی پھر ایک بار رخنہ انداز ہوئی گو کہ ناوابستہ ہی سہی!

یہ کیسے ممکن تھا کہ بھائی موت و حیات کی جانگسل کشمکش میں مبتلا ہو اور بہن کی شادی رچائی جائے!۔

سب کچھ جہاں کا تہاں رہ گیا تھا!۔

"یا اللہ۔ اصل خیر سے یہ کام ہو جائیں۔" بیگم حسن دل تھام کر رہ گئیں! "شگون کیسے خراب ہیں۔"

شمی کی حالت تو وہ دیکھ ہی رہی تھیں۔ بھلا یہ کوئی کیسے اسے کہتا کہ جس بھائی نے آج تک اسے صحیح معنوں میں اپنی بہن نہیں کہا تھا! جسے ہر ممکن دکھ پہونچایا تھا! جس کی ہمیشہ دلشکنی کی تھی اور جسے مارا پیٹا! وہ بد نہاد اور ناہنجار بھائی کے لئے اپنی جان نہ کھوئے۔ اور مزے میں شادی رچائے!۔

بیگم حسن جانتی تھیں جیسی روحی اذیت اسے پہونچ رہی تھی!۔ جب امین زخمی

ہو گیا تھا۔ تب ان کی اپنی زندگی انھیں ہیچ لگتی تھی۔ مشرف آخر شمعی کے ماں باپ کی نشانی تھا اس کا سگا بھائی۔ جیسا بھی تھا! ۔ بھائی تو تھا! ۔

غضنفر اور سہیل صرف دو دو گھنٹوں کے لیۓ آۓ اور یہ دیکھ کر کہ مشرف ایمن کے زیر علاج ہے بڑے اطمینان سے واپس چلے گۓ! ۔ کوئی اچھا اثر اپنے سلوک کا مشرف نے ان کے دلوں پر مرتب نہیں کیا تھا۔ انکی انھیں خاص فکر نہ تھی۔ رسمی پرسش بھی شمعی کے خیال سے کی تھی! اسے دونوں بہت چاہتے تھے۔ جتنی خیال عزیز تھی اتنی ہی شمعی بھی تھی! ۔

غفار صاحب کو بھی دکھاوے کا اخلاق برتنا پڑا۔ ہو سکتا تھا کہ کل کو باری ہی طعنہ دے ڈالتا۔ ان کی ہونے والی بیوی کا بھائی بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتا رہا اور انھوں نے الٹ کر نہیں پوچھا۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جب ایمن اپنا تن من دھن اور عیش و آرام مشرف کے پیچھے تج رہا تھا تو سبھی کو ظاہری ہی سہی۔ فکر و اضطراب کی نمائش کرنی پڑی۔

ایمن کی حالت سب سے جداگانہ تھی۔ رسمی اخلاق اور ظاہری سلوک وہ نہیں کر رہا تھا! اسے بناوٹ اور ریاکاری آتی ہی نہیں تھی۔ وہ سچے دل سے اور گہرے خلوص سے کر رہا تھا جو بھی کر رہا تھا! ۔

باری بھی بالآخر منافقت برتتے برتتے سچے خلوص اور حقیقی ہمدردی پر اتر آیا شمعی ہی کا خیال اسے بھی تھا! ۔ مشرف کی زندگی اور صحت کے خواہاں دونوں اس لیۓ تھے کہ انکی زندگی سے شمعی کی زندگی بھی وابستہ تھی!! ۔

ایمن نے دوبارہ کبھی شمعی کو اپنے بھائی سے ملنے کی اجازت نہیں دی بے انتہا تسلی اور دلاسے دے کر اسے رخصت کیا اور کہا کہ جب تک وہ مشرف کے پاس موجود ہے۔ شمعی کسی قسم کا کوئی خیال نہ کرے! ۔

شمعی کو ایمن و باری کے خلوص نے خرید لیا! ۔ اتنی ممنون تھی کہ انکے سامنے سر نہ اٹھاتی۔ بہر حال اس کا دل ٹھہر سا گیا! ۔ جب انکے دو چاہنے والے اپنا قیمتی وقت اور

سرمایہ شرف کے پیچھے لٹا رہے ہیں تو فکر و تردد کی کوئی بات نہیں ہے!۔ وہ مطمئن تھی اور خدا سے دعائیں مانگتی تھی کہ ان دونوں کی سعی مشکور ہوں!۔

خدا خدا کر کے اڑتالیس گھنٹوں کی بے ہوشی کے بعد مشرف کو ہوش آگیا!۔ سب میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی تو توقع کسے تھی؟!۔

ایمن نے اپنا چہرہ چھپانے کے لئے فوراً نقاب اوڑھ لیا!۔ اور پہلو سے ہٹ کر سرہانے کھڑا ہو گیا۔ جیسے فرط مسرت سے وہ بھی کانپنے لگا تھا!۔ اسکی تدبیریں بار آور ہوئیں۔

باری البتہ اس پر جھکا!۔

"مشرف... آنکھیں کھولو۔ دیکھو میں تمھارے پاس موجود ہوں!۔ اب تم خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

باری کی آواز سن کر مشرف نے آنکھیں کھول دیں لیکن اس کے حواس بجا نہ تھے نہ زبان قابو میں تھی!۔ کچھ کہنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا!۔

"کچھ بہتر ہو گئے۔ بھائی!" باری نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پھر پوچھا۔ "گھبراؤ نہیں! خدا کا شکر ہے کہ تم خطرے سے باہر ہو گئے!۔ اب جلدی اچھے ہو جاؤ گے!۔"

مشرف نے آنکھیں پوری کھول دیں اور باری کو دیکھا!۔ جیسے اس کے چہرے سے کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو!۔ باری اس پر جھکا ہوا تھا!۔ مخلص درد مند چہرہ، ملنس، دکھ اور محبت دفعتاً ایک عجیب بات ہو گئی!۔ مشرف کی ناتواں آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر آئے اور باری کے چہرے سے تبسم و طمانیت کی پرچھائیاں غائب ہو گئیں!۔

"ب... باری...!" مشرف نے بھولی بھولی زبان سے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "م میری... شم ہی؟... وہ۔ وہ... گک کہاں ہے!...!" اور تنفس کی تیزی سے گھبرا کر خاموش ہو گیا۔ لیکن رحم طلب نظریں اب بھی باری کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں!۔

ایمن سرہانے چپ چاپ کھڑا تھا!۔

"میں شمعی کو ابھی بلوا تا ہوں!" باری یہ کہہ کر سیدھا کھڑا ہو گیا: وہ بہت پریشان تھی۔ چچا میاں اسے اپنے ساتھ لے گئے!۔ لیکن تم اتنے پریشان مت ہو۔ شمعی ابھی آتی ہے!"

"جلدی... بلوا دو۔ باری۔!" شرف نے پھر مضطربانہ انداز میں کہا: ایسا نہ ہو کر۔ کہیں... اس سے ملے بغیر۔ میں چل بسوں۔ اللہ۔ اللہ۔ میری یہی سزا تھی!"

اس کے مرجھائے ہوئے زرد زرد رخساروں پر آنسو بہنے لگے!۔

"اس طرح تو تمھاری حالت اور بگڑ جائے گی۔ شرف!" باری پر اس کی بدترین کیفیت کا بڑا اثر ہوا: کم سے کم اتنی طبیعت قابو میں کرو کہ شمعی سے گفتگو کر سکو!"

شرف میں اتنا بھی یارانہ تھا کہ اپنے آنسو پونچھ سکتا!۔ ویسے اس وقت اسے سچائی سے آنسو بہانا ہی پسند تھا!۔ جیسے جیسے دل کا غبار آنسو بن کر بہہ رہا تھا!۔ دل بھی ہلکا ہوتا جا رہا ہے!۔ دیر تک وہ سسکیاں اور ہچکیاں لے لے کر روتا رہا!۔ باری نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ جی بھر کے آنسو بہا لے۔ ویسے وہ متحیر تھا!۔ پتھر سے بھی چشمہ پھوٹ نکلا!۔

ایمن نے باہر نکل کر کسی سے کہا کہ وہ جمشید منزل پہونچ کر شمعی بی بی کو بلائے اور خود دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ جب دیر تک آنسو بہا لینے کے بعد شرف کا جی ہلکا ہو گیا تو اس نے باری سے پوچھا۔

"میں کہاں ہوں۔ باری؟... مجھے یہاں کون لایا؟۔ یہ مرہم پٹی کس نے کی ہے؟"

اب یہ سب کچھ پوچھ کر کیا کرو گے شرف...؟! باری نے کہا: "تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال ٹھیک ہونے کی کوشش کرو۔!"

"شرف کے لبوں پر زہرخند پھیل گیا: "ٹھیک ہونے کی کوشش کروں!۔ یہ لعنتی زندگی کب اس قابل ہو کر بچائی جائے۔ کونسی شکل رہ گئی ہے کہ کسی کو دکھائی جائے۔" پھر وہ سسکنے لگا: باری، باری کسی سے کہو مجھے ایک زہر کا انجکشن دیکر عذاب سے نجات دلا دے!۔ آہ میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ نہیں چاہتا"

"تم اپنی طبیعت جان بوجھ کر خراب کر رہے ہو شرف! کیا تمھیں اپنی مظلوم بہن کا بھی خیال نہیں ہے۔ وہ تو اب بھی زندہ درگور ہے!۔ تمھیں کچھ ہو جائے گا تو وہ

مر ہی جائے گی!" باری نے کہا۔

"میری مظلوم بہن... مشرف کے چہرے پر کرب چھا گیا! یا اللہ۔ کیا کیا۔ کیا میں نے اس کے ساتھ۔؟ کوئی دقیقہ ظلم و دل آزاری کا باقی نہیں رکھا۔ اسے میں نے ہمیشہ رلایا ہے؟ اور وہ میرے لئے روتی ہے؟... کیا سوچتی ہوگی۔ دل میں۔ کیا سوچتی ہوگی؟!"

زیادہ باتیں نہ کرو۔ مشرف!۔ یہ بھی نقصان دہ ہے تمہارے لئے!" باری نے کہا۔

"باری... مشرف نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ تمہیں بھی مجھ سے ہمدردی ہے؟۔ تم میرے پاس ہو میری صحت کی دعائیں مانگ رہے ہو۔؟ تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوئی؟!۔ تم نے میری سزا پر خوش ہونے کی کوشش نہیں کی؟! کوئی بد اخلاقی تو میں نے تم سے بھی اٹھا نہیں رکھی تھی!"

"میں بھی انسان ہوں۔ مشرف!" باری نے ہنس کر کہا: "کسی کی تکلیف پر مجھے بھی دکھ ہوتا ہے۔ خوشیوں پر میں بھی خوش ہوتا ہوں!۔ اور تم۔ تم تو میرے اپنے ہو!۔ حالانکہ تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی لیکن میں تو ہمیشہ تمہیں اپنا سمجھتا رہا!۔"

ایمن پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور اشارے سے واضح کیا کہ شمعی آئی ہے!۔ باری چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹ جائے!۔ پتہ نہیں مشرف کون سی بات اس سے کرنا چاہئے جس میں باری کی موجودگی اور دخل اندازی پسند نہ کرے مگر وہ سوچتا ہی رہ گیا اور شمعی کمرے میں آگئی!۔ اس نے یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی کہ کمرے میں کون کون تھا!۔ ایک لمحہ دروازے کے پاس ٹھٹھکی پھر بھرائی ہوئی آواز میں اس کے ہونٹوں سے نکلا: بھیا!!"

مشرف کے دونوں بازو پٹیوں میں کسے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت اسے اس کا احساس کہاں تھا!۔ اس نے بے اختیار باہیں پھیلا دیں۔ منہ سے کچھ بول ہی نہ سکا!۔ شمعی جھپٹی اور اپنے بھائی کے بازوؤں میں سما گئی!۔

"بھیا" وہ سسکتی ہوئی بولی: "آپ اچھے ہوگئے!" اور اپنا سر مشرف کے سینے پر رکھ دیا مگر بھیا کو بولنے کا یارا ابھی نہ تھا!۔ اس کے ہونٹ شمعی کے رخسار پر تھے اور آنکھوں سے دریا

بہہ رہے تھے! باری زندگی بھر ایسا متاثر نہیں ہوا تھا!۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ بھائی بہن کے ملنے کا نظارہ کچھ ایسا جگر سوز تھا کہ ایمن کی پلکیں بھی بھیگنے لگیں! اس نے رومال سے اپنی آنکھیں مل ڈالیں اور جلدی سے باہر نکل گیا!۔ باری بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ دونوں لاؤنج میں رک گئے۔

"کیا یہ موت کا افاقہ ہے۔ ایمن!" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا "کل تک وہ بیہوش تھے۔ اور یکبارگی ہوشمندوں کی سی باتیں کرنے لگے! کیا یہ کوئی خطرناک علامت ہے!"

"افاقتہ الموت اسے نہیں کہتے!" ایمن نے سمجھایا "یہ زندگی کی طرف واپسی کی علامت ہے! جوان آدمی ہیں۔ حالات سے مقابلہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں! زندگی موت پر غالب آ گئی۔"

"تمھاری جانفشانی کا ثمرہ ہے" باری نے کہا "تمھارے حسن خلوص کا کرشمہ۔ یہ جو کھوئی ہوئی بہت شرافت میں ان میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ بھی تمھارے ہی خون کی شرافت ہے۔ ورنہ کہاں وہ اور کہاں یہ افعال؟! توبہ کرو۔"

ایمن مسکرایا "بڑے جذباتی ہو۔ اب کیا میری خدمت کا احسان اس بیچارے پر لاد دوگے؟ تذکرہ تو ضرور کردوں گا تاکہ انھیں اندازہ ہو جائے۔ دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی!۔ باری بڑے جوش میں بولا۔

"احمق آدمی" ایمن ہنسنے لگا! "تذکرہ کیا اور تاثر کھو دیا۔ یقین کرو کہ خاموشی بھی ایک بڑی موثر طاقت ہے!"

"تمھاری نیکی اور شرافت کے کھوکھلے اصول آج کل کی مکر و فریب سے بھری دنیا میں کام نہیں دیں گے۔ ایمن!۔ تم بھی یقین کرو کہ تمھاری ہی شرافت کے نام پر لوگ تم ہی کو دھوکے دیں گے!" باری طنزیہ ہنسا۔

"نیکی اور بدی کی قدریں اپنی جگہ اٹل ہیں باری۔! یہ اور بات ہے کہ لوگ ان

اقدار کا غلط استعمال کرنے لگیں۔ میں تو نیکی کی جزا اور بدی کی سزا پر بھی کامل یقین رکھتا ہوں کوئی خدمت مخلص ہو۔ وہ اپنا رنگ ضرور دکھائے گی!۔ امین نے اب بھی نرم لہجے میں کہا۔

"سزا اور جزا کے لئے حشر کا انتظار کرنا چاہیئے"۔ باری نے کہا "ہم نے دنیا میں تو کسی کو نیکی کی جزا پاتے یا بدی کی سزا بھگتے ہوئے نہیں دیکھا! یہ سب کتابی باتیں ہیں!۔"

قانون قدرت یہی ہے باری۔ اجر یا بدلہ جب بھی ملے۔ مگر ملتا ضرور ہے!" امین نے کہا "خیر ہم بھی دیکھیں گے!۔ باری نے کہا" آپ کی خدمتوں کا اجر آپکو کس وقت اور کیسی صورت میں ملنا ہے!۔

جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میں نے قصداً بدی کسی کے ساتھ نہیں کی!۔ امین نے ہنسکر اس کا جوش ختم کیا۔" اس لئے مجھے سزا کا خوف نہیں ہے!۔ اور اپنی دانست میں جو اچھائی میں کسی کے ساتھ کرتا ہوں!۔ اس کے اجر کی تمنا نہیں رکھتا!۔ کیونکہ مجھے تو اپنی خدمت ہی سے جو قلبی مسرت اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہی میرا اجر و انعام ہوتی ہے!۔"

تب تو تم آدمی نہیں۔ فرشتہ ہوا۔ تمہیں کچھ دیر اور بھی آسمانوں پر رہنا تھا!" باری برا سا منھ بنا کر بولا۔

میں آدمی نہیں۔ انسان ہوں۔ باری!۔ اور انسانیت کی مکمل ترین تصویر بنا چاہتا ہوں!" امین نے جوش و غضب سے یکسر عاری اور سیدھے سادے لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے مجھے اعتراف ہے۔ چھوٹی موٹی غلطیاں مجھ سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں!۔ کیونکہ انسان کے خمیر میں ظلم و جفا سمو دیا گیا ہے!۔ جس سے انسان تو انسان۔ فرشتے بھی معریٰ نہیں!۔"

صاحب!۔ مکان سے بڑے سرکار اور سب لوگ آئے ہیں!۔ اردلی نے آکر کہا اور ان کی بحث کا خاتمہ ہو گیا!

"انھیں۔ مشرف صاحب کے پاس لے جاؤ!" باری نے اردلی سے کہا "ہم بس دم

میں بیٹھ گئے۔ کافی دے جاتا! اور ایمن کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا!۔

اس واقعہ کے اظہار میں کسے تاب جب مشرف سراپا خطا و تصور بنا ہوا اپنی بہن سے ملا تھا۔ شمعی کی محبت کا پتہ اسے اب چلا اور اپنے ظلم کا بھی!۔ بیسوں بوسے اس نے اس کی پیشانی کے لئے۔

"مجھے معاف کر دو شمعی!۔ مجھے معاف کر دو۔ میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ جنون سوار ہو گیا تھا مجھ پر۔ مگر اب سب کچھ ختم ہو گیا۔ اپنی زبان سے کہہ دو کہ تم نے میری خطائیں بخش دیں ورنہ میں اپنے کندھوں پر گناہوں کا پشتارہ لے جاؤں گا۔ قبر میں بھی چین نہ پڑے گا۔ روح حشر تک بے قرار رہے گی!۔ تم بھی مجھے معاف کرو۔ خدا مجھے معاف کرے!۔"

بڑی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے!۔ شمعی اس کی قلب ماہیت پر متحیر تھی!۔ وہ تو بالکل ہی بدل کر رہ گیا تھا!۔

پھر نرس نے سب کی آمد آمد کی خبر دی۔ جب تک مشرف اپنے حواسوں میں نہیں تھا!۔ اسے کسی کی آمد و رفت کی پرواہ بھی نہیں تھی اب تو وہ ہراساں ہو گیا!۔ منع بھی کیسے کر دیتا کہ کوئی اس کے پاس نہ آئے۔

پھر سب اندر آ گئے!۔ تقریباً سبھی تھے۔ سوائے ایمن و باری کے!۔ ان میں ان دونوں کو مشرف کی نگاہیں تلاش کرتی رہ گئیں اور پھر ایک آہ بھر کر وہ رہ گیا!۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس قابل ہوئے!۔" مرزا صاحب اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے!۔

"ہاں۔ حالت تو مخدوش تھی مگر اللہ کے گھر سے پلٹے!۔" غفار صاحب نے اوپری دل سے کہا۔

"بیٹے ناز کرو اپنی ایسی چہیتی بہن پر۔ جس کی دعاؤں نے تمہیں ازسرنو زندگی دی!" بیگم حسن بھی بول ہی دیں۔ جن کی آواز اس کے اعصاب پر بجلی بن کر گری تھی!۔ جن کی شکل دیکھ کر وہ کانپ اٹھا تھا!۔ فریال پٹی کے پاس کھڑی تھی!۔ اس پر نگاہیں پڑیں

اور مشرف کے دل کی دنیا ڈولنے لگی۔

مشرف نے ان سب کی طرف دیکھ کر ہاتھ جوڑنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ پھر گریہ کناں لہجہ میں بولا: "خالو بابا۔ مجھ ناخلف و ناہنجار کی دوبارہ زندگی پر خدا کا شکر نہ ادا کیجئے! آہ میرا وجود تمام گناہگار ہے۔ میں ہی خالہ بی کی موت کا باعث بنا تھا۔ میں نے آپ سب کی دل آزاری کی تھی۔ میں ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کو تکلیف پہونچا کر خوش ہوتا رہا۔ خدا کے لئے آپ سب مجھے معاف کر دیجئے۔ میں آپ لوگوں کی ناراضی کا احساس لئے تو دنیا سے منھ نہ کالا کروں!"

"میاں۔ یہ کیسی باتیں کرنے لگے!" مرزا صاحب نے اس کے لبوں پر اپنا لرزتا ہوا ہاتھ رکھ دیا۔ "چھوٹوں کی خطا اور بڑوں کی عطا مشہور ہے!۔ میں نے تو کبھی نہیں سوچا کہ تمھیں سرزنش کروں۔ البتہ دل کڑھتا تھا کہ تم ہم سب کو اپنا نہیں سمجھتے۔ سو اب یہ بھی خیال نہیں!۔ انشاء اللہ اچھے ہو کر گھر چلو گے!۔ اور ہم میں گھل مل کر رہو گے۔ کب میں نے غضنفر یا ریحل سے کم تم کو سمجھا تھا!!"

"خالو بابا۔ اپنی تکلیفیں یا تو میں جانتا ہوں یا میرا خدا۔ سارے جسم میں میرے آگ لگی ہوئی ہے۔ اب میں زندہ نہیں رہوں گا!۔ یہ مہلت تو موت نے اس لیے دی ہے کہ آپ سب سے اپنے قصور معاف کروالوں!۔ آہ!... امین نہیں آئے!۔ وہ تو مجھ سے بہت ناراض ہوں گے!۔ کاش!۔ وہ بھی آسکتے!۔ سب سے زیادہ میں ان کا گناہگار ہوں!۔ جب تک ان سے معافی نہ مانگ لوں گا۔ میرا دم بھی آسانی سے نہیں نکلے گا!"

"تمھیں معلوم نہیں ہے۔ مشرف بیٹا!" غفار صاحب کو اس کی بے کلی پر ترس آہی گیا۔ سر پر ہاتھ رکھ کر کہا: "تم بے ہوش تھے!۔ دن رات چوبیس گھنٹے امین تمھارے پاس رہے تھے!۔ کوئی دقیقہ علاج و معالجہ کا انھوں نے تمھارے لئے اٹھا نہیں رکھا

تمھاری حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی!۔ خون کے زیادہ بہہ جانے سے یہ اندیشہ تو ی تھا کہ تم بچ نہیں سکتے!۔ کوئی خون تمھارے خون سے میل نہیں کھا رہا تھا!۔ بالآخر اس وقت بھی ایمن ہی کام آئے!۔ اپنا خون تمھیں دیا تھا!۔ جس کی یہ برکت ہے کہ تم اس وقت ہوش مندوں کی طرح باتیں کرنے کے قابل ہوئے ہو!۔ ایمن اپنا خون نہ دیتے تو خدا جانے اس وقت کیا عالم ہم سب کا ہوتا اور تم کہاں ہوتے!!۔"

غفار صاحب ابھی کچھ اور بھی کہتے مگر دفعتہً مشرف پر سکرات کا عالم طاری ہو گیا۔ ایک جگر خراش چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور وہ ہاتھ پیر تاننے لگا!۔ نرس جو ہمیشہ اس کے وارڈ میں موجود رہتی تھی!۔ ایمن کو اطلاع دینے بھاگی!۔ مگر ایمن کے آتے آتے مشرف کی حالت میں تغیر ہو گیا۔ جیسے نزع کسی ہولناک اذیت کا ردِ عمل ہو!۔

"یا اللہ۔ یا اللہ۔" مشرف کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ آنکھیں بند تھیں!مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں!۔ جیسے وہ ذرا ہی سی دیر کا مہمان تھا!۔

پھر ہاٹ ڈور کھلا اور ایمن کی بدحواس شکل دکھائی دی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟۔" وہ مشرف پر جھکا!۔ ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا دوسرا نبض پر۔ اور پھر حیرت سے کہا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ کس نے نرس کو میرے پاس بھیجا تھا!خدا کی پناہ میں تو ڈر گیا!۔"

"میاں یکبارگی ان کی عجیب حالت ہو گئی تھی!۔" مرزا صاحب نے جواب دیا۔

یہ بھی تو ایک قدرتی عذاب ہی تھا کہ مشرف اپنے پورے حواسوں میں تھا اور اچھی طرح سُن رہا تھا۔ ایمن کی گھبرائی ہوئی آواز نشتر بن کر اس کے اعصاب کو چیرتی چلی گئی تھی۔

خدا کی پناہ۔ میں تو ڈر گیا۔ خدا کی پناہ! میں تو ڈر گیا۔

کیوں ڈر گیا؟!۔ مشرف کی بدلتی ہوئی حالت سے کیا وہ اس کی بدترین موت کا خواہاں نہیں تھا!۔ پھر اس نے غم والم سے معمور نظر دل سے ایمن کو دیکھا اور وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گیا!۔

"آپ کو۔ مجھ سے نفرت نہیں ہوئی۔ ایمن!" مشرف نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ یہ کیا کیا آپ نے؟۔ عمر بھر کی شرساری سے یہ بہتر تھا کہ آپ ایک زہر کا انجکشن دے کر میرا خاتمہ کر دیتے!...."

ایمن کی ساری احتیاط دھری رہ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حتی الامکان مشرف کا سامنا کرے۔ اس سے بچتا پھرتا تھا!۔ جب تک وہ بے ہوش رہتا وہ اس کے پاس رہتا اور جیسے ہی وہ ہوش میں آتا!۔ ایمن کے پاس سے ہٹ جاتا!۔

"مسٹر مشرف!" ایمن نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام لیا!" زہر کا انجکشن میں آپ کو کیسے دے دیتا۔ آپ ہی پر تو میری ساری زندگی کا تجربہ کام آیا ہے!۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے۔ میں اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ زندگی کا ایک ہی واقعہ ساری زندگی کا کردار نہیں ہوتا!۔ بہر حال اب آپ ٹھیک ہونے کی کوشش کیجئے!۔

"ایمن صاحب۔ یقیناً یہی میری سب سے بڑی سزا ہے جو آپ نے مجھے دی ہے! شاید خدا بھی مجھے ایسی شدید سزا نہ دیتا۔" مشرف نے کہا۔" میں نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی!۔ میرے دوستوں نے میری محبت کا دم بھرتے ہوئے آپ پر حملہ کیا تھا!۔ اور اپنی دانست میں آپ کو ختم ہی کر دیا تھا!۔ قصور ان کا نہیں میرا تھا!۔ آپ کی جان کے درپے میں تھا!۔ وہ نہیں!۔ لیکن آپ نے اپنے جانی دشمن سے بدلہ لینے کے بجائے اس کی جان بخشی کی!!۔ کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ آپ پر میں نے جبر سے وار کیا تھا!؟"

کمرے میں جتنے لوگ موجود تھے وہ متحیر و مبہوت ان کی گفتگو سن رہے تھے!

"میں نے آپ کی ایک جھلک اپنی پشت پر دیکھی تھی لیکن یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ آپ تھے!" ایمن نے کہا۔ "بہر حال جو کچھ گزر گیا۔ اب اس کا اعادہ کرنے سے کیا فائدہ۔ میری بات مانیئے۔ اپنے بستر علالت سے نیا جنم لے کر اٹھیے۔ ہم سب آپ کا خیر مقدم کریں گے!۔ انسان سے غلطیاں ضرور ہوتی رہیں۔ لیکن جب وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتا ہے تو فرشتہ بن جاتا ہے!۔ آپ کو بدلنا ہی چاہیے کیونکہ آپ کا خون آپ کے جسم سے نکل چکا ہے!۔ اب آپ کی رگوں میں میرا خون دوڑ رہا ہے!۔ جس کی ہر طرح سے حفاظت کرنا آپ کا کام ہے!"

"میرے فرشتہ خصلت دوست!" مشرف کی آواز فرطِ خلوص و تاثر سے ٹوٹنے لگی۔ "میں تمھاری بلندی کردار کے سامنے کتنا پست اور چھوٹا معلوم ہوتا ہوں۔ میں نے اپنی ہوس کے ہاتھوں تمھارے قتل میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ مگر تم نے!"

"خوامخواہ تم نے اس فضول حرکت کا اظہار کر دیا۔ مشرف صاحب... ورنہ میں نے تو آج تک منہ سے بھی نہیں نکالا تھا کہ وہ تم تھے!" ایمن نے ہنس کر کہا۔ "بیکار سب کے خیالات خراب ہوتے!۔ تمھیں بھی اس واقعہ کو بھول جانا چاہیئے!"

"آہ!۔ ایمن۔ میری فردِ جرم طویل ہے۔" مشرف نے کہا۔ "پتہ نہیں!۔ میں نے کیوں اپنے ہاتھوں اپنی بداعمالیوں میں اضافہ کیا مجھے معلوم تھا کہ تم کرنل جبار کی صاحبزادی سے انسیت رکھتے ہو۔ تمھاری منگنی فریال سے بھی ہوئی تھی!۔ ایمن۔ وہ بدنہاد بدبخت اور ذلیل انسان بھی میں ہی تھا۔ جس نے کرنل صاحب کی لڑکی تک تمھاری منگنی کی بات پہنچائی تھی!۔ اور۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ۔ تمھاری شادی.. فریال سے ہوگی!۔ مشام سے نہیں!۔ وہ رونے لگی تھی!۔ میری بہیمیت کو تسکین پہنچی تھی!۔ میں بدلہ لے رہا تھا!۔ تم سے۔ فریال سے، ان بزرگوں سے۔ جنھوں نے میرا حق چھین کر تمھیں دے دیا تھا!۔ میں نے مشام سے کہا تھا!۔ ایمن تم پر

ترس کھا رہا ہے کیونکہ تم مرنے والی ہی ہو۔ شادی وہ فریال سے ہی کرے گا۔ اس خوش خیالی سے باز آؤ اور کچھ کھا کر سو رہو۔ تاکہ اپنی شکست محبت سے محفوظ رہو!۔ آہ! ایمن۔ اس نے یہی کیا۔ اس کا دل میں نے توڑا تھا۔ وہ زہر کھا کر مر گئی اور میں نے اخبارات میں اس کی موت کا حال پڑھ کر تمہاری سوگواری کا خیال کر کے خوب قہقہے لگائے تھے ہلئے!۔ میں بد نصیب! اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی۔ بدلہ اپنے آپ سے لیا۔ آج میں نادم و شرمندہ ہوں!۔ مجھے کیا ملا۔ میں نے کیا پایا۔ رسوائی، ذلت، نامرادی۔ محرومی الله۔ الله۔ میری اذیت کا کوئی ٹھکانہ بھی ہے۔"

ایمن پاتال میں اترنے لگا!۔ بڑے دعوے اس نے ایثار و قربانی کے کئے تھے!۔ بڑی بے جگری سے اسے معاف کر دیا تھا!۔ بڑے حوصلے سے اسکی خدمت کر رہا تھا بڑی سیر چشمی سے اپنا پاکیزہ خون اس کے جسم میں داخل کر دیا تھا!۔ اور اب۔ ایک گہرے غار میں وہ آہستہ آہستہ گرتا جا رہا تھا!۔ یہ سب کچھ اس نے کیوں کیا تھا؟ کیوں؟۔ شرافت کی زیادتی کا نام حماقت ہے!۔ وہ نیکی بھی کس کام کی جو اپنے آپ کے لئے ظلم بن جائے!۔ کیا یہ شخص لائق درگزر ہے!۔ دنیا کا کون سا قانون اس ظالم اور جفا پرست کو معاف کر سکے گا؟!۔

"بھیا!۔" دفعتہً سناٹے میں شمعی کی آواز گونجی۔ وہ رو رہی تھی چیخ رہی تھی" یہ تم میرے ماں باپ کی نشانی تھے۔ اب تک میں نے تمہارے لیے رو رو کر دعائیں مانگی تھیں!۔ اب میں یہ دعا کرتی ہوں کہ خدا کرے تم جلدی اس دنیا سے سدھارو۔ بھیا!۔ کس نے تم پر ظلم کیا تھا؟۔ بھیا۔ تم نے ناکردہ گناہوں پر یہ کیا ستم ڈھایا؟۔ بھیا۔ اگر تم زندہ رہ بھی گئے تو کیا صورت دکھاؤ گے ان سب کو جن کے تم گناہ گار ہو۔ بھیا۔ یہ تم نے کیا کیا۔ بھیا۔ یہ تم نے کیا کر دیا؟!"

اور وہ بے ہوش ہو کر کرسی سے لڑھک گئی!۔

بھیا پر شرم کے تازیانے برس رہے تھے!۔ ایسے وقت نہ اس پر آسمان پھٹا نہ بجلی ٹوٹی نہ زمین شق ہوئی کہ پاپ کٹتا! ستم بالائے ستم تو یہ تھا کہ وہ بدنصیب اپنے پورے ہوش وحواس میں بھی تھا!۔ موت کا آنا درکنار۔ اس پر غشی بھی طاری نہ ہوئی!۔

امین کو کسی غیبی ہاتھ نے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ لیکن نہ تو اس نے شمی کی طرف توجہ کی نہ دوبارہ مشرف سے ملا!۔ خود فراموشی کے عالم میں باہر نکلا چلا گیا!۔

بزرگوں کو تو کسی نے کیل دیا تھا!۔ دم بخود بیٹھے تھے!۔ جیسے کوئی عجوبہ روزگار تماشہ دیکھ رہے ہوں!۔ بیگم حسن نے بڑھ کر شمی کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور فرش ہی پر بیٹھ گئیں۔ وہ غفلت میں سسک رہی تھی!۔ پھر جلد ہی اسے ہوش آگیا۔ لیکن وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ نہ جانے کیا کچھ سوچ کر زار و قطار رونے لگی!۔ بیگم حسن بے چاری اسے دلاسے دینے لگیں!۔ لوگ اپنے عزیزوں کی موت پر آنسو بہاتے ہیں مگر شمی اپنے بھائی کے زندہ رہ جانے پر رو رہی تھی!۔ اسے محسوس ہو رہا تھا!۔ جتنے جرم و گناہ مشرف نے کئے تھے۔ وہ دراصل خود اسی سے سرزد ہو گئے ہوں!۔

مرزا صاحب نے پھر کبھی لڑکیوں کی شادی کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان کے قلب پر بڑا دھکا لگا تھا!۔ بیگم حسن اور غفار صاحب سے وہ شرمندہ رہتے تھے!۔ حالانکہ کبھی بھول کر بھی دونوں نے کوئی تذکرہ ان سے نہیں کیا تھا!۔ گھر کا کارخانہ کیا درہم برہم ہوا کہ سب ہی بکھر گئے!۔ سہیل اور غضنفر سے خود مرزا صاحب نے مشرف کی آبلہ فریبیوں کی داستان کہی تھی!۔ وہ دونوں تو اس قدر غضبناک ہوئے تھے کہ

مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تھے!۔ مگر شمی کا خیال تھا کہ انھوں نے بہت ضبط کیا۔

"اب وہ زندہ ہیں کہ جہنم واصل ہوئے؟!۔" سہیل نے نہایت تلخ لہجے میں پوچھا تھا۔" وہ مریں کہ جئیں!۔" غضنفر نے بھی برافروختہ ہو کر کہا تھا!۔" ہم اپنے پروگرام ان کی وجہ سے ملتوی نہیں کر سکتے؟۔" پھر وہ بیگم حسن سے بولے تھے۔ "چچی اماں!۔ تیاریاں کیجئے میں شادیوں میں شرکت کر کے واپس جاؤں گا!۔ اگر آپ کو دنیا والوں کا خیال ہو تو مجھے اجازت دیجئے۔ میں اپنی بہنوں کا نکاح پڑھوا دوں!۔ غضب خدا کا!۔ ایسے ولین تو قصے کہانیوں میں دیکھے تھے۔ بھلا کس کو ہمدردی ہو سکتی ہے ایسے شخص سے!۔"

مارے طیش کے بے ربط فقرے ان کے منہ سے پھسلنے لگے!۔ بیگم حسن نے کبھی اپنے چھوٹوں کی تردید یا مخالفت کر کے ایفس اس قدر گستاخ اور بدتمیز نہیں بنایا تھا کہ وہ ان کی عدول حکمی کرنے لگیں۔ ہر بات کو بخندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے نبھانے کی عادی تھیں!۔ مدھم لہجے میں بولیں۔

"میاں میری مرضی تو شروع ہی سے یہی تھی!۔ یہ تو ایک فرض ہے!۔ اتنا اہم فرض کہ باپ کا جنازہ پڑا رہا ہے اور لڑکی کا نکاح کر دیا گیا ہے۔ لیکن خیال صرف شمی کا ہے!۔ وہ بہت بے زبان ہے۔ یونہی بھائی کا غم اسے اندر اندر جلائے ڈالتا ہے!۔ کہیں یہ نہ سوچے کہ عمر بھر تمہارے یہاں رہی بھی ہے!۔ ماں باپ سر پر موجود نہیں رہے۔ اپنے معاملے میں بولنے کا حق نہیں رکھتی!۔ بھائی موت و حیات کی کشمکش میں پڑا ہے اور مجبور بہن کی، سب نے مل کر زبردستی شادی کر دی!۔"

"وہ خود اس مردود سے نفرت کرتی ہے۔ چچی اماں!۔" سہیل نے کہا۔

"تم سب کے خیال سے نفرت بھی کرنے پر مجبور ہے۔ سہیل میاں! ورنہ کون بہن ایسی ہے جو اپنے سگے بھائی سے نفرت کرے۔ خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو!"

بیگم حسن نے کہا۔!

"اچھا تو پھر شمعی سے دریافت کروایئے۔ اگر وہ راضی ہے تو یہ کام بھی ہو جائے اس طرح تو کافی عرصہ لگ جائے گا!" غضنفر نے کہا۔

میاں تم اپنی دلہن سے کہو۔ وہ اس کا دل لیں اگر وہ ان حالات میں شادی پر راضی ہے تو ضرور اس اہم کام سے بھی فراغت کر لو!" وہ بولیں۔ چنانچہ اسی دن فرحانہ نے شمعی سے دریافت کیا!۔

دل کا حال اس کا خدا کو معلوم تھا!۔ لیکن بظاہر ہر قسم کی آفت و بلا کا مقابلہ کرنے کو تیار نظر آ رہی تھی!۔

"پھر ہم لوگ چلے جائیں گے تو بہت دنوں پھر آئیں گے!۔ شمعی پر نہیں!۔ تمھارے بھائی جان کو چھٹی لے کر نہ ملے!۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کچھ خیال نہ کرو۔ تو بڑی سادگی سے سب کچھ ہو جائے!۔"

"بھابی!" شمعی کا دل پگھلنے لگا!۔ "میں کب آپ سب کے حکم سے۔!"

یہ حکم نہیں ہے! شمعی!۔" جویریہ نے بڑے پیار سے چمکار کر کہا۔ "مرضی کا سودا ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے! کیسا اضطراب تمھارے دل کو ہے۔ مگر کیا کریں۔ مجبوری ہے!۔ اب یہ سب اپنی اپنی ملازمتوں پر جائیں گے تو چھ مہینے سے پہلے نہیں آئیں گے!۔ ادھر اباجان کا پاسپورٹ بن کر آ گیا ہے۔ وہ بیت اللہ شریف جانے کیلئے بے تاب ہیں!۔ لیکن تمھاری اور فریال کی وجہ سے اپنے مقدس سفر پر روانہ بھی نہیں ہو سکتے کچھ ایسی پریشانیاں وقتاً فوقتاً آڑے آتی رہیں کہ یہ کام نہ ہو سکا! ورنہ تم دونوں تو اپنے اپنے گھروں کو جا کر پرانی بھی ہو جاتیں!۔ ادھر اباجان کا قصد۔ ادھر تمھارے دولھا بھائی اور بھائی جان کی روانگی!۔ بھلا بتلاؤ تو اگر یہ کام رک گیا تو پھر کب انجام کو پہنچے گا؟!۔"

شمی لاجواب ہوگئی!۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا!۔ ایسے موقعہ پر وہ اپنی زندگی کے ایک اہم موڑ پر قدم رکھے۔ لیکن کیا کرتی؟۔ اس کے سامنے بھی تو کوئی لائحہ عمل اپنے مستقبل کا نہ تھا!۔

ایمن اور باری بڑے بددل اور افسردہ ہو رہے تھے۔ باری نے دو تین دن کی رخصت اور منگوائی تھی مگر ایمن کو ایسی چپ لگی تھی کہ وہ پھر جمشید منزل نہیں گیا! غم و غصے کی تصویر، بے دست و پائی کا احساس، سب کچھ کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی نہ کرنے کی مجبوری۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے خیالات کی فراوانی نے اس کا نطق سلب کر لیا ہو!۔

پھر وہ اسپتال بھی نہیں گیا!۔ زرنگار گوشہ تنہائی تھا!۔ جہاں دنیا کے تمام علائق سے آزاد وہ محفوظ بلکہ پناہ گزیں تھا!۔

اپنے رخصت ہونے سے ایک گھنٹہ قبل باری اس سے ملنے آیا!۔ اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بزرگوں کے فیصلے سے اسے آگاہ کیا!۔

"ہٹاؤ یار۔ کہاں کی شادی؟" اس نے بڑے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تو سب سے بے زار آگیا!۔ یہاں اگر مستقل رہنے کا ارادہ نہ کر لیتا تو قطعی چلا جاتا!۔"

"فضول پریشان ہوتے ہو ایمن!۔ اولاد آدم پر جو کچھ آتی ہے گزر ہی جاتی ہے!" باری نے سمجھایا۔ "تم تو اس دن اخلاقی اقدار کا سبق مجھے پڑھا رہے تھے!۔ آج خود ہی اپنے دعوے کی مجسم تردید بنے بیٹھے ہو!۔ انسان مقدرات کے سامنے بے بس ہے!۔ ایمن!۔ تقدیر انسان ہی کے ہاتھوں عمل کرتی ہے وہ کسی کی شکل میں تو نمودار ہوتی نہیں!۔ پھر تم کیوں متاثر ہو رہے ہو؟!۔ دنیا کے اسٹیج پر ہونے والے تماشوں کی تو یہ تمہید ہے ایمن!۔ پتہ نہیں۔ مزید پردے اٹھنے کے بعد ہماری نگاہیں اور کیا کچھ دیکھیں!۔ میرا کہا مانو۔ اپنی مشغولیت میں اس کرب و اضطراب

کا مداوا ڈھونڈو۔ جو تم کھو بیٹھے ہو! ۔ بھئی میں تو تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ملازمت گئی جہنم میں ۔ کیا خاک مجھ سے کام ہو گا جبکہ سارا دل تم میں لگا ہو گا! "

"میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں چھپایا باری ۔" ایمن نے آہ بھر کر کہا ۔ "مگر میں تمہارے سالے صاحب محترم کی شکل دیکھتا ہوں تو مجھے مشام کا مردہ چہرہ یاد آجاتا ہے! یہ میرے بس کی بات نہیں! ۔ کیا کچھ بدتمیزیاں، دل آزاریاں اور گستاخیاں اس منحوس غلط فہمی کی بنا پر میں نے امی کی شان میں اور فریال سے کی تھیں! "

"کب تک یہ سب سوچتے رہو گے ۔ یار ۔ ختم کرو! " باری بولا " اب ہمیں اپنی زندگی کا نیا دور شروع کرنا ہے! ۔ ماضی سوائے خلش کے اور کچھ نہیں دیتا جبکہ وہ اتنا غم انگیز بھی ہو! "

باری کی نصیحتوں کا اتنا اثر ہوا کہ وہ باری کو رخصت کر کے پھر اسپتال چلا گیا! ۔ مشرف کی شکل دیکھنے کا جی نہیں چاہتا تھا ۔ مگر پھر بھی اپنا فرض نبھایا... اور پھر اسکی عبرتناک حالت دیکھ کر اسے افسوس بھی ہوا ۔

وہ اپنے بستر پر مجبوری کی تصویر بنا پڑا تھا ۔ بے حس و حرکت! ۔

اسے اپنے اعمال کی سزا مل چکی ؟ ۔ جو ہونا تھا وہ بھی ہو چکا! ۔ اب اسے مزید مارنے سے کیا فائدہ ۔ نیم مردہ تو ہو ہی رہا تھا! ۔

پھر اسے سب پر غصہ آیا ۔ ایسی حالت میں اسے چھوڑ کر کیوں چلے گئے ؟! ۔

اس کی آہٹ سن کر مشرف نے رخ پھیرا اور بڑے دردناک لہجے میں بولا ۔

"ایمن خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو ۔ موت بھی مجھ سے خفا ہے! ۔ تمہیں خدا کا واسطہ اس ہستی کی محبت کی قسم ۔ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے ہو ۔ اب مجھے جینے کے عذاب سے نجات دلاؤ! ۔ میں زندہ رہنا نہیں چاہتا! ۔ ایمن ۔ خدا کی قسم! ۔

اپنے ماں باپ کی قسم!۔ میں جینا نہیں چاہتا!۔

ایمن نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اس کے زخم دیکھے!۔ اور یہ محسوس کر کے اسے خدا کی شان نظر آئی کہ اب وہ رو بصحت تھا!۔

"تمھیں زندہ رہنا ہے!۔ مشرف!۔ اپنے ہاتھوں اپنی بہن کو دلھن نہیں بناؤ گے!"

ایمن نے کہا: "اب گھر چلنے کی تیاری کرو!۔ میں کار منگوا رہا ہوں!۔"

"لیکن۔ لیکن۔!" مشرف دم بخود رہ گیا!۔ احساس کمتری، اور ندامت کا... شکار۔ بات بھی منہ سے نہیں نکل رہی تھی!۔ کیا تو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے! کیا وہ دس بارہ دن کے اندر اندر گھر پہونچ گیا!۔ ایک سناٹا سا سب پر طاری تھا! اس کی تقدیم کے لئے جبراً و قہراً صرف عزت و مشکور آئے!۔ ایمن اسے دروازے میں لیے کھڑا تھا اس نے وہیں سے پکار کر کہا۔

"شمی!۔ تم کہاں ہو۔ ادھر آؤ!۔ بھائی کو سہارا دو!۔"

کس کا بھائی کہاں کا بھائی۔ شمی پر تو نہ جانے کون سا جذبہ غالب تھا!۔ مشرف سوچ رہا تھا کہ شمی حق بجانب ہے!۔ لیکن ایمن کی دوسری آواز پر وہ اپنے کمرے سے باہر آئی اور پاس آ کر چپ چاپ مشرف کا ہاتھ تھام لیا!۔ مدھم لہجے میں کہا۔

"چلیے!۔"

پھر دیکھا دیکھی سب ہی کو اس کی مزاج پرسی کرنی پڑی۔ فرحانہ اور جویریہ نے بھی پوچھا اور پھر سب نے یہ منظر بھی دیکھا کہ مشرف مرزا صاحب کے پاس بیٹھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ اتنی بے کسی اور بے بسی کے ساتھ کہ اس کے آنسو اس کی ساری خطائیں بہا لے گئے!۔

گھر ہی پر تھوڑی بہت مرہم پٹی کے بعد وہ ٹھیک ہونے لگا!۔ پھر یہ دوسری ناگہانی مصیبت آئی کہ پولیس جو تقریباً روز ہی مشرف کی خیر خبر لینے پہونچتی تھی!۔ باقاعدہ

چالان کر کے جمشید منزل پر آگئی!۔

اس پر دو اشخاص کو قصداً ہلاک کر دینے کا ہولناک الزام تھا!۔ گرفتاری کا وارنٹ ان کے پاس موجود تھا!۔ مرزا صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے!۔ گھر پر کوئی نہ تھا کہ پولیس سے بات چیت کرتا۔ زندگی بھر کے تجربات اور واقعات مرزا صاحب بھولے ہوئے تھے!۔ وہ خود ایک بڑے پولیس آفیسر رہ چکے تھے لیکن یہ پہلی بار تھی کہ پولیس ایک ملزم کی گرفتاری کا وارنٹ لے کر ان کے گھر پر آئی تھی!۔

بہر حال پولیس نے ان کی حیثیت کا خیال کر کے عرض مدعا کیا کہ یا تو مشرف کی گرفتاری یا پھر ضمانت!۔ اگر ضمانت نہ ہو سکی تو پھر جیل اور سزا!!۔

"مقدمہ تو بہر حال چلے گا۔ جناب!۔" پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "چاہے ضمانت ہو یا نہ ہو۔" "مجھے ضمانت تو بھر نے دیجیئے!۔" مرزا صاحب نے جواب دیا!۔ "میں ضمانت کر لوں گا۔ گرفتاری ٹلی مگر سرکاری مقدمہ قائم ہو گیا!۔

عورتوں میں تو ایک کھلبلی مچ گئی تھی!۔ جب مرد واپس آئے تو یہ نیا شگوفہ کھلا دیکھ کر سناٹے میں رہ گئے!۔ باری کو تار دیا گیا اور شام تک وہ بھی اپنی کار پر آپہنچا ایسے انسان کی ضمانت کرنا بھی مناسب نہ تھا!۔ غضنفر کو کوئی ہمدردی مشرف سے نہ رہی تھی۔

"حوالے کر دیجئے!۔ پولیس کے!۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی!۔" سہیل نے کہا۔ نئے نئے شاخسانے نکلتے ہیں!۔" باری بھی بول ہی پڑا۔ "چچا میاں۔ کتنی رقم کی ضمانت ہو گی۔

اب جتنے کی بھی ہو۔ مرزا صاحب نے جواب دیا۔

"ناممکن ہے ابا جان!۔" غضنفر نے کہا۔ "میں آپ کو ضمانت نہ کرنے دوں گا! ویسے میں اپنے مجسٹریٹ دوست سے کہہ دوں گا کہ وہ فیصلہ کرتے وقت سوجھ بوجھ سے کام

لے!۔ مگر یہ کیا مصیبت ہے آخر ہم کب تک ان کے اعمال کا خمیازہ بھگتیں گے!۔"

ضمانت نہ ہوگی۔ شمعی سوچ رہی تھی!۔ بہت بڑے بڑے مصائب کے پہاڑ اس کے بھائی پر ٹوٹ پڑے ہیں!۔ اسی رات اس نے اپنے تمام زیورات نقد رقم ایک تھیلی میں رکھی اور چپکے سے باری کے کمرے کی طرف بڑھ گئی!۔ وہ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے؟!۔ کل پھر اسے واپس جانا تھا اور ایک رات درمیان میں تھی!۔ شمعی دروازے پر پہونچ کر ٹھٹکی اور باری اس کی آہٹ پاکر چونک پڑا۔

"اوہو۔ شمعی؟۔ خیریت!۔" وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔

پٹ سے لگی شمعی چراغ کی لو کی طرح کانپ رہی تھی!۔ اس کی طرف دیکھے بغیر اسنے پوٹلی باری کی طرف بڑھادی جسے کچھ سوچے بغیر باری نے اپنے ہاتھوں میں لے بھی لیا!۔

"یہ کیا ہے؟!۔.. پھر وہ متحیر نظر آنے لگا!۔

ایک سسکی کی صورت میں شمعی کے لبوں سے نکلا!۔ "بھیا کو بچا لیجئے۔ خدا نے انھیں زندہ کیا مگر خدا کے بندے انھیں مار ڈالیں گے!۔ جیسے بھی ہوں۔ وہ میرے بھائی ہیں!۔"

اور اس نے دفور جذبات سے مجبور ہو کر باری کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا!۔

"آپ سلامت رہیں!۔ میں بہت کچھ پہن لوں گی!۔ یہ چیزیں فروخت کر کے۔!"

"نہیں شمعی نہیں!۔" باری نے بڑی سنجیدگی سے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "خدا تمھیں اپنے گہنے اور زیور پہننا مبارک کرے!۔ ابھی تو میں زندہ ہوں!۔ اتنی ہراساں کیوں ہوتی ہو؟"

"بھیا نے مجھے صورت دکھانے کے قابل نہیں رکھا!۔ لوگ مجھے کیا سمجھیں گے؟!۔"

"ایک ایثار پسند مخلص بہن!۔" باری مسکرایا اور پھر ہنسنے لگا!۔ "گو کہ تم نے مجھ سے بڑی غیریت برتی!۔ لو سنبھالو اپنے گہنے!۔ اور خبردار پھر کبھی انھیں ہاتھ نہ لگانا!۔ رقم کا بندوبست ہو جائیگا"

"آپ کیا کیجئے گا؟!۔" شمعی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی!۔

اب جاؤ سو جاؤ! بے پریشان نہ ہو۔ یہ کل بتاؤں گا کہ میں نے کیا کیا!" باری نے کہا اور اس کی پوٹلی اسے تھما دی!۔

دوسرے دن باری واپس نہیں گیا لیکن دن بھر گھر سے غائب رہا۔ ایمن نے کئی بار سیلیمنٹ فون کیا مگر وہ وہاں بھی نہیں ملا!۔ جمشید منزل میں سب چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ باری نظر آیا!۔ اس کے چہرے پر مسلط گہری تھکن انھیں دیکھتے ہی شگفتگی میں بدل گئی!۔

"بھئی کہاں رہ گئے تھے!" ایمن اسے دیکھ کر بولا۔

"میاں۔ کیا کیا۔ ضمانت کے سلسلے میں؟!" مرزا صاحب نے پوچھا!۔

سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ چچا میاں!۔ آپ سب خوامخواہ پریشان تھے!" باری نے جواب دیا اور ایمن کو اشارہ کر کے وہاں سے چلا گیا!۔

پھر تنہائی میں باری نے بتایا۔

مہلوکین کے اعزہ سے بھی ملا!۔ بڑی مشکل سے ان کا پتہ چلا تھا!۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ دونوں کے کوئی قریبی وارثین نہ تھے!۔ مرد کے بڑے بھائی اور لڑکی کی خالہ نے معقول معاوضہ پر مقدمہ واپس لینے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ میں سرکاری وکلا سے بھی ملا!۔ ان کے سامنے پانچ پانچ ہزار بطور خوں بہا ادا کر کے استغاثہ واپس لیا!۔ جب مقدمہ ہی ختم ہوا تو ضمانت کیسی۔

ایمن حیرت سے یہ کارروائی سن رہا تھا!۔ پھر شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

"اور مجھے مردہ سمجھ لیا!۔ ہوا تک نہ لگنے دی"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اور کسی قسم کا اندیشہ نہیں رہا؟ مطلب یہ کہ نہ ضمانت نہ مقدمہ اور نہ کوئی جھگڑا باقی رہا۔

"نہیں نہیں!۔ اب کوئی اندیشہ خدا کے فضل سے باقی نہیں رہا!" باری نے کہا اور تھکن کی گہری آہ بھر کر دیوان پر لیٹ گیا!۔ پھر عزت نے کافی بھجوا دی اور دونوں حقیقی معنوں

میں بے فکر ہو کر کافی پینے لگے!۔

"تم میری ایثار پسندی کو بہت سراہتے تھے!"۔ ایمن نے کہا، "لیکن تم خود بھی تو ایسے ہی ہو!"

"خدا گواہ ہے ایمن"۔ باری نے دوبارہ اپنی پیالی بھرتے ہوئے کہا، "چاہے مجھے تم خود غرض کہو یا مطلبی۔ مگر میں نے جو خاک پھانکی ہے وہ شمی کے لیئے ہے! معاملہ صرف مشرف ہی کا ہوتا تو شاید میرے جذبہ ایثار کو جنبش بھی نہ ہوتی!۔

بیگم حسن واقعات معلوم کرتے اندر آئیں، دونوں انکی تعظیم میں کھڑے ہو گئے!۔

"آیئے پھوپھی جان!"۔ باری نے کہا اور ان کا ہاتھ تھام کر صوفہ پر بٹھا دیا!۔

"کافی بناؤں آپ کے لیے!؟"

"نہیں بچے!۔ میں ابھی پی کر آ رہی ہوں!" وہ بولیں: "صبح سے تم کہاں مارے مارے پھر رہے تھے! ان کان کے مارے آتنا سا منھ نکل آیا ہے!"

"آہ ایمن!۔ ایک ماں کے سوا یہ کون پوچھ سکتا ہے!"۔ باری نے کہا اور بیگم حسن کے سینے سے چمٹ گیا!۔ انھوں نے بھی بڑی محبت سے اسے اپنی کمزور باہوں میں سمیٹ لیا!۔ ایمن بھی ہنسنے لگا!۔

"اب مجھے تمھاری خوش نصیبی پر رشک نہیں آئے گا!"۔ باری نے کہا: "ماں لو ایمن کو مجھے بھی پھوپھی اماں اتنا ہی چاہتی ہیں جتنا تمھیں!۔ اب میں تمھیں اپنا رقیب نہیں سمجھوں گا!"

"یہ اب تمھیں پتہ چلا۔ تم دونوں تو میری آنکھوں کے تارے ہو۔ اللہ بری نظر سے بچائے!۔ میرے لئے آفتاب ماہتاب کی جوڑی!"۔ بیگم حسن بولیں۔

ادھر ادھر کی تفریحی باتوں کے بعد باری نے جو کچھ ایمن سے کہا تھا وہ بیگم حسن کے بھی گوش گزار کر دیا۔ تعجب انھیں بھی بہت ہوا تھا!۔ اتنا کارگزار باری کو نہیں سمجھتی تھیں! بہرکیف انھیں بھی اطمینان ہو گیا!۔ چلتے چلتے دریافت کیا!۔

"اپنے چچا میاں کے فیصلے سے تو تم دونوں واقف ہو گے!۔ تاریخ بھی انھوں نے مقرر کر دی ہے! پتہ بھی ہے کہ غائب رہو گے عین شادی کے دن!۔"

"جی نہیں تو۔ پھوپھی جان!" باری شرما کر بولا پھر جب وہ کمرے سے چلی گئیں تو بڑبڑایا۔" دن گنے جاتے ہے جس دن کے لئے۔ بھلا وہی دن کیسے بھول جائیں گے! کیوں بھئی!۔"

"ٹھیک کہتے ہو!!" امین ہنس پڑا۔ پھر کچھ یاد کر کے بولا "ہاں۔ تم نے شرف صاحب اور شمی سے نہیں کہا۔ آج کا قصہ۔ وہ بھی مطمئن ہو جاتے!۔"

"کہہ دیں گی پھوپھی جان!۔ مجھے ان کی عقل مندی پر پورا بھروسہ ہے!۔ باری نے جواب دیا۔

"چند منٹ آرام کرنے کے بعد دونوں گھومنے چلے گئے!۔"

تکوینی امور خالق عالم کے کسی انسان کی سمجھ میں نہیں آتے! کوئی بات اچھی یا بری جیسی بھی ہونے والی ہو۔ اس کے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں اور آدمی کی عقل بھی اسی کی مناسبت سے سوچنے لگتی ہے!۔

جمشید منزل پر چھائی ہوئی مصیبتوں کی گھٹا برس کر کھل گئی اب تو مسرتوں کا آفتاب پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا!۔ دن رات اگر باہر روشن چوکی بجتی رہتی تھی تو اندر لڑکیوں کے درمیان ڈھولک پٹتی تھی!۔

خدا کی شان نظر آتی تھی کہ کل کے راندۂ درگاہ شرف آج سب کے درمیان گھلے

ملے رہتے تھے بہنوں کی شادی میں پیش پیش!۔ نہ تو پھر کسی نے پچھلی پریشانیوں کا تذکرہ کیا۔ نہ ہی باری نے اپنی کارگزاری کی رپورٹ دی۔ شرف بہرحال آدمی ہی تھا!۔ اور آدمی سے ہر قسم کی غلطی کا امکان ہے!۔ اسے سب نے بخش دیا!۔ پہلے پہل وہ کچھ الگ الگ رہا تھا!۔ باری نے بھانپ لیا کہ وہ محجوب و شرمسار ہے!۔ اس نے اپنی کمپنی میں اسے کھینچ لیا!۔ اب وہ ان کا بڑا خیر خواہ تھا۔ ہر کام میں برابر کا شریک اور ایماندار۔ آخر مرزا صاحب کا حقیقی بھانجہ تھا!۔ وہ اس سے محبت کرنے لگے تھے!۔ ہر شورہ میں شریک کرتے تھے!۔ اور بیگم حسن نے اپنا بہت سارا کام اس کے سپرد کر دیا تھا!۔ وہ تو کچھ اور بھی سوچ رہی تھیں!۔ ہر ہر طرح مشرف کو پرکھا تھا!۔ اور وفا شعاری و ایمانداری کی کسوٹی پر اسے خالص پایا تھا!!۔

ایک دن انھوں نے بڑی رازداری سے غفار صاحب سے تذکرہ کیا!۔ کیوں نہ عزت کا ہاتھ مشرف کے ہاتھ میں دیدیا جائے!؟ غفار صاحب اچھل پڑے تھے!۔ منھ سے نکلا تھا!

"والله فاطمہ بہن۔"

آہستہ بولیے!" بیگم حسن نے کہا۔" پہلے بھیا اور عزت سے پوچھنا ضروری ہے!۔ یہ کام آپ ہی کیجیے!۔ میں تو منھ نہیں کھول سکتی!۔ پتہ نہیں عزت کیا سمجھے!۔ پہلے ہی کنویں کھائی میں گرنے کی دھمکی دے چکی ہے!۔"

"خیر عزت کی بات رہنے دو۔ مشرف سے کیسے کہوگی اگر اس نے انکار کر دیا تو پھر!۔"

"ہرگز انکار نہیں کریں گے!۔ خوش قسمتی پر ناز کریں گے۔ کہاں سے کوئی بیٹی ایسی ملی جاتی ہے!۔" بیگم حسن تیوریاں چڑھا کر بولیں۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ ماشاء اللہ عزت بی بی کے دو بچے جو موجود ہیں!۔"

"ہوا کریں۔ کیا بیوی بچوں والے مرد کو دوسری بیوی نہیں مل جاتی؟۔"

غفار صاحب نے مرزا صاحب سے یہ خیال ظاہر کیا۔ اور پھر شدہ شدہ یہ بات

عزت تک جا پہونچی۔ وہ تو ششدر رہ گئی!۔

"یا خدا۔ یہ خالہ اماں کو کیا سوجھا ہے؟" اس نے دل تھام کر کہا: "اٹھائیس سال کی میری عمر ہو رہی ہے۔ دو بچوں کی ماں بن گئی ہوں!... اب کیا مجھے سودا سمایا ہے کہ اچھی بھلی زندگی میں آگ لگاؤں گی!"

"عزت بی بی!" مرزا صاحب نے نرم لہجے میں سمجھایا۔ "آگ لگانے کی بات نہیں یہ آگ بجھانے کی بات ہے تم خود سوچو۔ ہم بڈھے آدمی۔ صبح کا چراغ ہیں۔ آج نہ بجھے کل گئے!" لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کی ہیں۔ لڑکے گھر سے دور اپنی بیویوں کے ساتھ ملازمت کے چکر میں بندھے بندھے پھرتے ہیں!۔ برسوں صورت نہیں دکھاتے!۔ تم تنہا اس گھر میں کیسے رہو گی!۔ خدانخواستہ یہ مطلب میرا نہیں ہے کہ تم مجھ پر دوبھر ہو!۔ ہرگز نہیں!۔ میں تو تمھارے بچوں کے خیال سے کہہ رہا ہوں۔ آج یہ چھوٹے ہیں۔ کل بڑے ہوں گے۔ ان کی تعلیم تربیت دیکھ ریکھ۔ اچھا برا یہ سب کچھ تم اکیلی کیسے کرو گی۔ بی بی۔ عورت کے لئے مرد کا سہارا ضروری ہوتا ہے!۔ آخر کچھ نہ کچھ سوچ کر ہی شرع نے عقد ثانی رکھا ہے!۔ ورنہ صرف زندگی گزارنے کی حد تک معاملہ ہوتا تو بادشاہوں نے بھی اپنی بیٹیاں نہ بیاہی ہوتیں۔ آخر انھیں کمی کس چیز کی ہوتی ہے؟!"

"ویسے تمھاری مرضی۔ بیٹی۔ سودا جبر کا نہیں ہے!۔ خدا کے فضل سے کسی کے دست نگر نہیں ہو۔ یہ تو اس لیے مشورہ دیا تھا کہ بیٹی دیکھو نا۔ ہر مکان کی چھت ضروری ہوتی ہے!۔ چاہے مجبوراً ٹوٹی پھونس کی ہو۔ مگر چھت اس پر بھلے پھونس ہی کی سہی ڈالی جاتی ہے!" غفار صاحب نے سمجھایا: "وہ مکان کس کام کا جس میں ہر طرح کی آسائش ہو۔ مگر آندھی پانی سردی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی چھت نہ ہو۔ تم خود سوچو!۔ جلدی نہیں ہے! سوچ سمجھ کر رائے دینا۔ تمھاری مرضی نہیں ہے تو نہ سہی!۔"

"بیٹی تم کہو گی کہ آخر مشرف ہی کیوں؟" مرزا صاحب بولے: "یہ ٹھیک ہے کہ وہ

پہلے جانور تھے مگر اب انسان بن گئے ہیں!۔ رشتے میں تمھارے عزیز بھی ہوتے ہیں! مصیبتیں انھوں نے کافی سے زائد اٹھائیں۔ سونا جب تک آگ میں اچھی طرح تپ نہیں جاتا کندن نہیں بنتا!۔ میں انھیں کافی پہچان گیا ہوں!۔ مجھے تم بیٹی کی طرح عزیز ہو!۔ بے سمجھے بوجھے تمھاری تقدیر سے نہیں کھیلوں گا!"

عزت چپکے سے کچھ کہہ کر اٹھ گئی!۔ جسے مرزا صاحب اور غفار صاحب نے اثباتی جواب پر محمول کیا!۔ شرف سے جب کہا گیا تو اس کی زبان سے نکلا!۔

"ایسی میری قسمت کہاں؟۔ خالو ابا!"

"کیا مطلب؟" غفار صاحب نے پوچھا!۔

"اگر ایسا ہو جائے تو اپنی تقدیر پر ناز کروں گا!" شرف نے جواب دیا۔

"لیکن یہ سوچ لو کہ اس کے ماشاءاللہ دو ننھے ننھے بچے بھی ہیں!" مرزا صاحب نے کہا۔

"میں نے سنا ہے خالو ابا! کہ بچے اپنے باپ کو یاد کرتے ہیں!۔ شرف نے کہا" کیا وہ معصوم بچے اپنا باپ نہیں سمجھیں گے؟!"

"میاں تمھاری عمر دراز۔ بڑا جی خوش کیا!۔ غفار صاحب نے اسے گلے لگا لیا! مرزا صاحب کی بھی مسرت کی انتہا نہیں رہی تھی!۔ انھیں یہی معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے شیطان نے فرشتے کا روپ دھار لیا ہو۔

شمعی نے بھی سنا! ثریال نے بھی۔ دونوں عزت سے آلپٹیں!۔

"میری بھابی۔ یا اللہ۔ حیرت۔ حیرت!!" شمعی نے اس کے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے!۔ اس نئے واقعے نے عزت کو گوشہ نشین کر دیا!۔

مرزا صاحب، غفار صاحب اور بیگم شن کے پاسپورٹ بن کر آ گئے تھے! چونکہ ان کی روانگی میں دن کم رہ گئے تھے!۔ شادیوں کی تیاریاں از سر نو شروع ہو گئیں!!۔

سب سے پہلے عزت اور شرف کا نکاح ہوا۔ بہت بڑا تزئین اور باری نے اس

نکاح سے قبول کیا تھا۔ مشرف انھیں اپنی ہی سطح کے برابر دکھائی دے رہا تھا!۔ متین و سنجیدہ، ایثار پسند!۔ اس نے ایک بیوہ عورت اور یتیم بچوں کی سرپرستی بہ حیثیت ایک شوہر اور باپ کے منظور کر لی تھی!۔ یہ بھی ایک قسم کا ایثار ہی تو تھا!۔

عزت کو وداع ہو کر بھی اسی گھر میں رہنا تھا!۔ ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی وہ سر پر رنگین آنچل اوڑھے اپنے بھائیوں سے ملنے آئی!۔ پہلی بار ایمن نے اسے رنگین لباس میں دیکھا دلہن تو وہ نہیں بنی تھی مگر مانگ میں افشاں چمک رہی تھی!۔ کلائیوں میں برسوں بعد چوڑیاں کھنکی تھیں ہونٹوں پر سرخی کا لاکھا مسکرا رہا تھا!۔

ایمن کو دیکھ کر اس نے چپکے سے سلام کیا اور چپکے ہی سے اسکے سینے سے لگ گئی!۔

"ایمن بھیا!" وہ سسکی!۔ "آج آپ کی بہن آپ سے رخصت ہوتی ہے!۔"

ایمن کا دل بھر آیا۔ اس کی جگمگاتی مانگ پر اس نے اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور پھر کہا "رخصت ہو۔ میری بہن۔ خدا اپنی رحمتوں کا سایہ ہمیشہ تم پر قائم رکھے!۔" پھر اس نے مشرف کی طرف دیکھا۔ جو الگ تھلگ کھڑا تھا۔ سفید شیروانی، سفید پاجامے میں ملبوس۔ لبوں پہ موہوم سی مسکراہٹ۔ اسے پہچاننا دشوار تھا!۔

"مشرف!" ایمن نے کھنکھار کر گلا صاف کیا!۔ "میں نے آج تک کبھی تم سے کچھ نہیں مانگا!۔ مگر آج کچھ مانگتا ہوں تم سے!۔"

مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرو ایمن!۔ تم اگر میری جان بھی مانگو تو خدا کی قسم۔ میں انکار نہیں کروں گا!۔ مشرف بڑھ کر ایمن کے ہاتھوں پر جھک گیا!۔ ایمن نے اسے گلے سے لگا لیا!!۔

"مشرف!۔ میں اپنی بہن کی خوشیاں تم سے مانگتا ہوں!" ایمن نے کہا۔

"صرف خوشیاں؟!" مشرف نے کہا۔ "تم میری زندگی مانگ لیتے میرے بھائی۔ یہ بھی تو اب عزت کی ہے!۔"

رخصتی کے وقت بہت سے تحفے تحائف عزت اور شرف کو ملے تھے!۔ ایمن کے جی میں نہ جانے کیا آئی۔ کرنل جبار کی عطا کردہ کوٹھی جو ابھی تک خالی پڑی تھی۔ وہ عزت کے نام کر دی اور اس کی دستاویز بطور تحفہ عزت کے حوالے کر دی!۔ دونوں بھونچکا رہ گئے!۔

"ایمن بھائی!؟" عزت کانپتے ہوئے لبوں سے نکلا!۔

"ایک تہی دست بھائی کا نذرانہ ہے۔ بہن کی پرمسرت زندگی کے آغاز پر!۔" ایمن نے کہا۔ اپنے بلند و برتر بیٹے کی اس عالی ظرفی پر بیگم حسن کا دل بھر آیا!۔

اور بہت کچھ لدے پھندے شرف و عزت اپنے نئے گھر سدھار گئے!!۔

ایمن انھیں رخصت کر کے آیا تو اس کی نگاہیں سنگ مرمر کے ایک مجسمے پر پڑیں بسرخ لباس میں ملبوس۔ وہ زیور پہنے جو کبھی ایمن نے فریال کو دیے تھے!۔ انگ انگ سے مسرت چھلکتی ہوئی۔ آنکھوں سے شراب برس رہی تھی!۔ لبوں کی کلیاں مسکرا رہی تھیں!۔ فریال پر نگاہیں جمانا دشوار ہو گیا!۔

"یہ بیداری ہے یا خواب؟!"۔ ایمن گنگنایا۔ "اتنے دنوں بعد میری فرمائش پوری کرنے کا آپ کو خیال آیا؟۔ زہے نصیب!۔ بات آپ کو یاد تو رہی!!۔

"کون سی بات۔ ڈاکٹر صاحب؟!۔ یہ سب کچھ تو میں عزت آپا کی شادی کے سلسلے میں پہنا ہے!۔

"جھوٹ بولتی ہیں آپ!"۔ ایمن اس کے پاس چلا آیا۔ "بات آپ کو یاد ہے!۔

اب تو جھوٹ ہی بولوں گی!۔ کیا کوئی سزا دیجئے گا مجھے!۔

"ہاں!۔ بہت سخت سزا ملے گی آپ کو!"۔ ایمن نے کہا۔

"بھلا کیا کیجیے گا؟"۔ فریال نے پلکیں جھپکائیں!۔

"قید کر لوں گا آپ کو اپنی باہوں میں ہمیشہ کے لیے!۔"

"اے اللہ!" فریال نے بڑے انداز سے کہا۔ ایمن نے بازو پھیلائے اور فریال ہنستی ہوئی بھاگ گئی!۔ بیگم حسن نے بھی دیکھا تھا وہ ان کے زیور پہنے تھی!۔ ایمن کے جھینپنے پر انہیں ہنسی آ گئی!۔"

شمعی اور فریال کی شادی کا دن جمشید منزل کی ہنگامہ آفریں زندگی کا ایک یادگار دن تھا!۔

فریال کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی تھی!۔

مگر شمعی نے بھی اپنے غم کو بہت حسین بنا لیا تھا!۔ بے شمار تحفے اور خوبصورت زیور ایمن نے شمعی کو پیش کیے تھے!۔

پھر زرنگار اور سیلینٹ سے بڑی دھوم دھام سے باراتیں آئیں!۔ دونوں عمارتیں بجائے خود دلھنوں کی طرح سجی سنوری ہوئی تھیں!۔ جمشید منزل کی رونق اور شان دیکھنے والی تھی مہمانوں کی کثرت، غل شور، قہقہوں کے طوفان!۔ غرضیکہ ایک ہنگامہ برپا تھا!۔"

پھر رات ڈھلے فریال اور شمعی رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں!۔ اور جمشید منزل کی رونق کا بھی دم ٹوٹ گیا!۔

ایک ہفتہ شادیوں کے بعد یوں گزرا جیسے کسی نیند کے متوالے کو صرف ایک جھپکی آئی ہو اور سویرا ہو گیا ہو!۔ فریال اور ایمن، شمعی اور باری کی خاندان بھر میں دعوتیں ہوئیں!۔ اور ایک بہت بڑا اور آخری ایٹ ہوم مرزا صاحب نے اپنی طرف سے دیا۔ جس میں اگر سارا خاندان مدعو تھا تو ایمن کے اسپتال کا سارا اسٹاف اور باری کے تمام دوست احباب مدعو تھے!۔

شمعی اور فریال اتنی مطمئن اور مسرور تھیں جیسے کوئی تشنہ لب سیراب ہو جائے!۔ بڑی حسین اور زندہ دل ہو گئی تھیں!۔ ایمن اور باری کا بھی یہی حال تھا!۔ بات بیچھے کرتے۔ پہلے ہنس دیتے۔ بس تھوڑی ہی دیر کے لئے اپنی گولڈن نائٹ گزارنے وہ جمشید منزل سے گئے تھے!۔

دوسری ہی صبح کو پھر وہیں واپس آ گئے!۔ بیگم حسن تو شادی والی رات کو بھی ہنیں گی تھیں

اپنے بھائیوں کے ساتھ مستقبل کا پروگرام بناتی رہی تھیں!۔ گو اپنے ایک بڑے مقدس فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں وہ عازم سفر تھیں مگر دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا تھا، یہ خیال نشتر کی طرح جگر چاٹ رہا تھا کہ کیسے اور کیونکر وہ اپنے بیٹے سے جدا ہونگی!۔ انکی پوری عمر ایک جدوجہد کی زندگی تھی!۔ حقیقی معنوں میں آرام اور فراغت کے دن تو اب آئے تھے جب سکون سے بیٹھ کر بیٹے بہو کا سکھ دیکھتیں!۔ پوتے کھلاتیں!۔ مگر وہ بڑی صابر شاکر اور سمجھدار خاتون تھیں رتی بھر غم یا پریشانی کا اظہار نہیں کیا!۔

مرزا صاحب کا ارادہ نہیں تھا کہ وہ پھر وطن واپس آئیں!۔ یہی ارادہ غفار صاحب بھی رکھتے!۔ ویسے انھیں یقین تھا کہ اگر وہ واپسی کی خواہش کریں بھی تو واپس نہیں آسکتے!۔ دیار حبیب میں آنے والی مبارک موت کا انھیں یہیں سے یقین تھا!!۔ اسی لیے مرزا صاحب نے آخری بار دعوت میں سب سے ملاقات کا بہانہ ڈھونڈا!۔ اپنی تمام اولادوں میں جائداد اور نقد کا بٹوارہ کر دیا۔ اس موقعہ پہ وہ اپنے دوسرے عزیزوں کو بھی نہیں بھولے!۔ شمعی، عزت اور مشرف کو بھی ان کا حصہ دیا!۔ حالانکہ یہ لوگ اب محتاج و دست نگر نہیں رہ گئے تھے!۔ شمعی ایک اعلا افسر کی بیوی تھی!۔ مشرف عنقریب پروفیسر شپ کے عہدے پر پہونچنے والا تھا۔ لے دے کے شکور رہ گیا تھا!۔ جسکی تعلیم و تربیت اور مستقبل کا سارا بار بڑی خندہ پیشانی سے باری نے اٹھالیا!۔ ویسے جمشید منزل مرزا صاحب نے اسی کے نام کر دی تھی!!۔

جب مرزا صاحب نے تمام مہمانوں کو سامنے بٹوارے کا اعلان کر دیا اور سب کو ان کے حصے تقسیم کئے تو لڑکیاں بے اختیار رونے لگیں!۔ حتیٰ کہ سہیل اور غضنفر بھی رو پڑے انھیں یقین تھا!۔ دیار کعبہ سے اب ان کے شفیق و مہربان ابا جان واپس نہیں آئیں گے! مرزا صاحب کو روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگے تھے!۔ لیکن اپنا فرض انھوں نے پورا کر دیا!۔

بڑا دردناک منظر تھا جب وہ تینوں رخصت ہو رہے تھے!۔ ہزار بیگم حسن نے دل کو سنبھالا۔ مگر جیسے ہی ایمن ان کے سامنے آیا۔ بے اختیار رو پڑیں!۔ ایمن چپ چاپ ان کے سینے سے لپٹ گیا اور پھر وہ بھی زار و قطار رونے لگا!۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی!۔ بیگم حسن نے کہا۔

بیٹے!۔ یوں نہ رو کہ تمہارے آنسو میرے ارادے کو ناکام بنا دیں!۔ میں پھر آؤں گی میرے بچے.... اگر خدا لایا۔ اب جاؤ۔ خوش رہو!۔ دین و دنیا کی مسرتیں اللہ تمہیں عطا کرے!"

"امی!" ایمن نے ان کے مقدس قدموں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے اور ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔" میں آپ سے الگ ہو کر کبھی خوش نہیں رہ سکتا!۔ مگر میں آپ کو روکوں بھی تو کیسے؟۔ آپ تو اللہ کے گھر جا رہی ہیں۔ امی۔ دعا کیجئے گا کعبہ شریف کا پردہ تھام کے کہ خدا مجھے جلد از جلد آپ کے پاس پہونچا دے!۔ میں آؤں گا امی اور سب کو لاؤں گا!۔"

بیگم حسن نے جان بوجھ کر اپنے بیٹے پر سے نظریں ہٹا لیں۔ اور فریال کو گلے سے لگایا شمی سے ملیں اسے دعائیں دیں!!۔ بے چارے مرزا صاحب، غفار صاحب بھی ان سب سے ملے جو انھیں رخصت کرنے آئے تھے!۔ ایروڈرم پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی!۔ سامنے وہ ایروپلین تیار کھڑا تھا جو انھیں لے جانے والا تھا!۔ ہار پھول پہنے روتے اور رلاتے اناؤنسر کی تیسری آواز پر رنگ سے باہر چلے گئے!۔

امی۔ امی۔ فریال اور شمی بے ہوشی میں سسک رہی تھیں!۔ جویریہ و نرجانہ کا بھی تقریباً یہی حال تھا!۔ بچے الگ بلک رہے تھے!۔ عزت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

ایمن جنگلے سے لگا کھڑا اپنی ماں کی محبت کو دور ہوتی ہوئی ہستی کو دیکھ رہا اور ننھے بچے کی طرح رو رہا تھا!۔ باری اور سہیل اور غضنفر بھی ضبط نہ کر سکے!۔ وہ بھی رو

رہے تھے!۔ نہ تو کسی سے آنسو ضبط ہو سکے اور نہ کسی نے اس کی کوشش ہی کی!۔

اور وہ تینوں بار بار مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے طیارہ نے ایک راؤنڈ پویلین کا لگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے فضا میں بلند ہو کر... چشم زدن میں نگاہوں سے غائب ہو گیا!!!

اور نئے نویلے ایک دوسرے کی زندگی کے ہمسفر ہاتھ میں ہاتھ دیے ایروڈرم کی عمارت سے باہر آئے اور زندگی کی راہوں پر قدم بڑھا دیے!!!!!

ختم شد

عفت موہانی

بی۔ اے (آنرز) ایم اے